دُختِ کرام

سیرت و سوانح

حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم

مرتبہ

سیّد سجاد احمد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست

عنوان	صفحہ
پیش لفظ ۔ حضرت سیدہ امّ متین مریم صدیقہ صاحبہ	
ابتدائیہ	۳
سیرت و سوانح سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر	۶
سیرت و سوانح سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور تحریر	۹
حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی اہلی زندگی کا مختصر جائزہ	۱۱
مبشر اولاد	۱۶
ذہانت و فطانت	۱۹
اولاد کے لیے دُعائیں	۲۰
مستجاب دُعاؤں کا فیضان	۲۲
اعلیٰ درجہ کا نیک نمونہ	۲۶
ولادت باسعادت	۳۰
تاریخ احمدیت کا ایک ورق	۳۲
حضرت سیّدہ کی اولاد	۳۴
تقریبِ نکاح اور متعلقہ امور	۳۴

صفحہ	عنوان
۴۰	رشتہ کے سلسلہ میں خط وکتابت
۴۲	سلسلۂ جنبانی
۵۰	حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کی ڈائری کے چند اوراق
۵۱	ایک عجیب رؤیا
۵۳	دختِ کرام کی عجیب شان
۵۴	اعلانِ نکاح
۵۸	مہر نامہ
۵۹	مبارک شادی
۶۰	رخصتی
۶۲	شادی کے متعلق بعض تاثرات
۶۵	جذباتِ تشکر و امتنان
۶۷	قرار واقعی احترام کی تلقین
۶۹	اللہ تعالیٰ کے بے انتہا احسانوں کا شکریہ
۷۸	حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی وصیت
۸۰	حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی وفات پر بعض تاثرات
۱۰۱	انفاق فی سبیل اللہ
۱۰۶	خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی (مالی) قربانیاں
۱۰۷	تعلیم
۱۰۸	امۃ الحفیظ کی آمین
۱۰۹	دینی مساعی

صفحہ	عنوان
۱۱۳	بابرکت نام
۱۱۴	ایک روایت
۱۱۴	میاں عباس احمد خان صاحب کا ذکرِ خیر
۱۱۵	بعض یادداشتیں
۱۱۶	ایک یادگار واقعہ
۱۱۹	بیتِ محمود زیورچ (سوئٹزرلینڈ) کے سنگ بنیاد رکھنے کی مبارک تقریب
۱۱۹	محرکات
۱۲۱	غیر متوقع خوشکن خبر
۱۲۲	سنگِ بنیاد کی تقریب
۱۲۴	لجنہ اماء اللہ کراچی سے خطاب
۱۲۹	سفرِ یورپ کی مزید تفصیلات
۱۳۰	لندن میں ورود
۱۳۱	ہالینڈ
۱۳۳	ہیگ
۱۳۵	ہیمبرگ
۱۳۶	پریس انٹرویو
۱۳۸	کوپن ہیگن
۱۴۲	سوئٹزرلینڈ
۱۴۵	ایک یادگار دن
۱۴۸	حضرت سیدہ دختِ کرام کی المناک وفات

عنوان	صفحہ
نمازِ جنازہ و تدفین	۱۵۳
آخری دیدار	۱۵۴
جنازہ کی بیت اقصیٰ روانگی	۱۵۵
بہشتی مقبرہ روانگی	۱۵۶
آخری آرام گاہ	۱۵۷
دُختِ کرام حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی وفات اور ذرائع ابلاغ	۱۵۹
اظہارِ تعزیت	۱۶۴
چند تعزیتی خطوط	۱۶۵
سپاس تعزیت	۱۷۴
حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ ایک بہت ہی بابرکت وجود تھیں اور متعدد نشانوں کی مورد	۱۷۶
علمی ذوق	۱۹۵
حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شفقت کا دائرہ بہت وسیع تھا	۱۹۷
دو احادیث	۲۱۱
حضرت سیدہ مرحومہ کے دو شعر	۲۱۳
حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ایک خطاب	۲۱۴
گلشنِ احمد کا ایک حسین پھول	۲۱۶
حضرت باجی جان کی یادیں	۲۲۲
پیکرِ اوصافِ حمیدہ	۲۴۳

صفحہ	عنوان
۲۵۲	دُختِ کرام - جذبۂ تسلیم و رضا کا پیکر
۲۷۲	تاریخی متبرک انگوٹھی
۲۷۳	میری امّی - تحریر صاجزادی طاہرہ صدیقہ صاحبہ
۲۸۹	میری پیاری امّی - تحریر صاجزادی فوزیہ بیگم صاحبہ
۳۱۶	پیاری پھوپھی جان دُختِ کرام - تحریر صاجزادہ مرزا حنیف احمد صاحب
	حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ایک خط بنام
۳۲۰	صاجزادی فوزیہ بیگم صاحبہ
۳۲۲	حضرت سیّدہ مرحومہ کے چند خطوط
۳۳۲	حضرت سیّدہ دُختِ کرام کے تین نادر خطوط
۳۳۷	آہ پیاری چچی جان - تحریر بیگم سلمیٰ اظہر محمود صاحب لاہور
۳۴۰	دیدہ ور - تحریر ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ
۳۴۴	الوداع دُختِ کرام - تحریر مولانا غلام باری صاحب سیف
۳۴۸	دختِ کرام - " " " " "
۳۵۵	رفتید ولے نہ از دلِ ما
۳۶۰	دُختِ کرام کی شفقتوں کی مورد - زینب
۳۶۶	ایک مثالی بیوی - تحریر چوہدری محمد صدیق صاحب فاضل
۳۶۸	حسین یادیں - تحریر رضیہ درد صاحبہ
۳۷۰	ایک ہمدرد و غمگسار ہستی - تحریر طاہرہ رشید الدین صاحبہ
۳۷۵	چند متبرک یادیں تحریر شمیم اختر صاحبہ

صفحہ	عنوان
۳۷۸	نا قابل فراموش لمحات۔ تحریر ثمینہ سمیں صاحبہ
۳۸۰	شفقتِ مادرانہ۔ تحریر زہرہ تسیم صاحبہ
۳۸۲	با برکت وجود۔ تحریر بشریٰ نسرین صاحبہ
۳۸۵	ایک خط بنام شوکت صاحبہ
۳۸۶	عظیم الشان خُدائی نشانوں کی مظہر ایک عظیم ہستی۔ تحریر امۃ القیوم صاحبہ
۴۰۵	مَیں نے آپ کو کیسا پایا تحریر امۃ الودود صاحبہ
۴۱۰	دختِ کرام کے اخلاقِ کریمانہ۔ تحریر محمود مجیب اصغر صاحب
۴۱۴	خدا رحمت کرے۔ تحریر سیّدہ نصرت زین العابدین صاحبہ
۴۱۸	شفقتوں کا گہوارہ۔ تحریر عذرا بیگم صاحبہ
۴۲۴	میرا خواب۔ تحریر روبینہ نعیم صاحبہ
۴۲۷	ناقابلِ فراموش یادیں۔ تحریر ستارہ مظفر صاحبہ
۴۳۰	حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ذکرِ خیر۔ تحریر امینہ سعود صاحبہ
۴۳۵	نورانی چہرہ تحریر ناصرہ بیگم صاحبہ
۴۴۱	مستجاب الدعوات۔ تحریر عبدالسمیع صاحب نون
۴۴۳	ندامت کے دو اوراق۔ تحریر مبشر احمد محمود
۴۴۸	جستہ جستہ
۴۵۷	حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ تحریر خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار
	منظومات
۴۶۳	دختِ کرام از مولانا نسیم سیفی صاحب
۴۶۵	رحلت حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ از عبدالمنان صاحب ناہید

صفحہ	عنوان
۴۶۶	آسماں اس کی لحد پر نورُ افشانی کرے از صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ
۴۶۸	بیادِ دختِ کرام از سیّد سجاد احمد
۴۶۹	عقیدت کے آنسو از ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ
۴۷۲	جگمگاتی پانچ ہیروں کی لڑی از سیّدہ منصورہ حنا صاحبہ
۴۷۳	ہر گھڑی جس کو خدا کی تھی رضا پیش نظر از سیدہ منیرہ ظہور صاحبہ
۴۷۴	محسنہ سب کی از حمید احمد صاحب اختر
۴۷۶	سیرت نگاری
۴۷۷	لمحۂ فکریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از حضرت سیدہ اُمِّ متین مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالیٰ)

○

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کی عمر صرف چار سال تھی۔ اس چھوٹی عمر میں آپ کی جُدائی کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اسی لیے حضرت امّاں جان آپ سے بہت پیار کا سلوک کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں آپ کا درجہ اس سے ظاہر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نام دیا گیا یعنی دُختِ کرام۔

آپ کی زندگی نمونہ ہے آجکل کی خواتین اور بچیوں کے لیے۔ پارٹیشن کے بعد آپ کے شوہر نواب عبداللہ خان کو دل کا شدید حملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حملہ سے ان کو بچا لیا۔ سیدہ امۃ الحفیظ بیگم نے ان کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ ڈاکٹر بھی جو ان کو دیکھنے آتے تعریف کرتے کہ ایک ٹرینڈ نرس کی طرح آپ نرسنگ کر رہی ہیں۔ پہلے حملہ کے بعد

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بارہ سال اُن کو زندگی دی۔ اور ان بارہ سال کا ایک ایک لمحہ ان کی قربانی کی یاد دلاتا ہے۔

خود نواب عبداللہ خان کو ان کی بہت قدر تھی۔ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کا خادم سمجھتا ہوں جن میں سے ایک کو حضرت مسیح موعود نے میرے والد کے اور ایک کو میرے سُپرد کیا ہے۔ غرض ایک کامیاب شادی کا نمونہ ان کے گھر میں نظر آتا تھا۔ خدا کرے اسی قسم کا نمونہ ہماری آنے والی نسلوں میں بھی نظر آتے۔ آمین

خاکسار

مریم صدیقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؒ

ھُوَ اللہ خدا کے فضل اور رحم کیساتھ اِصرُ

ابتدائیہ

اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ

"اپنے پیارے اور محبوب بزرگوں کا ذکرِ خیر کیا کرو"۔ اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ اور اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ کے تحت اپنے بزرگوں کا ذکرِ خیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل بھی ہے۔ اور ہر انسان کی یہ طبعی خواہش بھی ہوتی ہے کہ وہ غیر معمولی اوصاف کے حامل اپنے عزیزوں۔ بڑی شخصیتوں۔ اہلِ علم و فضل بزرگوں اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کے اعلےٰ اخلاق۔ اوصافِ حمیدہ اور شمائل و فضائل کو حرزِ جان بنا کر رکھے ان کے فرمودات پر عمل کرے اور ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی بھرپور سعی کرے۔ بلاشبہ برگزیدہ ہستیاں ساری عمر منارۂ نُور بن کر اہلِ دُنیا کو روشنی پہنچاتی رہتی ہیں۔ اور اپنے پاک اور نیک نمونہ سے دوسروں کے لیے ایک سیدھی اور صاف راہ متعین کر جاتی ہیں۔ جن پر چلتے ہوتے انسان دین و دُنیا میں

کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کروگے۔ ہدایت پاؤ گے۔

پھر بزرگ ہستیوں کے ذکرِ خیر اور ان کی سوانح عمری۔ بیان کرنے سے یہ بھی غرض ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ان کی زندگی کے اوراق لوگوں کے سامنے آئیں اور ہر پہلو سے ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا جائے تاکہ ان قابلِ قدر ہستیوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم ہوں جن سے جماعت کے ان کم سن افراد اور آیندہ آنے والی نسلوں کی تشنگیٔ معلومات فرو ہو۔ جنھیں ان اکابر کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ انسان کا ایک فطری خاصّہ ہے کہ وہ سلفِ صالحین کا ذکرِ خیر سُن کر بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ کاش میں بھی اس زمانہ میں ہوتا۔ اور ان کی برکات و فیوض سے حصّہ پاتا اور ان کی زیارت سے بہرہ ور ہوتا۔ اور یہی وہ معیّت و رفاقت کا جذبہ ہے جو سوانح عمری اور سیرت نگاری کو منصّۂ شہود پر لایا۔ اور اس قسم کی تحریروں اور تذکروں سے اُسی وقت اعلیٰ نتائج مترتب ہو سکتے ہیں جب صاحبِ سوانح کی سیرت و کردار اور اُس کی شخصیت کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیل میسّر آتے اور زندگی کے ہر پہلو کو اُجاگر کیا جاتے کیونکہ انسانی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں۔ کئی گوشے ہیں۔ اَن گنت مراحل سے انسان گذرتا ہے۔ قسما قسم کی کیفیات اس پر وارد ہوتی ہیں۔ زندگی کا ہر پہلو

جب تک سامنے نہ آتے - ہر گوشہ جب تک ظاہر نہ ہو - سیرت و کردار کی تشکیل مکمل نہیں ہو پاتی زندگی کی تمام جزئیات اور ساری کیفیات کو جب تک مدّنظر نہ رکھا جاتے سوانح عمری کا حق ادا نہیں ہوتا - ایک ایسا سیر حاصل تبصرہ اور معلومات افزا تذکرہ نظروں کے سامنے ہو جسے پڑھ کر اس شخصیت کا پورا عکس اور بولتا چالتا تصور قاری کے ذہن میں مستحضر ہو جاتے۔

لاریب بعض وجود ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے بے شمار انسانوں کو رُوحانی وابستگی ہوتی ہے اور ان کی زندگی کے حالات اور سیرت و کردار پر مشتمل واقعات پڑھنے والوں پر یقیناً اثر انداز ہوتے اور بعض مخصوص و مؤثر واقعات ذہنوں پر گہرا اثر اور اَنمٹ نقش چھوڑ جاتے ہیں جس کا اثر ان کے اخلاق و عادات پر پڑتا ہے اور بسا اوقات پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق کے حامل بزرگان کی زندگی سے متعلق حسین و جمیل واقعات انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں اور ارشاد خداوندی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ وَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ اے لوگو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ پس تم ہر معاملہ میں حضور پاکؐ کا اسوہ حسنہ اپناؤ۔ اور حضور کی زندگی کے ہر پہلو کو مدِّنظر رکھ کر اُسی طرح اپنی زندگی گذارنے کی سعی کرو جو رسول پاکؐ کی زندگی کی عکاس ہو تو تم دین و دنیا کی برکات حاصل کرو گے۔ اور زندگی کے ہر مرحلہ میں خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا اور غیر معمولی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔ اور وہ بزرگانِ کرام جو ساری عمر قَالَ اللّٰہ

اور قَالَ الرَّسول پر عمل پیرا رہے اور انہوں نے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہوتے اپنی زندگی گذاری اور ہر آن اس کا شکر ادا کرتے رہے اور اپنے اخلاق و کردار کے بے حد حسین نقوش دلوں پر مرتسم کر گئے وہ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں کہ ہم ان کے نمونوں کو اپنائیں ان کی زندگی کے حالات کا بغور مطالعہ کریں اور اپنی آئندہ نسلوں کو ان کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ سے آگاہ کریں تاکہ ہم بھی ان بے شمار انعامات و افضال سے حصہ پا سکیں جو ان بزرگوں پر اللہ تعالیٰ نے کئے۔ بلاشبہ ان صاحبِ کردار بزرگوں کی برکتوں کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے کہ ہم خلوصِ دل کے ساتھ ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی بھرپور سعی کریں۔

حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی سیرت و سوانح بھی اسی غرض کے ساتھ جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ تا مسیح پاک علیہ السلام کے اس جگر گوشہ کی زندگی کی جھلکیاں پیش کی جا سکیں۔

سیرت و سوانح سے متعلق سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کا ایک حوالہ اس جگہ ضروری ہے کہ اس تحریر میں سیرت و سوانح سے متعلق حضور نے شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے۔

سیرت و سوانح سے متعلق سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر

"یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھایا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور پر

ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور ان کے لکھنے سے
کوئی نتیجہ معتدبہ پیدا نہیں ہوتا ۔ سوانح نویسی سے اصل مطلب
تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں ان لوگوں
کے واقعات زندگی پر غور کرکے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا
ہمت یا زہد و تقویٰ یا علم و معرفت یا تائید دین یا ہمدردئی
نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لیے حاصل
کریں ۔ اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوا العزم لوگوں کے حالات
معلوم کرکے اس شوکت اور شان کے قائل ہو جائیں جو اسلام
کے عمائدین ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے ۔ تاکہ اس کو حمایت
قوم میں ان مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں اور یا یہ کہ ان لوگوں
کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم
کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کے لیے کسی قدر مفصل واقعات
کے جاننے کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے اور بسا اوقات ایسا
ہوتا ہے کہ ایک شخص نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے
وقت نہایت شوق سے اس شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع
کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات
پر اطلاع پاکر اس سے کچھ فائدہ اُٹھاتے ۔ تب اگر ایسا
اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو ۔
اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلایا ہو تو یہ شخص نہایت

ملولِ خاطر اور منقبض ہوجاتا ہے اور بسا اوقات اپنے دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا ہے۔ اور درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوانِ نعمت رکھا جاتے اور دو ایک لقمہ کھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اُٹھا لیا جاتے۔ اس لیے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کے لیے قلم اُٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفیدِ عام اور ہر دلعزیز اور مقبولِ انام بنانے کے لیے نامور انسانوں کی سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور سے مکمل کر کے دکھلادیں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائمقام ہوجاتے۔ تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کے لیے دُعا بھی کرے۔ اور صفحاتِ تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ جن بزرگوں محققوں نے نیک نیتی اور افادۂ عام کے لیے قوم کی ممتاز شخصیتوں کے تذکرے لکھے ہیں انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔"

(کتاب البریّہ صہ ۱۵۹)

سیرت وسوانح سے متعلق ایک اور تحریر

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع "سوانح فضلِ عمر" جلد ا صج پر فرماتے ہیں :-

"جو قارئین مختلف قسم کی تصانیف کا تجربہ رکھتے ہیں وہ مجھ سے غالباً اس امر میں اتفاق فرمائیں گے کہ تصانیف کی مختلف انواع میں سب سے مشکل اور وقت طلب نوع کسی سوانحِ حیات کی تصنیف ہے۔ بعض ایسی شخصیات کی سوانح حیات کی تیاری میں بھی جو اپنی ہم عصر اور ہم قوم شخصیات میں کوئی غیر معمولی عظمت کا مقام نہ رکھتی تھیں ان کے سوانح نگار کو سالہا سال تک محنت اور کاوش کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ لارڈ فشر کے سوانح نگار ایڈمرل بیکن نے ہمہ وقت کام کرنے کے باوجود اس کام پر دس سال کا عرصہ صرف کیا یہ مثال محض اس لیے پیش کی جا رہی ہے کہ ایک سوانح نگار کی مشکلات کا کچھ اندازہ ہو سکے"

چنانچہ حضرت سیدہ مرحومہ کی سیرت کے اس تذکرہ میں پوری سعی کی گئی ہے کہ آپ کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی جائے۔ اور آپ کی پاکیزہ زندگی کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہ سکے۔ آپ کی سیرت و کردار۔ عادات و خصائل۔ عبادت و ریاضت۔ تعلق باللہ غرضیکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا

ہر پہلو قاری کے سامنے آجاتے اور جس قدر بھی ممکن ہو سکا آپ کی زندگی سے متعلق زیادہ سے زیادہ واقعات کو یکجا کرنے کی سعی کی گئی ہے اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبات۔ حضرت سیدہ مرحومہ کے ذی وقار شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب مرحوم۔ آپ کی اولاد۔ عزیز و اقارب۔ ملنے جلنے والوں کے تاثرات شامل کئے گئے ہیں۔ مزید برآں بعض ایسی تحریریں ان افراد کی بھی ہیں جن پر حضرت سیدہ مرحومہ کے احسانات ہیں اور ان میں حضرت سیدہ مرحومہ کی شفقت علیٰ خلق اللہ اور حسنِ سلوک کی جھلک پائی جاتی ہے۔ پھر خدمات بجا لانے والے بعض افراد کے تاثرات بھی پیش کئے گئے ہیں جو آپ کی شفقت و عنایت کا مورد رہے۔ آپ نے جو خطوط لکھے اور ہمیں دستیاب ہو سکے وہ بھی شامل کئے گئے ہیں۔ غرضیکہ بھرپور سعی کی گئی ہے کہ حضرت سیدہ مرحومہ کی زندگی کا ہر پہلو نظروں کے سامنے آجاتے۔ وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

والسلام

سیّد سجاد احمد

(ابن سیّد علی احمد صاحب مرحوم)

۲/۱۵ دار الرحمت وسطی۔ ربوہ

۲۴ر نومبر ۱۹۹۳ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی اہلی زندگی کا مختصر جائزہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی شادی ۱۸۴۹ء میں ہوئی۔ ۱۸۵۳ء میں پہلے صاحبزادے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب پیدا ہوئے پھر مرزا فضل احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔ بعد ازاں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ حضور کا تعلق پہلی بیوی سے رسمی سارہ گیا اور کم وبیش بیس سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوسری شادی کے متعلق بہت سی بشارات دیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ (تذکرہ صہ ۳۷)

"میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری دوسری شادی کروں یہ سب سامان میں خود ہی کروں گا۔ اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہو گی۔" (شحنۂ حق صہ ۴۳)

۵ " ہر چہ باید نوعروسی را ہماں ساماں کنم

وآنچہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم "

اِنِّیْ مَعَكَ وَمَعَ اَھْلِكَ اور اِنِّیْ مَعَكَ وَمَعَ اَھْلِكَ

ھٰذِہٖ۔

یہ اور اس قسم کی اَور بہت سی بشارتوں اور نصرتوں کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔ چنانچہ مشیتِ الٰہی کے ماتحت ۱۸۸۴ء میں دہلی کے ایک معزز صحیح النسب خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ حضرت میر ناصر نواب صاحب کی صاحبزادی حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ سے آپ کا عقد ثانی ہوا۔ اس شادی کے بعد ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے ایک اشتہار میں حضور نے تحریر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ:۔

" تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا۔ اور مَیں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا .... تیری نسل بہت ہوگی اور مَیں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہونگے اَور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی .... تیری ذرّیت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دُنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت دنیا کے کناروں

تک پہنچا دے گا۔ مَیں تجھے اُٹھاؤں گا اور اپنی طرف
بلاؤں گا۔ پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھے گا۔۔
۔۔۔۔ خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا۔ اور تیری ساری مرادیں
تجھے دے گا۔ مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی
بڑھاؤں گا۔ اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔
اور ان میں کثرت بخشوں گا ۔۔۔۔۔۔۔ وہ وقت آتا ہے
بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں
تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے
برکت ڈھونڈیں گے۔۔۔۔"

حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم کی ولادت ۱۸۶۵ء میں ہوئی اور شادی کے وقت آپ کی عمر کم و بیش انیس سال تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ولادت ۱۸۳۵ء کی ہے حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور آپ کے ظہور کا زمانہ قریب تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مشیّت کے تحت ایک مبارک اور غیر منقطع ذرّیت طیّبہ کو منصۂ شہود پر لانے کے سامان پیدا کئے۔ اور بہت سی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کی ابتداء فرمائی۔ اسی سلسلہ میں حضور نے اپنی تصنیف "نزول المسیح" صفحہ ۱۴۷ پر تحریر فرمایا:۔

"یہ ایک بشارت کئی سال پہلے اس رشتہ کی طرف تھی
جو سادات کے گھر دہلی میں ہوا۔ اور خدیجہ اس لیے میری

بیوی کا نام رکھا کہ وہ ایک مبارک نسل کی ماں ہے۔ جیسا کہ
اس جگہ بھی مبارک نسل کا وعدہ تھا۔۔۔۔"

نیز یہ بھی تحریر فرمایا :۔

"۔۔۔۔۔ میری یہ بیوی جو آیندہ خاندان کی ماں ہو گی اس
کا نام نصرت جہاں بیگم ہے یہ تفاؤل کے طور پر اس بات
کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی
مدد کے لیے میرے آیندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ
خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی
مخفی ہوتی ہے۔۔۔۔" (تریاق القلوب ص۲۴)

مزید فرمایا : ؎

میری اولاد سب تیری عطا ہے
ہر اک تیری بشارت سے ہوا ہے

چونکہ آیندہ ہونے والی ذریت طیبہ اس جوڑے سے مقدر ہو چکی تھی اور قدیم سے فیصلہ بھی ہو چکا تھا کہ یَتَزَوَّجُ وَیُولَدُ لَهٗ کہ آنیوالا مسیح شادی کرے گا اور اس شادی کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہو گی۔ یہاں اولاد کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اولاد زندہ رہنے والی ہو گی اور اس سے آیندہ نسل چلے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ خَیْرُ النِّسَاءِ وَلُوْدٌ (عورتوں میں سے بہترین عورتیں وہی ہیں

جو بچے پیدا کرنے والیاں ہوں) چنانچہ ان تمام حقائق اور الٰہی بشارات کے تحت مئی ۱۸۸۶ء سے لے کر جون ۱۹۰۴ء تک اللہ تعالیٰ نے اس پاکیزہ جوڑے کو دس بچے عطا فرمائے۔ پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں جن میں سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں کم سنی میں وفات پاگئیں اسی کے مطابق جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی کہ:۔

"تیری نسل بہت ہوگی میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت ہونگے۔"
(اشتہار ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء)

زندہ رہنے والے پانچ بچے (جو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں کی پنجلڑی تھی) ایک مبارک اور غیر منقطع ذریتِ طیبہ کو آگے چلانے اور نسلاً بعیداً کی صداقت کو واشگاف کرنے والے ثابت ہوئے کیونکہ خدا تعالیٰ کے وعدے اسی طرح تھے اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے پانچوں صاحبِ اولاد ہوئے اور دراز عمریں پائیں اور اپنے اپنے وقت پر مِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ کے تحت اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔

اس ذریتِ طیبہ کا آخری مبشر وجود اس پنجلڑی کا آخری ہیرا دُختِ کرام حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ تھیں جو ۶ر مئی ۱۹۸۷ء کو بروز بُدھ ربوہ میں اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اسی مبارک و مقدس وجود کے ذکرِ خیر

اور فضائل و شمائل پر مشتمل یہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔

مبشر اولاد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی اور حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی ولادت ۲۵ جون ۱۹۰۴ء کی ہے۔ اس لحاظ سے حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر چار سال سے ایک ماہ کم تھی۔ اور کم سنی کی وجہ سے حضرت سیّدہ کو حضرت مسیح موعود کے زمانہ کے حالات و واقعات کا زیادہ علم نہ ہوسکا اور آپ کو ہمیشہ یہ احساس رہا کہ آپ نے حضرت مسیح موعود کی پاک زندگی سے بہت کم فیض پایا۔ اور مشیتِ الٰہی کے تحت صغر سنی ہی میں اس پاک اور بابرکت وجود کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، لیکن اس احساس کو کم کرنے کے لیے حضرت اماں جان نے آپ کی دلداری و دل دہی اور مادرانہ شفقت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اسی طرح بہن بھائیوں نے بھی جو عمر میں آپ سے بڑے تھے ہمیشہ آپ کے ساتھ حسنِ سلوک فرمایا۔

مناسب ہوگا کہ آپ کے بڑے بہن بھائیوں کی تاریخ ہائے ولادت بھی یہاں درج کر دی جائیں تاکہ عمروں کے تفاوت کا علم ہوسکے۔

۱۔ صاحبزادی عصمت — تاریخ ولادت مئی ۱۸۸۶ء (کم سنی میں وفات پائی)

۲۔ صاحبزادہ بشیر اوّل — " " ۷ اگست ۱۸۸۷ء (" " " ")

۳۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب — ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء (حضرت سیدہ سے ۱۵ ½ سال بڑے)

۴۔ صاحبزادی شوکت تاریخ ولادت ۱۸۹۱ء (کم سنی میں وفات پائی)
۵۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب " " ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء (حضرت سیدہ سے ۱۱ سال بڑے)
۶۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب " " ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء (حضرت سیدہ سے ۹ سال بڑے)
۷۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ " " ۲ مارچ ۱۸۹۷ء (حضرت سیدہ سے ۷ سال بڑی)
۸۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب " " ۱۴ جون ۱۸۹۹ء (کم سنی میں وفات پائی)
۹۔ صاحبزادی امۃ النصیر " " ۲۸ جون ۱۹۰۳ء (" " " ")
۱۰۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ " " ۲۵ جون ۱۹۰۴ء

عمروں کے اس تفاوت اور سب سے چھوٹی بہن ہونے کی وجہ سے آپ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کی شفقت و حسن سلوک کا ہمیشہ مورد رہیں خصوصاً بڑے بھائی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی کی نظرِ شفقت اور حسنِ سلوک وافر طور پر آپ کے شامل حال رہا۔ حضور کے سارے بچے سوائے حضرت سیدہ کے حضور کی زندگی ہی میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شادی بیاہ کے سارے مراحل حضرت اماں جان اور دیگر بزرگوں کے مشورے سے سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ہی کے ذریعہ طے پاتے۔ اور آپ نے اپنی اس چھوٹی بہن کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت پر کم سنی ہی سے توجہ مبذول فرمائی اور ہر طرح خیال رکھا۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بزرگوں پیروں اور رئیسوں کے بچے ان کے ارادتمندوں کے بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے بگڑ جاتے ہیں اور

بسا اوقات ان میں کبر و غرور پیدا ہوجاتا ہے اور وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود کی ساری اولاد جماعت احمدیہ کے افراد کے لیے باعثِ صد تعظیم و احترام رہی ہے اور یہ تعظیم و تکریم کسی دنیوی غرض کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود کی اولاد ہونے اور مبشر ذریتِ طیبہ کا اعزاز پانے کی وجہ سے جماعت کا ہر فرد انکی تعظیم و احترام دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کرتا ہے لیکن اس عزت و احترام میں بہت بڑا دخل اس اولاد میں پائے جانے والے ان غیر معمولی اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ کا بھی یقیناً ہے جن کی وجہ سے جماعت کا ہر فرد ان کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ کا نظارہ نظر آتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری اولاد میں دنیا داروں والے کبر و غرور یا تعلّی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا بلکہ اس کے برعکس خاکساری۔ فروتنی۔ تبتل الی اللہ اور عاجزی و انکساری ان میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اور جس کسی کو بھی ان میں سے کسی سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا وہ اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ حضرت مسیح موعود کی اولاد کا ہر فرد عباد الرحمان کے اوصاف کا حامل تھا اور ملنے والے ان کے اخلاقِ عالیہ سے متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکتے تھے اور حضرت سیدہ موصوفہ بھی انہی اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں۔ خندہ پیشانی سے ہر ایک سے ملنا عمر بھر ان کا شیوہ رہا۔ اور اپنی شیریں گفتگو کی وجہ سے دلوں کو جیت لینا ان کا وصف تھا۔

ذہانت و فطانت

اپنے دوسروں بہن بھائیوں کی طرح ذہانت و فطانت میں بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کو حصّہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اور یہ جوہر کم سنی ہی سے آپکو ودیعت کیا گیا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ آپکے اس جوہر کا بڑے پیارے انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"حضرت عیسیٰؑ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مہد میں بولنے لگے اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیدا ہوتے ہی یا دو چار مہینہ کے بولنے لگے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جب وہ چار برس کے ہوتے۔ کیونکہ یہ وقت تو بچّوں کے پنگھوڑوں میں کھیلنے کا ہوتا ہے اور ایسے بچے کے لیے باتیں کرنا کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے۔ ہماری لڑکی امۃ الحفیظ بھی بڑی باتیں کرتی ہے"

(الحکم جلد ۱۱ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱) تفسیر آل عمران صفحہ ۳۵)

اس حوالہ سے قرآن کریم کی ایک آیت کی بڑی لطیف تفسیر کے علاوہ اس امر کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ حضور باوجود معمور الاوقات ہونے کے بچوں سے نہ صرف اُنس رکھتے تھے بلکہ ان کی ہر حرکت و سکون پر بھی آپ کی گہری نظر رہتی تھی۔ اسی طرح کا ایک اور حوالہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے متعلق بھی ہے جس کا ذکر حضرت مسیح موعود نے بچوں کے ختم قرآن کے موقع پر اپنے منظوم کلام میں فرمایا ہے ؎

اور ان کے ساتھ دی ہے ایک دُختر
ہے کچھ کم پانچ کی وہ نیک اختر
کلام اللہ کو پڑھتی ہے فر فر
خُدا کا فضل اور رحمت سراسر

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے بھی پانچ سال سے کم عمر ہی میں قرآن کریم روانی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ حضور کی ساری اولاد ہی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے تحت حضور کی خدا داد ذہانت و فطانت کا آئینہ دار اور علوم و فنون کا سرچشمہ ہے۔

اولاد کے لیے دُعائیں

حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے جس قدر دُعائیں کی ہیں اور جس رنگ میں اللہ تعالےٰ سے ان کے لیے دین و دُنیا کی نعمتیں طلب کی ہیں وہ اپنے اندر ایک انفرادی رنگ رکھتی ہیں۔ ایک ایسا والہانہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ پڑھنے والا وجد میں آجاتا ہے۔ الفاظ و معانی کا ایک اُمڈا ہوا دریا ہے جو بہتا چلا جا رہا ہے اور مسیح پاک کی یہ ساری دُعائیں یہ ساری التجائیں اور یہ ساری صدائیں درگاہِ ربّ العزّت میں مقبول و منظور ہوتیں۔ اور ہر کسی نے علی وجہ البصیرت ان دُعاؤں کو آپ کی اولاد کے حق میں کما حقہٗ پورا ہوتے دیکھا۔ اور یہ ہو بھی

کیسے سکتا تھا کہ وہ خدا جس نے اوائل ہی سے آپ کو اپنے لیے چُن لیا اور ہر قسم کی عون ونصرت کا وعدہ فرمایا۔ اور بشارتوں پر بشارتیں دیں۔ اور دُعاؤں کی قبولیت کا اعجاز عطا فرمایا۔ وہ آپ کی متضرعانہ دُعاؤں کو شرفِ قبولیت نہ بخشتا۔ جبکہ بار بار تاکیداً آپ کو مخاطب کرتے ہوتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُجِیْبُ کُلَّ دُعَآئِكَ میں تیری ساری دُعائیں قبول کروں گا۔ (نزول المسیح صـ۲۱۲ و تذکرہ صـ۲۶) اسی طرح فرمایا:۔

"دُعَاؤُكَ مُسْتَجَابٌ۔ تیری دُعا مستجاب ہے۔"
(الحکم جلد ۷ نمبر ۵ مورخہ ۷ فروری سنہ ۱۹۰۳ء صـ۱۶)

"خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔" (تذکرہ صـ۲۵۹)

"اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ مجھ سے مانگو میں تجھے دوں گا۔" (تذکرہ صـ۶۵۴)

"قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ۔ اُجِيْبَتْ دَعْوَتُكَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے تیری دُعا سن لی۔ تیری دُعا قبول کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں۔"
(تذکرہ صفحہ ۶۷۳)

پس اللہ تعالیٰ نے اولاد کے حق میں کی گئیں حضرت مسیح موعود کی ساری

دُعاؤں کو بھی اسی طرح شرفِ قبولیت بخشا جس طرح حضور کی دوسری ساری دُعائیں مستجاب ہوتیں جن کا شمار ممکن نہیں اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامات پائی جاتی ہیں"
(حقیقۃ الوحی و تذکرہ صؔ ۶۵۳)

مستجاب دُعاؤں کا فیضان

اور یہ حضور کی مستجاب دُعاؤں کا ہی فیضان ہے کہ آپ کی ساری اولاد نے اپنے آپ کو مبشر و مطہر ذرّیت طیّبہ کا اہل ثابت کیا۔ اور وہ سب کچھ پایا جو حضور نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ اور ان میں حضرت سیدہ مرحومہ بھی شامل تھیں ورنہ بظاہر حالات تو حضور کی وفات کے وقت گھر روپے پیسے سے بالکل خالی تھا، لیکن آسمان پر دعاؤں کا ایک بہت بڑا خزانہ اس ذرّیت طیّبہ کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام چھوڑ گئے تھے جس کا تذکرہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے یوں فرمایا ہے:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کے نشان تو بے شمار ہیں جن کے ذکر سے آپ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں لوگ ان کے گواہ ہیں مگر میں اس جگہ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں ۔۔۔۔ جب

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

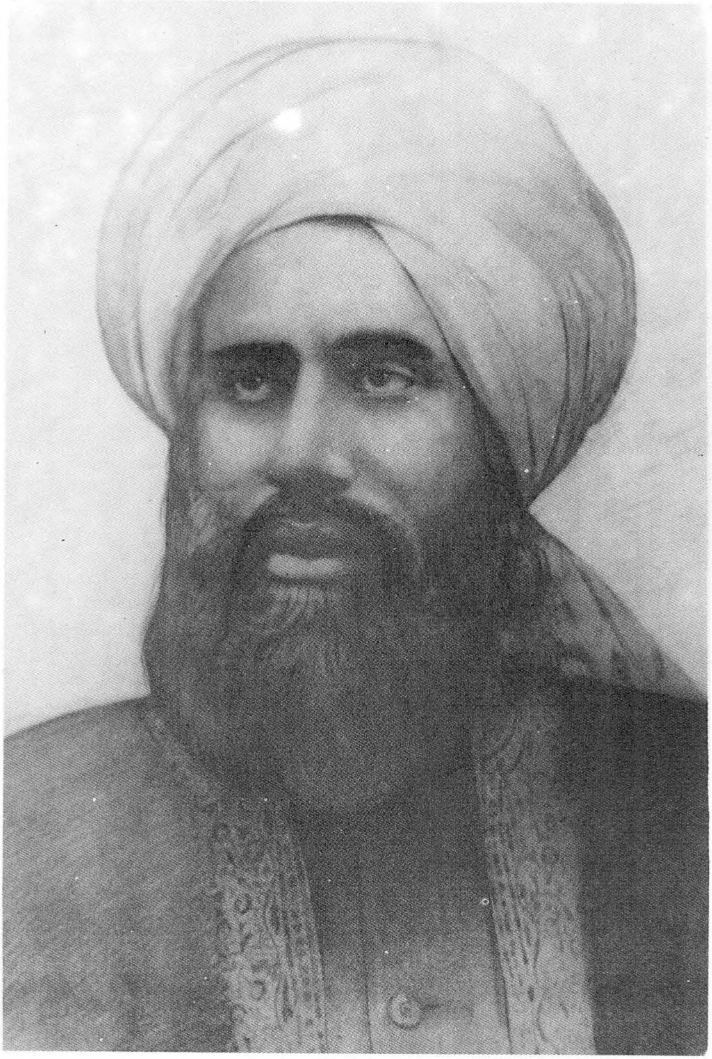

حضرت حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ

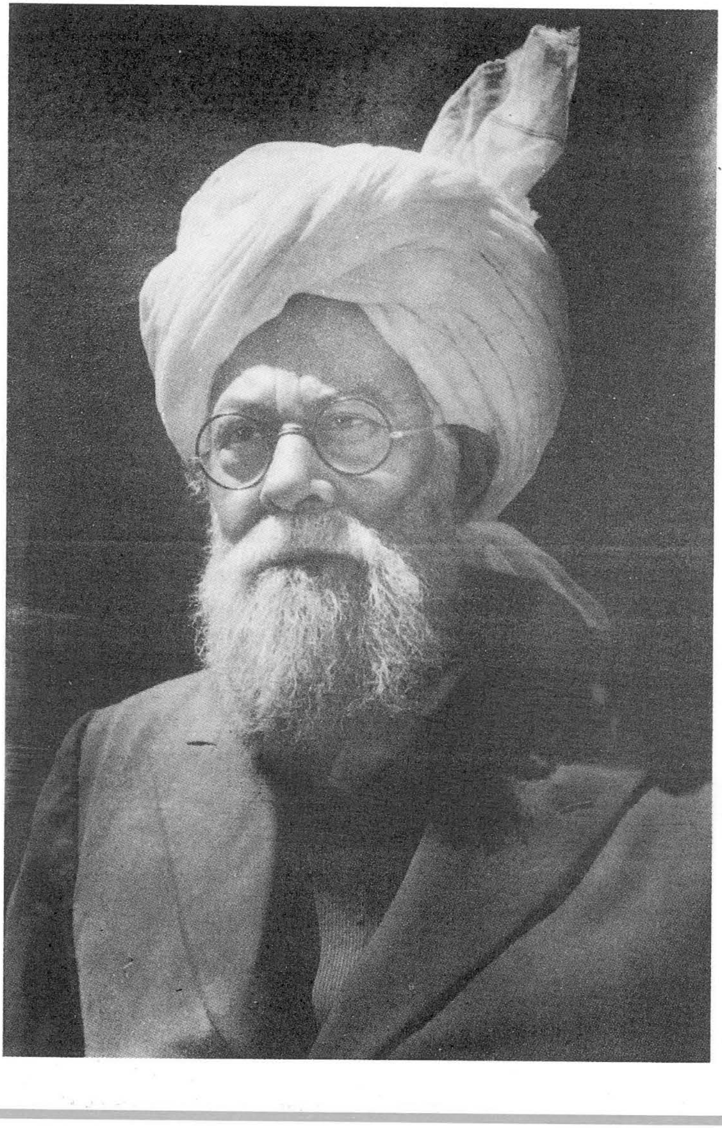

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

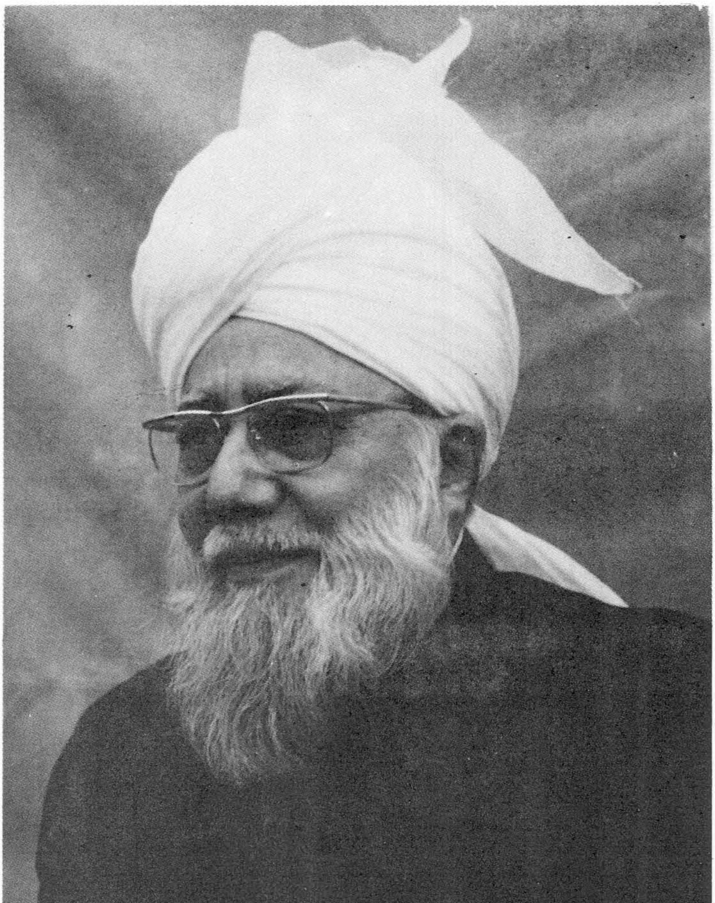

حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

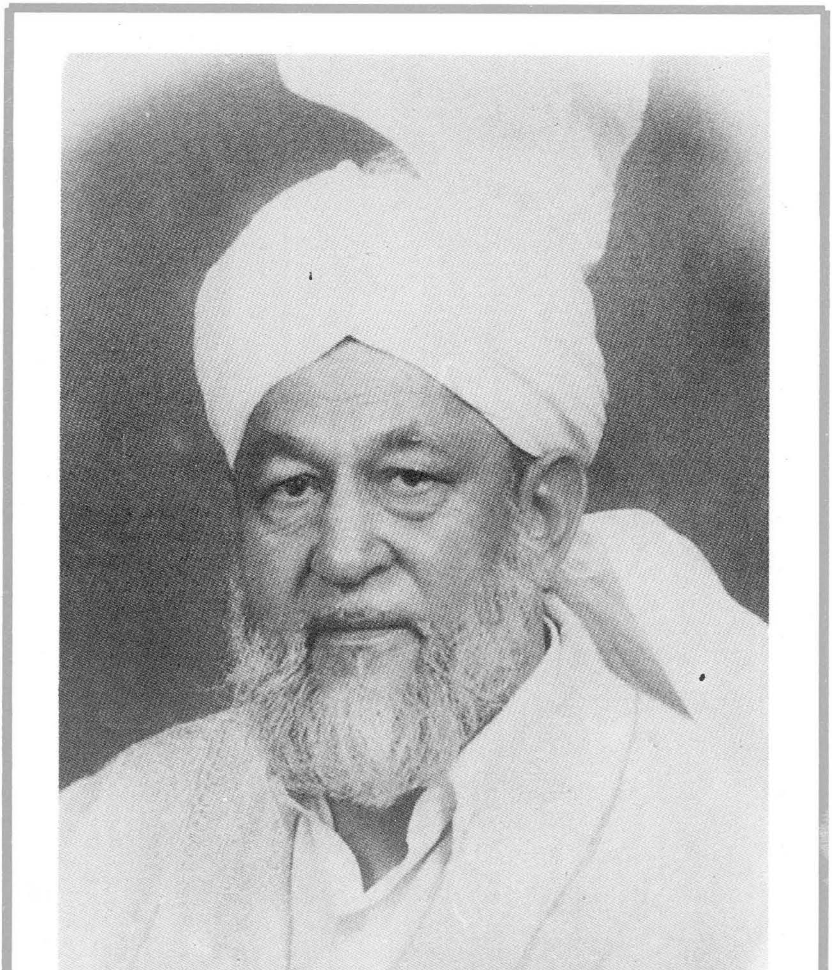

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد رضی اللہ عنہ

حضرت نواب محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ رضی اللہ عنہ

حضرت نواب محمد عبداللہ خان رضی اللہ عنہ

حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم

مسجد محمود سوئٹزرلینڈ کا سنگ بنیاد نصب فرما رہی ہیں۔

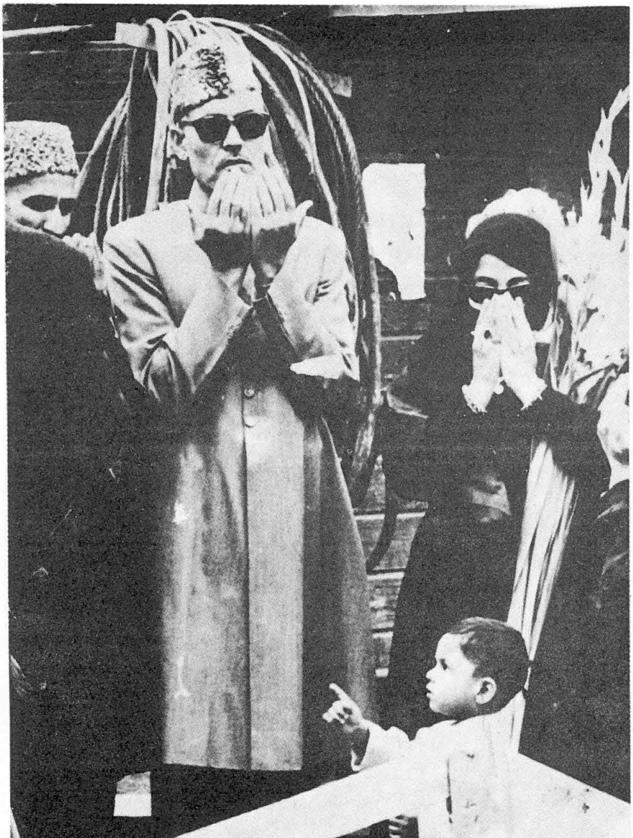

سنگ بنیاد رکھے جانے کے بعد دعا کا منظر

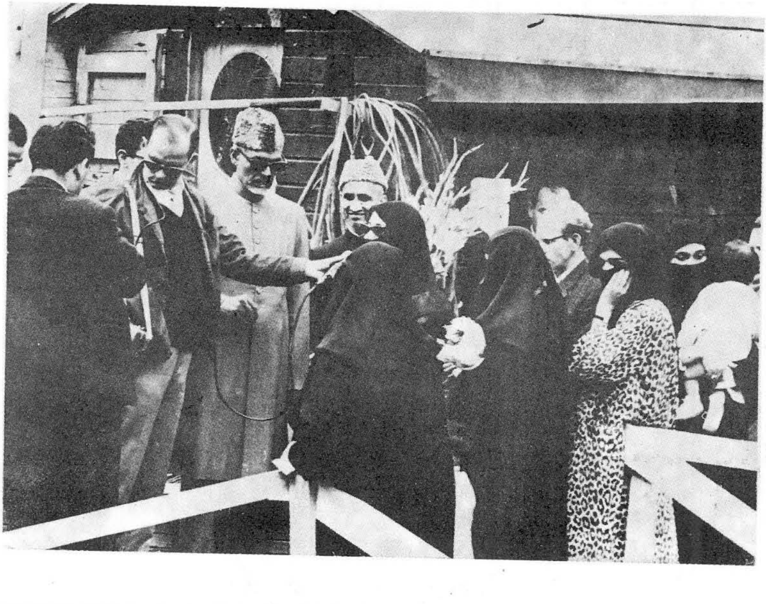

تقریب سنگ بنیاد کے بعد پریس کے نمائندگان حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم

حضرت مسیح موعود کی وفات ہوئی تو اس وقت حضور کا گھر
روپے پیسے سے بالکل خالی تھا۔ اور حضور اپنا آخری روپیہ
بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے ذریعہ اس گاڑی بان کو
دے چکے تھے جس کی گاڑی میں حضور وفات سے قبل شام
کے وقت سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس کے بعد
اچانک حضرت مسیح موعود کی وفات ہوگئی اور حضور کا یہ
الہام پورا ہوا کہ اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ۔ اب کوچ
کا وقت آگیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔
"ڈرو مت مومنو"۔ یعنی اے احمدیو! ہمارے مسیح کی وفات
سے جماعت کو سخت دھچکا پہنچے گا۔ مگر تم ڈرنا نہیں اور
خُدا کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھنا۔ پھر انشاء اللہ
سب خیر ہے۔

اس کے بعد جب ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو صبح دس بجے
کے قریب حضرت مسیح موعود کی وفات ہوئی تو جیسا کہ میں بتا چکا
ہوں اس وقت ہمارا گھر دنیوی مال و زر کے لحاظ سے بالکل
خالی تھا۔ ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ کی روایت ہے
(اور یہ بات مجھے خود بھی مجمل طور پر یاد ہے) کہ ہماری امّاں
جان نے اس وقت یا اس کے تھوڑی دیر بعد اپنے بچوں کو
جمع کیا اور صبر کی تلقین کرتے ہوتے انہیں نہ بھولنے والے

الفاظ میں نصیحت فرمائی کہ

"بچو! گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابا تمہارے
لیے کچھ نہیں چھوڑ گئے۔ انہوں نے آسمان پر تمہارے لیے
دعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر
ملتا رہے گا۔" (روایت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ)

یہ کوئی معمولی رسمی تسلی نہ تھی جو انتہائی پریشانی کے وقت میں غم رسیدہ بچوں کو ان کی والدہ کی طرف سے دی گئی۔ بلکہ یہ ایک خدائی آواز اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شاندار الہام کی گونج تھی کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا خدا اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟ اور پھر اس وقت سے لے کر آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں نے اس طرح ہمارا ساتھ دیا ہے اور اللہ کا فضل اس طرح ہمارے شامل حال رہا ہے کہ اس کے متعلق میں حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ؎

اگر ہر بال ہو جائے سخنور ؎ تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس رنگ میں ہماری دستگیری فرمائی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی نسل نیکی اور تقویٰ اور اخلاص اور خدمتِ دین کے مقام پر قائم رہیگی۔ تو حضور کی دردمندانہ دعائیں جن کا ایک بہت بھاری خزانہ آسمان پر جمع ہے تا قیامت ہمارا ساتھ دیتی چلی جائیں گی۔ اپنے بچوں کی آمینوں میں حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ اپنی اولاد کے لیے اس درد وسوز اور اس آہ وزاری کے ساتھ دعائیں کی ہیں کہ شاید ہماری کمزوریاں توان دعاؤں اور ان بشارتوں کی حقدار نہ ہوں مگر پھر کہتا ہوں کہ خدا کی دین کو کون روک سکتا ہے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس عجیب وغریب شعر کو یاد کرتا ہوں کہ ؎

تیرے اے میرے مربی کیا عجائب کام ہیں
گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

خدا کرے کہ ہم ہمیشہ نیکی اور دینداری کے رستہ پر قائم رہیں اور جب دنیا سے ہماری واپسی کا وقت آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جان کی روحیں ہمیں دیکھ کر خوش ہوں کہ ہمارے بچوں نے ہمارے بعد اپنے آسمانی آقا کا دامن نہیں چھوڑا۔ دوستوں سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ جہاں وہ اپنی اولاد کیلئے دین اور دنیا کی بہتری کی دعا کریں (اور کوئی احمدی کسی حالت میں بھی اس دعا کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہیئے) وہاں وہ ہمارے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ صدق وسداد پر قائم رکھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان دعاؤں کو جو حضور نے اپنی اولاد کے لیے فرمائی ہیں۔ اور نیز ان دعاؤں کو جو حضور نے اپنی جماعت کے متعلق فرمائی ہیں۔ اور پھر ان بشارتوں کو جو خدا کی طرف سے حضور کو اپنی اولاد اور اپنی جماعت کے متعلق ملی ہیں بصورتِ احسن پورا فرمائے اور ہماری کوئی کمزوری ان خدائی

بشارتوں کے پورا ہونے میں روک نہ بنے اور ہم سب خدا کے حضور سرخرو ہو کر حاضر ہوں آمین یا ارحم الراحمین ؎"

(دُرِّ مکنون از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)

اور حضرت سیدہ مرحومہ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے ساری عمر وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کا سلوک فرمایا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس آسمانی خزانہ سے جو آسمان پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رکھا ہوا تھا۔ انہیں بھی حصّہ ملتا رہا اور معجزانہ رنگ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے سارے کام کئے اور ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ فائز المرام رہیں آپ کی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آتے کہ کوئی چیز موجود نہ تھی اور آپ نے اس کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس کے سامان کر دیئے۔ چھوٹی سے چھوٹی خواہش اور بڑی سے بڑی آرزو کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے کی۔

؏ خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

اعلیٰ درجہ کا نیک نمونہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے درد و سوز اور آہ و زاری سے بھرپور متضرعانہ دُعاؤں کے علاوہ اپنا پاک اور نیک نمونہ بھی ان کے لیے چھوڑا۔ اور یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت طیبہ کے متعلق بے شمار وعدے کئے بشارتیں دیں جو اپنے وقت پر ایک اور

ایک دو کی طرح بڑی شان کے ساتھ پوری ہوتیں، لیکن اس امر سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ اولاد کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت امّاں جان کا پاک اور نیک نمونہ بھی اسی سلسلہ میں ممد ثابت ہوا۔ اور آپ کی ساری اولاد اپنے والدین کے نقوشِ قدم پر رواں دواں رہی۔ حضرت مسیح موعودؑ ساری دُنیا کے لیے ہدایت اور روشنی کے مینار تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی اولاد کی بہترین تربیت نہ فرماتے۔ اولاد کی تربیت کے بارہ میں حضور نے اپنی جماعت کو بھی بڑی توجہ دلائی ہے۔ تفصیل سے احتراز کرتے ہوئے بعض حوالوں کے مختصر سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:۔

"دینی علوم کی تحصیل کے لیے طفولیت کا زمانہ بہت ہی مناسب و موزوں ہے ...... طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے ......" (تقریر جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

"صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ بناتے تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہو گی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہو گی کہ اس کو الباقیات الصالحات کا مصداق کہیں ......"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۳۷۰)

"مجھے اپنی اولاد کے متعلق کبھی خواہش نہیں ہوئی کہ وہ

بڑے بڑے دُنیا دار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر ماُمور ہوں۔"

"حضرت داؤد علیہ السلام کا قول ہے۔ "مَیں بچّہ تھا جوان ہوا بوڑھا ہوگیا۔ مَیں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو۔ اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا" ـــــ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت کرتا ہے پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لیے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لیے سعی اور دُعا کرو۔"

"میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دُعا نہیں کرتا۔" (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۳۷۲)

اس قسم کے اور بہت سے حوالہ جات ہیں جن میں اولاد کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے جماعت کو توجہ دلائی ہے۔ مندرجہ بالا چند حوالے اس غرض سے دیئے گئے ہیں کہ تا قارئین کرام ان سے یہ موازنہ کرسکیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اولاد کی تعلیم و تربیت کا کس قدر فکر تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ نے ان کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ بھی پیش کیا اور عہدِ طفولیت میں بچوں کے لیے نمونہ سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کسی شخص نے ایک بڑے آدمی سے پوچھا کہ بچوں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس

دلانے کے لیے کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے اس نے جواب دیا کہ اس کے لیے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل ذاتی نمونہ۔ دوم ذاتی نمونہ۔ سوم ذاتی نمونہ یعنی والدین کا ذاتی نمونہ اور اخلاقی نمونہ بچّوں کے لیے ایسی اہمیت رکھتا ہے کہ بسا اوقات یہ اکیلی چیز ہی ان کی تربیت کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ سو حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت امّاں جان کا بہترین ذاتی نمونہ ذریت طیبہ کے لیے ہمیشہ قابل تقلید رہا۔ اللہ تعالیٰ کی بشارتوں، حضرت مسیح موعودؑ کی اَن گنت دُعاؤں۔ والدین کی تعلیم و تربیت اور ان کے ذاتی نمونہ نے ساری اولاد کو چار چاند لگا دیئے اور حضرت مسیح موعودؑ کے ان شعروں کے مصداق ؎

اے میرے دل کے جانی اے شاہِ دو جہانی
کر ایسی مہربانی۔ ان کا نہ ہووے ثانی
دے بختِ جاودانی۔ اور فیض آسمانی
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یہ سب عدیم النظیر خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہوتے۔ اور مثالی سیرت و کردار کا ایک ایسا مرقع کہ کسی بھی جہت سے ان میں کوئی جھول نہ تھا اور صحیح معنوں میں وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا کی تفسیر۔ اور پھر ان سب نے اپنی اپنی اولاد کی تربیت بھی انہی زاویوں پر کی۔ اور حضرت سیّدہ دُخت کرام نے بھی تربیت اولاد کے سلسلہ میں دیگر عوامل کے علاوہ سب سے پہلے اپنا ذاتی نمونہ پیش کیا۔ اور

خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعودؑ کی اولاد در اولاد بھی قابل رشک اوصاف کی حامل ثابت ہوئی۔ اور تَرَیٰ نَسْلاً بَعِیْداً سے یہ امر بھی تو مترشح ہوتا ہے کہ دُور کی نسل بھی خدا کے فضل سے ایسی ہوگی جو دُنیا کے سامنے بطور نمونہ پیش کی جا سکے گی اور جن کے متعلق بڑے فخر کے ساتھ یہ کہا جا سکے گا کہ یہ ہیں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے افراد کہ جو اپنی مثال آپ ہیں۔

ولادت باسعادت

حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے آخری وجود تھیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۵ جون ۱۹۰۴ء بمطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ ہجری (دہم ہاڑ سمت ۱۹۰۶) کو ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی ولادت کا تذکرہ اپنی خود نوشت ڈائری میں ان الفاظ میں کیا۔ (عکس تحریر)

۲۵ جون ۱۹۰۴ء روز شنبہ

"آج ۲۵ جون ۱۹۰۴ء روز شنبہ کو یعنی اس رات کو جو جمعہ کا دن گذرنے کے بعد آتی ہے مطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ ہجری اور دہم ہاڑ سمت ۱۹۰۶ میرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی اور اس کا نام امتہ الحفیظ رکھا گیا۔ یہی وہ لڑکی ہے جس کی نسبت الہام ہوا تھا وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَاکُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ۔

(کاپی الہامات حضرت مسیح موعود)

نیز اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی میں اس صاحبزادی کے متعلق اپنی صداقت کے چالیسویں نشان کے طور پر تحریر فرمایا:

"چالیسواں نشان یہ ہے کہ اس لڑکی کے بعد ایک اور لڑکی کی بشارت دی گئی جس کے الفاظ یہ تھے کہ "دخت کرام" چنانچہ وہ الہام الحکم اور البدر اخباروں میں اور شاید ان دونوں میں سے ایک میں شائع کیا گیا اور پھر اس کے بعد لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام امتہ الحفیظ رکھا گیا۔ اور وہ اب تک زندہ ہے"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء)

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت نے اس سلسلہ میں تحریر فرمایا کہ:

"حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی ولادت سے قبل ۱۰ رمئی ۱۹۰۴ء کو" دخت کرام" کا الہام نازل ہوا۔ جو الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ والبدر ۸ - ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱ پر شائع ہوا تھا۔۔۔

حیرت ہے کہ حضرت سیدہ کی ولادت پر اخبار الحکم والبدر و رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں سے کسی میں یہ خبر شائع نہیں ہوئی۔ اس سلسلہ میں خاکسار نے ان اخبارات و رسائل کا مطالعہ کر لیا ہے مگر کامیابی نہیں ہوئی۔"

(دوست محمد شاہد ۸۷/۱۰/۱۴)

تاریخ احمدیت جلد سوم میں حضرت سیدہ مرحومہ کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی ولادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مئی ۱۹۰۴ء میں الہام ہوا "دُختِ کرام"[1] چنانچہ اس الٰہی بشارت کے مطابق ۲۵ رجون ۱۹۰۴ء کو صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔ کتاب "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۲۱۹ میں حضور نے ان کو اپنی صداقت کا چالیسواں نشان قرار دیا ہے۔

حضرت سیدہ موصوفہ کا نکاح حضرت نواب محمد عبداللہ خاں

[1] البدر ۸/۱۶ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱

صاحبؓ[1] سے جو حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیگم سے دوسرے صاحبزادے تھے ۷ ؍جون ۱۹۱۵ء کو مسجد اقصیٰ میں پندرہ ہزار روپے مہر پر ہوا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی .... کی ہدایت کے مطابق خطبہ نکاح حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے پڑھا جو اس تقریب سعید پر لاہور سے مدعو کئے گئے تھے اور ۲۲ ؍فروری ۱۹۱۷ء کو آپ کی شادی کی مبارک تقریب عمل میں آئی[2]۔

---

[1] ولادت یکم جنوری ۱۸۹۶ء۔ وفات ۱۸ ؍ستمبر ۱۹۶۱ء۔ سلسلہ کے ان بزرگوں میں سے تھے جو نوابی میں بھی درویشی کا نمونہ تھے۔ انقلاب ہجرت کے بعد ۱۱ ؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی تشکیل ہوئی تو حضرت (امام جماعت) کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی اور حضور نے آپ کو ناظر اعلیٰ نامزد فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اس نہایت درجہ نازک اور اہم ذمہ داری کو کمال محنت و خلوص سے نبھایا۔ اسی دوران میں ۸ ؍فروری ۱۹۴۹ء کو آپ پر دل کی بیماری کا شدید حملہ ہوا اور ساتھ ہی تشنج کے دَورے بھی پڑنے لگے علاج معالجہ سے کچھ افاقہ تو ہوا مگر آپ مستقل طور پر صاحبِ فراش ہوگئے اور بالآخر اسی بیماری میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے رُوحانی مقام کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو وفات سے چار برس پیشتر بذریعہ رؤیا خبر دی جا چکی تھی کہ آپ کا ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوگا۔ سو یہ رؤیا نہایت صراحت سے پوری ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک ربوہ کے خاص قبرستان میں حضرت اماں جان کے مزار اقدس کی چار دیواری میں جنوب مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ ؁

[2] الفضل ۱۰ ؍جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۱

حضرت سیّدہ کی اولاد

حضرت سیدہ موصوفہ کے بطن سے تین فرزند اور چھ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام یہ ہیں :-
صاحبزادی طیّبہ بیگم صاحبہ (ولادت ۱۸ ؍ مارچ ۱۹۱۹ء) خان عباس احمد خاں صاحب (ولادت ۲ ؍ جون ۱۹۲۰ء) صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ (ولادت ۳ ؍ جون ۱۹۲۱ء) صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۳ ؍ نومبر ۱۹۲۳ء) صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۰ ؍ جون ۱۹۲۷ء) صاحبزادی شاہدہ بیگم صاحبہ (ولادت ۳۱ ؍ اکتوبر ۱۹۳۴ء) صاحبزادہ شاہد احمد خاں صاحب (ولادت ۱۹ ؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء) صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۲ ؍ نومبر ۱۹۴۱ء) میاں مصطفیٰ احمد خاں صاحب (ولادت ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء)[۱]

تقریب نکاح اور متعلقہ اُمور

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت نواب محمد علی خان صاحب آف مالیر کوٹلہ کے منجھلے صاحبزادے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب (جو حضرت نواب صاحب کی زوجۂ اوّل کے بطن سے تھے) کے ساتھ ۷ ؍ جون ۱۹۱۵ء کو ہوا۔ ان کی عمر اس وقت قریباً ۱۹ ½ سال تھی (پیدائش یکم جنوری ۱۸۹۶ء) اور حضرت سیدہ کی عمر اس وقت ۱۱ سال تھی۔ اور

---

[۱] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۰۳

رخصتی ۲۲ر فروری ۱۹۱۷ء کو ہوئی اس سے قبل حضرت مسیح موعودؑ کی بڑی صاحبزادی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا عقد حضرت نواب محمد علی خان صاحب سے ہو چکا تھا۔ موصوف کیا ہی خوش قسمت انسان تھے کہ باوجود تمول اور امارت کے عین جوانی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت کی توفیق پائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حجۃ اللہ کے خطاب سے نوازا۔ حضرت مسیح موعود نے حضرت نواب صاحب کی تقویٰ شعاری اور اعانت وخدمتِ دین کی بڑی تعریف فرمائی ہے ان کی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش خبری کے مطابق حضور کی بڑی صاحبزادی آپ کی زوجیت میں آئیں اور دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے "دختِ کرام" کے لقب سے نوازا حضرتِ نواب محمد علی خان صاحب کے منجھلے صاحبزادے کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ اس طرح دونوں باپ بیٹا حضور کی مبشر اور فخرِ دیار اولاد سے وابستہ ہو کر خود بھی فخرِ دیار ثابت ہوتے ہر دو کو اللہ تعالیٰ نے اولاد و احفاد سے نوازا جن میں سے اکثر کے تعلقاتِ ازدواج حضور ہی کے خاندان میں قائم ہوئے۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے اس خاندان سے اس قدر پختہ تعلق پیدا کیا کہ وہ حضور ہی کے خاندان کے افراد بن گئے اور اس تعلق کے اظہار میں فخر محسوس کرتے کہ وہ خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں سے ہیں۔

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے رشتہ کے سلسلہ میں ابتدائی مراحل

کس طرح پایۂ تکمیل کو پہنچے اس کی کسی قدر تفصیل یُوں ہے۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی قلبی تمنّا تھی کہ ان کے بچوں کے رشتے احمدیوں میں ہوں اور حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل ان سے متفق تھے۔ چنانچہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب بیان فرماتے ہیں :۔

"والد صاحب کی خواہش تھی کہ ہم بھائیوں کے رشتے احمدیوں کے ہاں ہوں تاہم احمدیت میں راسخ ہو جائیں اور دنیوی تعلقات میں پھنس کر احمدیت سے بیگانہ نہ ہو جائیں، لیکن اس وقت احمدیوں کے بعض رشتے جو ہمارے سامنے پیش کئے گئے۔ ہمیں بعض وجوہ سے پسند نہ تھے۔ نواب موسیٰ خان صاحب جو کہ نواب مزمل اللہ خان صاحب سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی کے رشتہ داروں میں سے تھے اور شیروانی خاندان سے ہی ہیں اور عرصہ سے علی گڑھ جاکر آباد ہو چکے ہیں۔ ان کی ایک لڑکی ہمارے خاندان میں مالیرکوٹلہ میں نواب صاحب مالیرکوٹلہ کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ جعفر علی خان صاحب سے بیاہی ہوئی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ ہمارے رشتے اُن کے ہاں ہوں چنانچہ میاں محمد عبدالرحمٰن خان صاحب اور میرے رشتہ کی گفتگو ہوئی۔ والد صاحب کو خیال تھا کہ ریاست کے

بعض اقارب جو اپنے ہاں رشتہ کرانے کے خواہشمند ہیں رشتہ زیر تجویز میں مزاحم ہوں گے اس لیے ابتداء ہی میں علیگڑھ لکھ دیا تھا کہ اگر آپ کسی مرحلہ پر ہمارے ان اقارب کے زیر اثر آئے تو سلسلہ جنبانی فوراً منقطع کر دیا جائے گا۔ ہمارے رشتے طے ہو گئے۔ سب سامان بنا لیا گیا اور ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں قادیان سے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور حضرت اماں جان مالیرکوٹلہ بارات میں شامل ہونے کے لیے پہنچے۔ ہم نے علی گڑھ جانا تھا حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے خطبۂ نکاح پڑھنا تھا، لیکن علیگڑھ سے اطلاع آئی کہ کچھ مہلت دی جائے لیکن والد صاحب نے بذریعہ تار انہیں اطلاع دے دی کہ رشتے منسوخ سمجھے جائیں کیونکہ والد صاحب کو یقینی وجوہ سے معلوم ہوا کہ وہ ان ہی اقارب کے زیر اثر آ گئے ہیں۔ .....۔ ہم سب طالب علم تھے تعطیلات ختم ہونے پر قادیان چلے آئے اور حضرت والد صاحب نے مالیرکوٹلہ سے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی خدمت میں لکھا کہ مَیں پہلے بھی اس بات کا خواہشمند تھا کہ میرے لڑکوں کے رشتے احمدیوں کے ہاں ہوں۔ تاکہ ان میں دینی جذبہ قائم رہے اور وہ غیر احمدیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں جو مجھے ناپسند ہے اب جو

یہ رشتے ٹوٹتے ہیں مجھے اس کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہم درس میں گئے تو میاں محمد عبدالرحمٰن خان صاحب اور میاں محمد عبدالرحیم خان صاحب اور مجھے تینوں بھائیوں کو آپ نے مغرب کے بعد اپنے ہاں آکر ملنے کے لیے فرمایا۔ ہم گئے۔ تو آپ نے تین دفعہ فرمایا کہ مجھے تمہارے والد سے بڑی محبت ہے۔ اور والدصاحب کا خط دکھایا اور کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے رشتے احمدیوں کے ہاں ہوں اور ان کو ان رشتوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے نوابوں اور رئیسوں کی طرف تم لوگ رغبت نہ کرو۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عبرت کے طور پر قائم رکھا ہوا ہے۔ یہ تباہ ہونے والے لوگ ہیں ان کی بھی خیر نہیں جو ان سے واسطہ قائم کریگا وہ بھی اپنے آپ کو تباہی کی طرف لے جاتے گا۔ تم مغرب اور عشاء کے درمیان دو رکعت نفل پڑھ لیا کرو اور دُعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نواب صاحب کی مالی تکلیف دُور کرے اور اپنے رشتوں کے لیے بھی دُعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ بہتر جگہ کر دے۔ میاں محمد عبدالرحمٰن خان صاحب اور میاں محمد عبدالرحیم خان صاحب کا تو مجھے علم نہیں میں کچھ عرصہ باقاعدہ نفل پڑھتا رہا اور بہت دُعائیں کیا کرتا تھا۔ میاں عبدالرحمٰن خان صاحب نے استفسار پر کہا کہ "مجھے یہ بات یاد نہیں۔ میاں محمد عبداللہ

خان صاحب نے عمل کیا اور فائدہ بھی اُٹھالیا) چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل جمعہ کے روز عصر سے مغرب تک مسجد میں یا اپنے گھر میں علیحدگی میں دُعا کیا کرتے تھے۔ اس لیے جماعت میں بھی ایسی رو چلی ہوئی تھی۔ میں بھی کبھی جنگل کی طرف چلا جاتا۔ یا مکان پر ہی دُعا کرتا۔ ایک روز میں دوپہر کے وقت آرام کر رہا تھا کہ مجھے خواب میں کسی نے کہا "حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں" حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جو یہ فرمایا تھا۔ کہ ان نوابوں اور رئیسوں کی طرف رغبت نہ کرو۔ جو ان سے تعلقات بڑھائے گا۔ اس کا بھی وہی حال ہوگا۔ بعینہٖ پورا ہوا۔ میرے دونوں بھائیوں کے نوابوں کے ہاں رشتے ہوئے اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ ان تمام بیٹوں کے جن کے احمدیوں کے ہاں رشتے ہوئے اولاد ہے۔

پہلے والد صاحب کو میاں محمد عبدالرحیم خان صاحب کا رشتہ حضرت مسیح موعودؑ کے ہاں کرنے کا خیال تھا، لیکن ایک دفعہ مجھے ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ میری دیرینہ خواہش تھی کہ میرے لڑکوں میں سے کسی کی شادی حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں ہو۔ پہلے میرا خیال تھا کہ عبدالرحیم خان کے لیے پیغام دیا جاتے لیکن اپنے لڑکوں میں سے تم کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ تمہارا پیغام دوں لیکن اس کے متعلق تمہاری رائے پوچھنا

چاہتا ہوں، لیکن رشتہ کرنے سے پہلے تمہیں سوچ لینا چاہیئے
کہ یہ بہت ہی مشکل مرحلہ ہے کہ جس میں سے تم گذرو گے اگر
تم پورا حُسنِ سلوک کرسکو گے اور اپنے آپ کو اپنی بیوی کے برابر
نہیں سمجھو گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل سمجھو گے تب اس امر کا تہیّہ
کرلو ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ کسی ابتلاء میں نہ پھنس جاؤ۔ اور مجھے نصیحت
کی کہ اپنے آپ کو ان کے برابر نہ سمجھنا مجھے چونکہ پہلے خواب آچکا
تھا اور اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی کیا ہوسکتی تھی کہ میرا
رشتہ حضور کے ہاں ہو میں نے والد صاحب کی تمام شرائط
کو مانتے ہوتے ہاں کہدی اور بہت سوچ بچار اور استخارہ
کے بعد یہ رشتہ ہو گیا ......"

رشتہ کے سلسلہ میں خط و کتابت

حضرت سیّدہ کے رشتہ کے سلسلہ میں حضرت نواب محمد علی خان صاحب
نے اپنے بیٹے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب سے جو خط و کتابت کی اس
کے اہم حصے درج کئے جاتے ہیں۔

یا ابنی سلمکم اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مَیں چاہتا ہوں کہ تمہارا رشتہ امۃ الحفیظ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کی صاحبزادی سے ہو اَور مجھ کو اس لیے یہ تحریک ہوتی ہے کہ اس وقت میں
تم کو نسبتاً دیکھتا ہوں کہ دوسرے بھائیوں کی نسبت تمہیں دین کا شوق ہے اور

اس سے میں خوش ہوں۔ مگر ساتھ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میری خوشی اور ناراضگی حالات پر مبنی ہے جس طرح اب میں تم سے خوش ہوں اگر تم خدانخواستہ اب حالت بدل دو تو پھر ناراض ہونگا ...... اب پھر میں رشتہ کے متعلق لکھتا ہوں اس سلسلہ میں ایک مشکل بھی ہے اگر تم اس مشکل کو برداشت کر سکتے ہو تو رشتہ کی طرف توجہ کرو ورنہ پھر بہتر ہے کہ تم ہاں نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ رشتے کے بعد حضرت مسیح موعود اور اہلِ خانہ مسیح موعود علیہ السلام سے ہمسری یا ہم کفو کا خیال اکثر لوگ کر بیٹھتے ہیں اور اس سے ابتلاء آتا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ رشتہ کیوں چاہا جاتا ہے صاف بات ہے کہ جب ان کے کپڑے تک بابرکت ہیں تو ان کے جگر کے ٹکڑے کیوں نہ بابرکت ہونگے ...... تعلق رشتہ کو موجب برکت و فخر سمجھنا چاہیئے اور اپنے آپ کو وہی کہ من آنم کہ من دانم سمجھنا چاہیئے ...... میں نے رشتہ کیا اور زینب کو حضرت صاحب کے ہاں دیا ان دونوں رشتوں میں برابری کا خیال بالکل دل سے نکال دیا جس طرح میں حضرت اقدس کی عزت کرتا تھا۔ وہی عزت و ادب بعد رشتہ رہا اور ہے اور جس طرح میں حضرت اماں جان ...... کا ادب اور عزت کرتا تھا اسی طرح اب مجھ کو عزت اور ادب ہے اور اس سے بڑھ کر۔ اسی طرح اس پاک وجود کے ٹکڑوں کی میں عزت کرتا تھا ویسی اب ہے میں تمہاری والدہ کی ناز برداری اس لیے نہیں کرتا کہ وہ میری بیوی ہیں گو مجھ کو شریعت نے سکھلایا ہے مگر میں جب میاں محمود احمد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب

اور میاں شریف احمد صاحب کو قابل عزت سمجھتا ہوں اور مجھ کو ان کا ادب ہے۔ اسی طرح مجھ کو تمہاری والدہ اور امۃ الحفیظ کا ادب ہے بلکہ مجھ کو سلام۔ مظفر احمد۔ ناصر احمد اور ناصرہ اور منصور احمد و ظفر احمد کا ادب ہے اور پھر چونکہ بیوی خاوند کا رشتہ نازک ہے اور اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کی تعمیل بھی مجھ پر ضروری ہے اس لیے میں ادب اور عزت کے ساتھ اس کی بھی حتی الوسع تعمیل کرتا ہوں پس اگر یہی طرز تم بھی برت سکو تو پھر اگر تمہاری منشاء ہو تو میں اس کی تحریک بعد استخارہ کروں ورنہ ان پاک وجودوں کی طرف خیال لے جانا بھی گناہ ہے اور تم بھی استخارہ کرو۔"

راقم محمد علی خان

سلسلۂ جنبانی

حضرت نواب صاحب نے ذیل کے عریضہ کے ذریعہ سلسلۂ جنبانی کا آغاز کیا۔

دارالسلام ۱۰ مئی ۱۹۱۴ء

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فضل عمر مکرم معظم سلمکم اللہ تعالیٰ

سیدی حضرت اماں جان مکرمہ معظمہ سلمہا اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! عرصہ سے خاکسار کو خیال تھا کہ اپنے کسی لڑکے کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فرزندی میں دوں مگر حالاتِ زمانہ اور لڑکوں کی

حالت پر غور کرتا تھا اور جب تک کسی لڑکے پر اطمینان نہ ہو جرآت نہ کرسکتا تھا
اب جہاں تک میرا خیال ہے عبداللہ خان کو اس قابل پاتا ہوں پس بلا کسی
لمبی چوڑی تمہید کے میں باادب ملتجی ہوں کہ حضور اپنی فرزندی میں لے کر
حضور بعد مشورہ حضرت اماں جان عبداللہ خان میرے لڑکے کا رشتہ
عزیزہ امۃ الحفیظ کے ساتھ منظور فرمائیں اور بعد استخارہ مسنونہ جواب سے
مشکور فرمائیں۔

راقم محمد علی خان

اپنی اہم ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے حضرت نواب صاحب نے
دوبارہ اپنے بیٹے کو تحریر فرمایا :-

یا ابنی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ! تم کو میں نے تمام امور کھولکر لکھ دیئے تھے اور تم نے اس
امر کو پسند کیا تھا کہ تمہارا رشتہ امۃ الحفیظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
لڑکی سے کیا جاتے۔ اور تم کو میں نے استخارہ کے لیے بھی کہا تھا آج قریباً ہفتہ
ہوگیا ہے میں نے تمہاری پسند کے اظہار پر درخواست کر دی ہے اور آج
چالیس دفعہ استخارہ ختم ہوگیا ہے۔ پس مزید احتیاط کے لیے تم کو لکھتا ہوں کہ
مجھ کو تم پر حسن ظنی ہے اس کی بناء پر میں نے یہ تعلق چاہا ہے پس تم سمجھ لو
کہ یہ میری اور تمہاری بڑی ذمہ داری کا کام ہے اگر تم اپنے میں پورا حوصلہ
رکھتے ہو کہ جس طرح میں نے لکھا ہے کہ تم نبھا سکو گے تو اس جگہ قدم رکھنا چاہیئے
ورنہ دین و دنیا کا خسارہ ہے ۔۔۔۔ میرے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ بہت سی

ناگوار باتوں پر برداشت کرنی ہوگی ۔ یہ تعلق میں صرف اس لیے چاہتا ہوں کہ تم لوگ بھی اہلِ خانہ میں داخل ہو جاؤ ۔ اور یہ بڑی سعادت ہے مگر اگر ذرا مزلت قدم ہوا ۔ پھر دین بھی گیا پس خوب سمجھ لو دوسری بات میرے خوش کرنے کے لیے یہ تعلق نہ کرنا بلکہ اگر تم واقعی سچے دل سے پسند کرتے ہو اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایسا کرتے ہو مجھ کو جو تمہارے دل میں ہے صحیح لکھو تاکہ مجھ کو اطمینان ہو اور اگر بدِلُ تم کو پسند نہیں اُور محض میرے خوش کرنے کو ماننا تو باز آجاؤ اور میں انکار کر بھیجتا ہوں ابھی وہاں سے جواب نہیں آیا بات گو مگو میں رہ جاتی گی مگر پھر دقت ہوگی اور واقعی تمہاری اپنی ہی اصل غرض ہے کہ رشتہ امۃ الحفیظ سے ہو تو مجھ کو پوری طرح مطمئن کرو میں سوائے اس کے اور کسی خیال سے نہیں لکھتا ۔ صرف اپنے اطمینانِ قلب کے لیے لکھا ہے اور مزید احتیاط کے طور سے کیونکہ بھاری ذمہ داری ہے ایک دفعہ اُور تم سے پوچھنا مناسب سمجھا ۔

راقم محمد علی خان

دو ہفتہ بعد آپ نے سلسلۂ جنبانی کا دوسرا خط لکھا :۔

دارالسلام ۲۵ رمئی ۱۹۱۴ء

سیّدی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... مکرم معظم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ! ایک عریضہ حضور کی خدمت میں دربارہ رشتہ امۃ الحفیظ پیش حضور کیا تھا مگر تا حال جواب باصواب سے سرفراز نہیں ہوا ...... اس رشتہ کی تحریک دراصل میں ۱۹۰۸ء میں بحضور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بذریعہ مرزا خدابخش صاحب کر چکا ہوں۔ جس کے جواب میں حضرت صاحب ..... نے فرمایا تھا کہ والدہ محمود نے تو خواب میں دوسرے بچے یعنی عبداللہ خان کو دیکھا ہے اور آپ عبدالرحیم کی بابت کہتے ہیں اور فرمایا کہ جب تک مبارکہ کی رخصتی نہ ہولے اس بارہ میں سردست گفتگو نہیں ہوسکتی جب مبارکہ رخصت ہوجائیں گی اس وقت اس کی بابت گفتگو کی جاتے گی اس وقت مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت اماں جان..... کو رؤیا ہوئی ہے کہ عبداللہ کا رشتہ حفیظ سے ہو جاتے۔ ورنہ مجھ کو اس کا کوئی علم نہ تھا... ..... (مکرم ملک صلاح الدین صاحب مؤلف اصحاب احمد کا بیان ہے کہ خاکسار کو میاں محمد عبداللہ خان صاحب نے ایک روایت ۱۹۶۰ء میں دی تھی جس میں مذکور تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس رشتہ کو پسند کیا تھا) .....حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا مولوی نورالدین صاحب نے بھی اشارہ اس رشتہ کے متعلق فرمایا تھا.....''

راقم محمد علی خان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جواباً رقم فرمایا :۔

مکرمی و معظمی نواب صاحب

السلام علیکم ! عزیزی عبداللہ خان کے امۃ الحفیظ کے رشتہ کے متعلق آپ کی چند ایک تحریریں ملیں۔ لیکن مشورہ اور استخارہ کا انتظار تھا اب اس قابل ہوا ہوں کہ آپ کو کوئی جواب لکھ سکوں۔ امۃ الحفیظ کی عمر اس وقت بہت چھوٹی ہے اور سردست ظاہری طور وہ شادی کے قابل نہیں یعنی اس حالت

ہیں صرف نکاح بھی نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ عزیز عبداللہ خان نہایت نیک اور صالح نوجوان ہے اور اس کے متعلق ہمیں کسی قسم کا اعتراض نہیں بلکہ ہم سب اس رشتہ کو پسند کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ رشتہ طے ہو جائے، لیکن پھر بھی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ابھی سے یہ رشتہ کر دیا جائے ہاں اس قدر وعدہ کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کو اور آپ سے زیادہ لڑکے کو یہ رشتہ منظور ہو اور وہ عزیزہ کے بلوغ تک انتظار کرنا منظور کرے تو اس وقت تک کہ عزیزہ امۃ الحفیظ بالغ ہو ہم اس رشتہ کا انتظار کریں گے الاّ ماشاء اللہ اور اس کو دوسری جگہوں پر ترجیح دیں گے آگے آیندہ کے حالات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے ہاں اگر کچھ مدت کے بعد عزیزہ کے ڈیل ڈول میں خاص تغیّر معلوم ہو جس سے جلد بڑھنے کی اُمید ہو تو اس وقت پھر اس تجویز پر غور ہو سکتا ہے موجودہ حالات میں عزیز عبداللہ خان کو ایک ایسے عہد سے جکڑنے کی جس کے پورا ہونے کے لیے ابھی سالہا سال کے انتظار کی صورت درپیش ہے کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اُمید ہے کہ آپ ان جوابات کو مناسب سمجھ کر ابھی اس معاملہ پر زور نہ دیں گے۔

والسلام

مرزا محمود احمد

ایک سال کے بعد حضرت نواب صاحب نے پھر تحریک کی جسے شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تحریر فرمایا:

مکرمی نواب صاحب

السلام علیکم ! امۃ الحفیظ کے رشتہ کے متعلق آپ نے جو خط لکھا تھا اس کے متعلق بعد مشورہ اب آپ کو کچھ لکھنے کے قابل ہوا ہوں امۃ الحفیظ اس وقت بہت کمزور اور کم عمر ہے اس لیے ابھی تین سال تک وہ رخصت ہونے کے ناقابل ہے اس لیے اگر آپ اور میاں عبداللہ خان اس بات پر راضی ہوں کہ رخصت کرنا تین سال تک ہمارے اختیار میں ہوگا اور یہ کہ مہر اسی طرح جس طرح عزیزہ مبارکہ بیگم کا لکھا گیا تھا لکھا جائے گا۔ گو مقدار کم مثلاً پندرہ ہزار ہو تو یہ رشتہ ہمیں منظور ہے مؤخر الذکر شرط صرف حضرت صاحب کی احتیاط کے مطابق ہے دوم جب لڑکی رخصت ہو تو الگ مکان میں الگ انتظام کے ماتحت رہے کیونکہ بصورتِ دیگر بہنوں میں اختلاف کا خطرہ ہوتا ہے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

حضرت نواب صاحب نے اس کے جواب میں لکھا:

دارالسلام دارالامان قادیان

۴ر جون ۱۹۱۵ء

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! حضور کا والا نامہ پہنچا۔ محمد عبداللہ خان کو بھی دکھا دیا۔ ہم دونوں کو حضور کی شرائط ہر سہ گانہ میں کوئی عذر نہیں مہر حسبِ ارشاد (پندرہ ہزار) منظور۔ الگ مکان سے عذر نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں اشارہ معلوم

ہوتا ہے۔ تین سال تک تو دیع نہ ہو یہ بھی نا قابل پذیرائی نہیں۔ حضور کو تو یہ لکھنا ہی مناسب نہ تھا۔ کیونکہ میرے سابقہ عمل کے حضور واقف۔ پھر بہ سبب رشتہ داری اور دینی تعلق یعنی حضور مخدوم ہیں اور عبداللہ خادم۔ حضور پیر ہم مُرید۔ اس لیے حضور کوئی ایسا معاملہ کر ہی نہیں سکتے کہ ایک فریق کا نفع اور دوسرے کا نقصان ہو۔ پس جیسے حضور اس طرف ذمہ دار اور وکیل و مربی۔ اسی طرح اس طرف سے بھی۔ پھر مَیں اپنے اوپر کیوں رکھوں۔ مَیں حضور ہی کے سُپرد کرتا ہوں۔ کہ جو حضور مناسب تصوّر فرمائیں مجھ کو اس میں کوئی عذر نہیں ۔۔۔۔۔ خلاصہ یہ کہ جو آپ مناسب تصوّر فرمائیں۔ وہی مناسب پس آپ ہی اس طرف سے وکیل ذمہ دار مربی ولی سب کچھ میں حضور ہی پر چھوڑتا ہوں۔ مَیں نے نہ مبارکہ بیگم صاحبہ کے موقع پر عذر کیا اور نہ اب ۔۔ ۔۔۔۔ بس اب حضور جو کچھ مجھ کو کہنا چاہیں۔ خود ہی میری جانب سے اپنے ارشاد کا جواب دیں کیونکہ مَیں حضور کی رائے کے خلاف عذر ہی نہیں کرتا۔

محمد علی خان

نکاح کے سلسلہ میں خط و مراسلت اس طرح ہوئی۔

دارالسلام ۶ ؍جون ۱۹۱۵ء

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح ۔۔۔ مکرم معظم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! حضور کو غالباً معلوم ہے کہ میری طبیعت ایسے مواقع شادی وغیرہ میں نہایت سادگی پسند ہے چنانچہ پہلے جو شادیوں کا سامان ہوا تھا۔

وہاں بھی سادگی رکھی گئی تھی ۔میرے نکاح کے موقع پر جو کچھ ہوا وہ حضرت کے حکم اور منشاء کے مطابق ہوا تھا اب حضور کے حکم کا طالب ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی جگہ اب حضور ہیں ۔پس بالکل سادگی اس موقع نکاح عبداللہ پر ہونی چاہیئے یا مثلِ سابق جیسا کہ میرے نکاح پر عمل ہوا تھا۔ تاکہ ویسا سامان کیا جاتے۔۔۔۔

محمد علی خان

السلام علیکم! مجھے تو معلوم نہیں کہ اس وقت کیا ہوا تھا کہ اب وہ ہو یا نہ ہو آپ کو جس طرح سہولت ہو کریں۔ ہماری طرف سے یہ معاملہ آپ پر ہی چھوڑا جاتا ہے۔

خاکسار مرزا محمود احمد

ایک اور خط میں تحریر فرمایا:-

مکرمی نواب صاحب

السلام علیکم! آپ کا خط مل گیا چونکہ ڈاکٹر صاحب (مراد حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب) بھی آتے ہوتے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ پیر کے دن نکاح ہو جاتے۔

والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

حضرت نواب صاحب نے لکھا:

دارالسلام ۶ر جون ۱۹۱۵ء

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح مکرم معظم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! غالباً نکاح بعد عصر ہوگا۔ مگر احتیاطاً حضور سے ملتجی ہوں کہ کیا بعد عصر ہوگا یا کسی اور وقت تاکہ اس وقت حاضر ہوجائیں۔

محمد علی خان

حضور نے تحریر فرمایا:۔

"انشاء اللہ نماز عصر کے بعد بیت اقصیٰ میں ہوگا۔

مرزا محمود احمد

چنانچہ ۷ر جون ۱۹۱۵ء مطابق ۲۳ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ ہجری بروز دوشنبہ اس بابرکت نکاح کا اعلان حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے کیا۔ حضرت مولانا ان دنوں لاہور تھے۔ جہاں سے حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر انہیں بُلا کر لاتے اس سلسلہ میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے اپنی خودنوشت ڈائری میں تحریر فرمایا:۔

دختِ کرام حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کے نکاح کے سلسلہ میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی مرحوم کی ڈائری کے چند اوراق

حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں بطور تحدیثِ نعمت اس سعادتِ عظمیٰ کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ حضرت دختِ کرام امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے نکاح کے خطبہ اور اعلان کا شرف مجھے ہی نصیب ہوا تھا۔ جو ۱۹۱۵ء میں پڑھا گیا۔ اور اخبار الفضل میں شائع بھی کیا گیا اور اس کے متعلق قبل از وقت اس خطبہ نکاح کی سعادت کے متعلق مجھے ایک رؤیا کے ذریعہ بشارت دی گئی۔

میری عجیب رؤیا بشارت مذکورہ کے متعلق

میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد کی تعمیل میں لاہور کی جماعت احمدیہ کی تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کی خدمتِ سلسلہ کی بجا آوری کی سعادت عظمیٰ کے سلسلہ میں ایک عرصہ سے لاہور ہی میں مقیم تھا اور جبکہ حضرت دختِ کرام کے نکاح کی تقریب بالکل قریب تھی ایک رات میں نے رؤیا دیکھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سیدنا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل دونوں باربار بجذبۂ اظہار مسرت و احساسِ فرحت مجھے حضرت امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے نکاح کے متعلق بلبِ تبسم مبارک باد کا اظہار کرتے ہیں اور اس قدر خوش ہو کر اس خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں کہ میں تعجب کر رہا ہوں کہ دونوں مبارک ہستیوں نے شاید ہی ایسی مسرت اور خوشی کا کبھی احساس اور اظہار فرمایا ہو جب میں اُٹھا تو اس رؤیا کے متعلق میں نے بے حد تعجب محسوس کیا کہ یہ کیا رؤیا مجھے دکھائی گئی ہے میں باحساسِ تعجب بار بار اس رؤیا پر غور کرتا کہ اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ تب ابھی کوئی دو تین ہی گھنٹے گذرے

ہو نگے کہ مکرم و محترم جناب بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی مجھے آملے اور آتے ہی مجھے مبارک باد کہی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آپ اُٹھیں اور میرے ساتھ چلنے کی تیاری کریں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجھے قادیان سے آپ کو ساتھ لے جانے کے لیے بھیجا ہے کہ لاہور سے مولوی غلام رسول راجیکی کو لے آؤ۔ عزیزہ امۃ الحفیظ کے نکاح کی تقریب پر خطبہ اور اعلان وہی کریں گے یہ سن کر مجھے اپنی رؤیا کی تعبیر کا فوراً علم ہوگیا کہ رؤیا کی یہی تعبیر معلوم ہوتی ہے جو خطبۂ نکاح سے پوری ہونے والی ہے۔ چنانچہ خاکسار راقم بھائی عبدالرحمٰن صاحب مکرم و محترم کی معیت میں قادیان پہنچا اور بیت اقصیٰ میں جہاں نواب محمد علی خان صاحب بمعہ اپنے فرزند عزیز نواب محمد عبداللہ خانصاحب اور افرادِ جماعت تشریف فرما تھے۔ حضرت کی طرف سے پندرہ ہزار روپیہ کے مہر مقرر فرمانے کے ساتھ خطبہ نکاح پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اور حضرت مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح تو حضرت مولانا نورالدین صاحب نے پڑھا تھا۔ لیکن حضرت دختِ کرام کا خطبۂ نکاح اور اس کے اعلان کرنے کی سعادت اور برکت مجھے نصیب ہوئی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ؏ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس وقت میرے جیسے عبدِ حقیر اور خادمِ ناچیز کو خطبۂ نکاح کے لیے لاہور سے بلوانا اور خطبہ پڑھوانا قادیان کے رہنے والوں کے لیے بھی سخت باعثِ تعجب ہوا۔ اس لیے کہ قادیان میں بڑے بڑے نامی گرامی علماء اور فضلاء۔ جیسے قاضی امیر حسین صاحب حضرت سید سرور شاہ صاحب۔ حضرت

حافظ روشن علی صاحب اور خود حضرت صاحب کی ذاتِ گرامی جو اپنے نکاح اور مختلف اپنی شادیوں کی تقریب میں یا حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب سے پڑھواتے رہے اور بعض دفعہ اپنا نکاح اور خطبہ خود ہی پڑھا۔
باوجود ان حالات واسباب کے پھر میرے جیسی حقیر ہستی کا انتخاب میری اس مبشر رؤیا کی تعبیر میں مقدر قرار پایا ہوا تھا۔ جو نوشتۂ سعادت سے وقوع میں آیا......

وَاِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ؛ فَیُعْطِیْ مَنْ یَّشَاءُ وَمَا یَشَاءُ
فَلَا تَعْجَبْ لِمِثْلِیْ حَظَّ فَضْلٍ ؛ اِذَا مَا فَوْقَہٗ یُرْجِی الْعَطَاءُ

دُختِ کرام کی ایک عجیب شان

جب حضرت دُختِ کرام پیدا نہ ہوئیں تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب و شریف احمد صاحب و مبارکہ بیگم صاحبہ کی آمین پر ایک نظم بطور اظہارِ تشکر انعاماتِ الٰہیہ تحریر فرمائی تھی اس وقت حضرت صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب زندہ موجود تھے اس نظم میں یہ شعر بھی لکھا تھا کہ :۔

یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیّدہ ہیں ....

یعنی حضرت مرزا محمود احمد صاحب۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت مرزا مبارک احمد صاحب لیکن اس کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب فوت ہوگئے اور بجائے

پانچ کے چار رہ گئے اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کلام کی عددی صداقت کو قائم رکھنے کے لیے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے فوت ہو جانے کے بعد دُختِ کرام کا مبارک تولد باعث تصدیق بنایا گیا۔ تو گویا مبارک احمد کی خالی جگہ کو دختِ کرام کا تولد بھرنے والا ہوا.....

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت دختِ کرام کے ہاں علاوہ کئی نورچشمیوں کے کئی نورچشم بھی ہیں جن میں سے حضرت صاحبزادہ میاں عباس احمد خان سلمہ اللہ بڑے بیٹے ہیں۔ جو بی اے اور عالم فاضل ہیں اور کچھ مجھ سے نسبتِ تلمذ بھی رکھتے ہیں۔ اور میرے ساتھ بوجہ محبت اکثر خط وکتابت بھی رکھتے ہیں اور آپ کو اپنے اس خادم پر بہت کچھ حسنِ ظنّی بھی ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس حُسنِ ظن کے مطابق صاحب حسنات بنائے آمین حضرت صاحبزادہ میاں عباس احمد خان صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نواسے ہیں اور صالح نوجوان اور صاحبِ اخلاقِ حسنہ واوصافِ حمیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جملہ مقاصدِ حسنہ دینیہ و دنیویہ میں بڑھ چڑھ کر ترقیات وبرکات عطا فرمائے آمین ثم آمین ؛

(خود نوشت قلمی ڈائری حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی مرحوم)

اعلانِ نکاح

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے نکاح کے موقع پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی جس کے بعض حصے درج ذیل ہیں :۔

آج کا دن خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان۔ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی صداقتوں میں سے ایک عظیم الشان صداقت اور آیات اللہ میں سے
ایک آیت اللہ[1] ہے۔ آپ کی پیدائش کے متعلق حضرت صاحب کا الہام ہے "دُختِ کرام"
اور اللہ تعالیٰ کے فضل نے اس دختِ کرام کو ایک اور رنگ میں مبارک احمد کا رنگ بھی
دیا ہے۔ کرام کریم کی جمع ہے اور اس کو جمع میں خدا تعالیٰ نے اس لیے رکھا کہ چونکہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام ..... جری اللہ فی حلل الانبیاء تھے...
الہام کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ..... کی تشریح میں
حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ..... خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء...
... کا مظہر ٹھہرایا ہے (حاشیہ حقیقۃ الوحی ص۷۲) اس لیے دختِ کرام
کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوتے کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر
تمام انبیاء کا مفہوم صادق آتا ہے اس لیے گویا عزیزہ امۃ الحفیظ سارے
انبیاء کی بیٹی ہیں۔ دوسرے پہلو کے لحاظ سے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب
کے رنگ میں اس طرح سے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ؎

یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیدہ ہیں ....

حضور نے جب یہ فرمایا صاحبزادہ مرزا مبارک احمد اس وقت زندہ تھے
اور مبارک کے سمیت پنج..... تھے لیکن جب مبارک احمد فوت ہو گئے تو اب

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے یوم الاثنین و مایوم الاثنین.....
چونکہ یہ نکاح دوشنبہ کے دن قرار پایا ہے جس سے ایک پیشگوئی پوری ہوئی اس لیے یہ دن مسیح موعود
کی صداقت کے نشانوں میں سے ایک نشان قرار دیا گیا۔

یہ جو پنج .... کا لفظ تھا۔ مبارک احمد کے فوت ہو جانے پر عزیزہ امۃ الحفیظ ہوتی نہ ہوتی تو ایک مخالف کہہ سکتا تھا کہ بتاؤ اب پنج .... کون ہیں سو خدا کے فضل سے پنج .... کے عدد کی صداقت کو بحال رکھنے کے لیے خدا کی طرف سے عزیزہ مکرمہ کا وجود مبارک کے قائمقام ظہور میں لایا گیا۔ پس عزیزہ امۃ الحفیظ کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ طُوبٰی لِعَیْنٍ رَأَتْنِیْ قَبْلَ وَقْتِیْ (تحفہ بغداد) اور طُوبٰی لِمَنْ عَرَفَنِیْ اَوْعَرَفَ مَنْ عَرَفَنِیْ (خطبہ الہامیہ) مبارک ہے وہ جس نے مجھ کو دیکھا اور مبارک ہے وہ جس نے مجھے پہچانا یا میرے پہچاننے والے کو پہچانا یہ بہت ہی بڑی سعادت ہے ایک وقت آتے گا جبکہ لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے (اصحاب) کو تلاش کریں گے۔ اور یہ التجا کریں گے کہ کاش ہمیں حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھنے والا ہی کوئی دکھائی دے ایک وقت آتے گا جس وقت بادشاہ کہیں گے کہ کاش ہم مفلس ہوتے تنگ دست اور محتاج ہوتے مگر حضرت مسیح موعود کے چہرہ پر نظر ڈالنے کا موقع پا لیتے۔ اور ہم حضرت مسیح موعودؑ کے (اصحاب) میں شامل ہوتے اور وہ بادشاہ جو اس سلسلہ میں آنے والے ہیں اس بات پر رشک کریں گے کہ کاش ہمیں یہ تختِ حکومت اور سلطنت نہ ملتی مگر مسیح موعودؑ کے در کی گدائی حاصل ہو جاتی۔ وہ نہایت حسرت سے اس طرح کہیں گے، لیکن ان باتوں کو نہ پا سکیں گے لیکن کیا آپ لوگ کچھ کم درجہ رکھتے ہیں؟ نہیں بلکہ آپ کا درجہ تو یہ ہے ؎

بندگانِ جنابِ حضرتِ اُو ٭ سر بسر تاجدار مے بینم

آپ ان کی حضرت کے غلام ہیں کیا یہ آپ لوگوں کے لیے کچھ کم سعادت ہے کہ رُوحانی رنگ میں آپ کو تاجدار کہا گیا ہے اب فرمائیے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھنے والا انسان کس سعادت کا مستحق ہے۔ پھر جس نے آپ کو دیکھا اور آپ کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا اس کا کیا درجہ ہے؟ پھر ایک اور گروہ ہے جو سعادت میں بہت ہی بڑھ گیا ہے اس میں ایک وہ مبارک انسان ہے جس کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علاوہ رُوحانی تعلق کے خونی رشتہ کا بھی تعلق ہے یعنی اسے دامادی کا فخر حاصل ہے ۔۔۔۔ اب بتلاؤ کہ ایسے عظیم الشان انسان کا ایسا لختِ جگر اور خونی رشتہ جو صرف مبارک احمد کے رنگ ہی میں نہیں بلکہ بجائے خود بھی ایک عظیم الشان نشان ہے جس انسان کے ساتھ ہوگا۔ وہ کتنا خوش نصیب ہوگا وہ تو اگر اس نعمت کے بدلے تمام عمر سجدۂ شکر میں پڑا رہے تو بھی میرے خیال میں شکر ادا نہیں کر سکتا اور نعمتوں اور انعاموں کو جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ کسی کو ملیں ان کو جانے دو صرف یہی ایک عظیم الشان نعمت اور فضل کیا کم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک دفعہ صرف دیکھنے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالنے کا موقع مل گیا اور اگر کوئی ساری عمر اسی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا پھر ہم سے کب شکریہ ادا ہو سکتا ہے جنہوں نے آپ کو بارہا دیکھا اور مدتوں آپ کی صحبتوں اور مجلسوں سے حظ اُٹھایا ایک تو یہ ہم ہیں اور ایک اور ہیں جن کو اس سے بہت بڑی سعادت نصیب ہوتی۔ ۔۔۔۔ یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے ذٰلِكَ فَضْلُ

اللهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یہ خُدا کی عظیم الشان نعمت اور رحمت ہے اور ان کو نصیب ہوتی ہے جن کو خدا تعالیٰ نے حُجۃ اللہ فرمایا ہے اس سے میری مراد حضرت نواب صاحب ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی ایک بیٹی جس کے گھر جائے اس کو کس قدر سعادت ہے، لیکن بتاؤ کہ اس کی سعادت کا کس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کی طرف حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری بیٹی بھی خدا تعالیٰ کا فضل لے جائے۔ اگر ہزارہا سلطنتیں اور بادشاہتیں بھی حضرت نواب صاحب کے پاس ہوتیں اور انہیں آپ قربان کر کے حضرت مسیح موعودؑ کا دیدار کرنا چاہتے تو ارزاں اور بہت ارزاں تھا، لیکن اب تو انہیں خدا تعالیٰ کا بہت ہی شکر ادا کرنا چاہیئے کہ انہیں خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان فرستادہ کی بیٹی مل گئی ہے اور دوسری بیٹی بھی ان ہی کے صاحبزادے کے نکاح میں آئی۔۔۔"

(روزنامہ الفضل ۱۲ر جون ۱۹۱۵ء)

مہر نامہ

اس موقع پر مندرجہ ذیل مہر نامہ بھی اشٹام پیپر پر ضبط تحریر میں لایا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مہر نامہ از جانب محمد عبداللہ خان

باعث تحریر آنکہ۔ جو کہ ۷ جون ۱۹۱۵ء بروز دوشنبہ کو میرا نکاح امۃ الحفیظ بیگم دختر سیدنا و مولانا و امامنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام رئیس قادیان ضلع گورداسپور سے بعوض مہر مبلغ عہ ۱۵۰۰۰ ؎ پندرہ ہزار روپیہ

کلدار جس کے نصف معہ صما ؍؍ ساڑھے سات ہزار ہوتے ہیں ہوا ہے۔ یہ پندرہ ہزار روپیہ مہر امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مذکورہ کا بطور مہر متوجل مقرر ہوا ہے۔ جو میرے اور میرے ورثاء پر حق واجب ہے۔ پس زوجہ اُم مذکورہ جب چاہیں اس رقم کو مجھ سے یا میرے ورثا سے وصول کر سکتی ہیں۔ پس یہ چند کلمات بطور مہر نامہ واقرار نامہ وسند کے آج لکھ دیئے کہ عندالحاجت کام آئیں۔

مبارک شادی

۱۰؍ جون ۱۹۱۵ء کے الفضل میں قران السعدین کے عنوان سے نکاح کا اعلان ہوا۔ دونوں خاندانوں کو مبارک باد دیتے ہوتے الفضل نے لکھا کہ الٰہی یہ قران السعدین مبارک ہو اور ان سے مسیح موعود علیہ السلام کی نسل بڑھے۔ پھلے اور پھولے اور وہ تمام کمالات اور انعامات کی وارث ہو جن کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کی اولاد و احفاد سے وعدہ ہوا اللھم آمین یارب العالمین۔

الحکم نے مورخہ ۱۴؍ جون ۱۹۱۵ء کو ایک غیر معمولی پرچہ شائع کیا اور "ایک مبارک شادی" کے عنوان سے لکھا :-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری اور آخری صاحبزادی حضرت امۃ الحفیظ صاحبہ کا نکاح ۷؍ جون ۱۹۱۵ء کو بعد نماز عصر بیت اقصیٰ میں پندرہ ہزار روپیہ مہر پر حضرت نواب محمد علی خان صاحب قبلہ کے

صاحبزادہ خان عبداللہ خان صاحب سے ہوا۔ خطبۂ نکاح کی عزت مولوی غلام رسول صاحب فاضل راجیکی کو ملی۔

۷ رجون ۱۹۱۵ء کو جس دن نکاح کا اعلان ہوا۔ اس دن بھی بعد نمازِ عصر الحکم نے ایک غیر معمولی پرچہ شائع کیا۔ جس میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم قادیان کی طرف سے اس نکاح کی تفصیل درج تھی اور مبارک باد دی گئی تھی۔ اس موقع پر بھی حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت میاں عبداللہ خان صاحب کو زریں نصائح پر مشتمل ایک خط رقم فرمایا اور نئی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

رُخصتی

۲۲ر فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ ہجری بروز پنجشنبہ رُخصتی کی تقریب عمل میں آئی۔ اس سلسلہ میں حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"میری شادی کے روز شام کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بلا بھیجا۔ چونکہ حضرت والد صاحب ابھی برات کے طریق کو اپنی تحقیقات میں اسلامی طریق نہیں سمجھتے تھے اس لیے میں شہر پہنچا ہی تھا۔ کہ آپ نے واپس بُلا بھیجا اور میں حضور ۔۔۔ کی اجازت سے واپس چلا گیا۔ اور بعد میں سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور ہمشیرہ بو زینب بیگم صاحبہ دلہن کو دار المسیح سے

دارالسلام لے گئیں۔

حضرت نواب صاحب نے ۲۳ و ۲۴ فروری ۱۹۱۷ء کو
کوٹھی دارالسلام میں دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا۔"
(الفضل ۲۷ر فروری ۱۹۱۷ء)

رخصتی کے بارہ میں الفضل ۲۴ر فروری ۱۹۱۷ء نے لکھا:

۲۲ر فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ ہجری المقدس بروز پنجشنبہ حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ صاحبہ کی جن کا نکاح ۷ ر جون ۱۹۱۵ء بروز دوشنبہ مکرم معظم خان صاحب نواب محمد علی خان صاحب کے صاحبزادے میاں محمد عبداللہ خان صاحب سے ہوا تھا تقریب تودیع عمل میں آئی۔ ہم خادمانِ الفضل نہایت خلوصِ قلب اور دلی مسرت کے ساتھ اپنی اور تمام جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بارگاہِ عالی میں اور حضرت اماں جان نیز حضرت قبلہ نواب صاحب کی خدمتِ اقدس میں مبارک باد پیش کرتے ہوئے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک اور مسعود جوڑے کو صحت و عافیت کے ساتھ خوش وخرم رکھے اور اپنے خاص انعامات کا وارث بناتے ان سے حضرت مسیح موعودؑ کی نسل بڑھے پھولے اور پھلے اور پروان چڑھے اللھم ربنا آمین یارب العالمین۔ خاندان کے دیگر معزز و محترم بزرگوں کی خدمت میں نہایت جوش اور خلوص کے ساتھ اس تقریبِ سعید پر مبارک باد عرض کرتے ہیں۔

☆

شادی کے متعلق بعض تاثرات

حضرت ملک غلام فرید صاحب مرحوم (حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے بچپن کے دوست) اس شادی اور رخصتی کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

۱۹۱۵ء میں جب آپ دسویں جماعت میں پڑھتے تھے تو ان کا حضرت امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ نکاح کا معاملہ زیرِ غور رہا معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کونسی نیکی پسند آئی کہ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے لختِ جگر کو بھی دامادیٔ مسیح پاک کی سعادت حاصل ہوئی۔ میاں صاحب نے ان دنوں بار بار مجھ سے ذکر کیا کہ میرے لیے اس رشتہ میں صرف یہ کشش ہے کہ میرا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہو جاتے ایک موقع پر اس رشتہ میں کچھ عارضی رکاوٹ پیدا ہوئی تو مرحوم ومغفور بہت بے قرار ہوتے اور بہت دُعائیں کی اور کروائیں اور آخر صاحبزادی صاحبہ کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا۔ اس نکاح کا خطبہ پڑھنے کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو خاص طور پر لاہور سے بلوایا..... آپ کی شادی کس سادگی سے ہوئی۔ میاں محمد عبداللہ خان صاحب کی شادی حضرت قبلہ نواب صاحب کے بیٹوں کی شادی میں پہلی شادی تھی اور قدرتاً پہلی شادی میں زیادہ شوق کا اظہار کیا جاتا ہے اور خرچ بھی زیادہ کیا جاتا ہے، لیکن

یہاں یہ ہوا کہ اس شادی میں شمولیت کے لیے باہر سے حضرت نواب صاحب نے جن اصحاب کو بلایا وہ صرف میاں محمد عبداللہ خان صاحب کے تعلق کی وجہ سے یہ خاکسار تھا ...... حضرت نواب صاحب کا یہ خیال عقیدہ کی حد تک پہنچا ہوا تھا کہ رخصتانہ کے وقت دلہا کو اپنی دلہن کو لینے کے لیے اس کے گھر نہیں جانا چاہیئے۔ بلکہ دلہن کی رشتہ دار عورتوں کو خود دلہن کو دلہا کے گھر پہنچانا چاہیئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ حضرت نواب صاحب کے اس خیال کی بنیاد کیا تھی۔ ممکن ہے انہوں نے کسی حدیث یا اسلامی تاریخ کی کسی کتاب میں پڑھا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صاحبزادی کا رخصتانہ اسی طرح ہوا تھا۔ بہرحال وہ اس خیال پر شدّت سے قائم تھے۔ اس لیے جب حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے رخصتانہ کا وقت ہوا تو حضرت اماں جان نے غالباً حضرت نواب صاحب کے اس خیال کو جانتے ہوتے کہ کسی برات وغیرہ کا آنا تو خارج از بحث ہے۔ میاں عبداللہ خان صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ اکیلے ہی ہمارے ہاں آجائیں۔ یہ بات مجھے خود میاں عبداللہ خان صاحب نے بتائی کہ جب وہ حضرت اماں جان کے ارشاد کی تعمیل میں اکیلے کوٹھی دارالسلام سے دارالمسیح کی طرف گئے تو پہلے اس کے کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں داخل ہوں حضرت نواب صاحب کو میاں عبداللہ خان صاحب کے اس طرح اکیلے جانے کا علم ہوگیا اور انہوں نے اپنے ایک خادم میاں جیوا کو میاں صاحب کے پیچھے بھیج کر انہیں حضرت مسیح موعودؑ کے گھر داخل ہونے سے روک دیا اور جیسے میاں صاحب مغفور

اکیلے آتے تھے ویسے اکیلے ہی واپس چلے گئے بعد میں حضرت نواب محمد علی خان صاحب کو احادیث کی کتابوں کے حوالہ جات نکال کر تبلایا گیا کہ اس بارہ میں ان کی شدت نا واجب تھی تو انہوں نے اپنے خیال کو بدل لیا۔ بہر حال اس سارے واقعہ سے اتنا تو پتہ لگ جاتا ہے کہ ان دونوں عالی خاندانوں کی شادیاں کس سادگی سے ہوتی تھیں۔"

۲۔ مکرم میاں عبدالرحیم خان صاحب خالد خلف حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرمایا:۔

"میاں عبداللہ خان صاحب بہت جلد دوسروں کی رائے سے متاثر ہوتے تھے ان کی شادی ان کی دُنیا کا نقشہ بدلنے میں ایک بہترین موثر ثابت ہوئی۔ عام طور پر ماؤں کو اپنی چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ سو اماں جان کی ہمدردیاں بھی عبداللہ خان کو حاصل ہوگئیں چونکہ بڑی بیٹی ایسی جگہ بیاہی گئی تھیں کہ ان کا میاں اس وقت کے لحاظ سے اچھی حیثیت کا مالک تھا اور ان کو کافی آرام اور بے فکری تھی عبداللہ کا مستقبل ابھی بنا نہیں تھا اس لیے حضرت اماں جان نے پوری توجہ اس طرف دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے یہ سامان کر دیا کہ عبداللہ خان جماعت کے لیے اراضی علاقہ سندھ میں دیکھنے گئے اراضی سب لے رہے تھے انہوں نے بھی حاصل کر لی اس میں خدا تعالیٰ نے برکت بخشی اور بہت جلد ان کے لیے دنیوی رستے کھل گئے۔۔۔۔۔"

☆

جذباتِ تشکر و امتنان

حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب کی سندھ والی اراضی نصرت آباد اسٹیٹ کے نام سے موسوم ہے ایک دفعہ اسٹیٹ کی ایک تقریب کے موقع پر حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب نے کارکنان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"...... خدا تعالیٰ نے عجیب در عجیب رنگ میں میری مشکلات کو دُور کیا مجھے ہر رنگ میں نوازا میری اس قدر پردہ پوشی فرمائی جس کا اندازہ سوائے میری ذات کے کوئی نہیں لگا سکتا۔ میرے پیارے رب کے رحم و کرم کا اندازہ آپ لوگوں کو اس وقت ہو سکتا ہے کہ میرے اندرونی حالات کا آپ کو علم ہو۔۔۔۔ میری ہر ایک دقت اور مصیبت میرے لیے ایک سیڑھی تھی۔ جو کہ مجھے رفعت اور بلندی کی طرف لے جاتی رہی اس زمانہ میں میرے مولا نے اپنی رحمت اور شفقت کا سلوک نہیں چھوڑا۔ بار بار مجھے اور میری بیوی کو بشارات دے دے کر میری ڈھارس بندھاتا رہا۔۔۔۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے صرف مجھے دُنیا ہی نہیں دی بلکہ اپنے بے شمار رحم و کرم فرما کر حقیقی معنوں میں مجھے عبد اللہ بنا دیا۔ آج میرا دل تشکر اور اس کی محبت سے

لبریز ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جو کچھ میرا ہے وہ سب اس کی خاطر قربان ہو جاتے اور میں اسی کا ہو کر رہ جاؤں۔ میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق دے دراصل عملی طور سے ہے بھی یہی۔ میں اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا خادم سمجھتا ہوں میری ساری کوشش اور محنت صرف اس لیے ہے کہ اس پاک وجود کے جگر پارے جن میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک کو میرے والد اور ایک کو میرے سپُرد کیا ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ اس رحمت اور برکت کو میں نے کبھی اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کیا۔ میرے پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حضرت اماں جان کی دُعاؤں کے طفیل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں میرے لیے پیار و محبت پیدا کر دیا ہے ایک وقت تھا کہ وہ خود بھی دُعائیں فرماتی تھیں بلکہ ہر ایک کو کہتی تھیں کہ عبداللہ خان کے لیے دُعائیں کرو اس لیے اللہ تعالیٰ کے بعد میری گردن جذبات شکر اور محبت سے ان کے حضور جھکی ہوتی ہے۔ میری والدہ جبکہ میں چار پانچ سال کا (بلکہ قریباً تین سال کا۔ مؤلف) تھا فوت ہو گئی تھیں۔ میں ماں کی محبت سے بے خبر تھا لیکن میرے ودود و رؤف مولا نے حضرت اماں جان کے وجود

میں مجھے بہترین ماں اور بہترین ساس[1] دی۔ میں نے آج تک اس رقبہ کو حضرت اماں جان کا عطیہ تصور کیا۔ بلکہ اس جہیز کا جُز خیال کیا جو انہوں نے اپنی لڑکی کو دیا میں نے اسی جذبۂ شکر اور محبت کی وجہ سے اس رقبہ کا نام نُصرت آباد آپ کی اجازت سے آپ کے نام مبارک پر رکھا ہے۔ اس لیے یہ حضرت اماں جان کا عطیہ ہے ان کی دُعاؤں کا ثمرہ ہے آپ لوگ خود ہی سمجھ لیں کہ حضرت مسیح موعودؑ... کے گھر سے آئی ہوئی چیز کسقدر بابرکت ہوسکتی ہے۔۔۔۔"

قرار واقعی احترام کی تلقین

یہ برکتوں سے معمور شادی کن مراحل سے گزرتی ہوئی پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

---

[1] مکرم ملک صلاح الدین صاحب مؤلف اصحاب احمد تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت نواب عبداللہ خان صاحب نے انہیں ۵۲/۴/۲۱ کے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا "دراصل اماں جان انہی کی اماں نہیں ہیں بلکہ میری بھی اماں ہیں۔ میرے ساتھ جو محبت اور پیار کا سلوک انہوں نے کیا ہے اپنے ساتھ ایک داستان رکھتا ہے جب میری شادی ہوئی تو مجھے ایک عورت کے ہاتھ کہلا کر بھیجا۔ کہ میاں کی عمر زیادہ تھی یعنی میرے والد کی۔ تم چھوٹی عمر والے داماد ہو۔ تم مجھ سے شرمایا نہ کرو۔ تاکہ جو کمی رہ گئی ہے اس کو پورا کر سکوں۔ پھر آپ نے حقیقی ماں بن کر دکھایا۔

(اصحاب احمد جلد دوم ص۶۴۷)

اس کا مختصر تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب مسلسل و متواتر اس شادی کی اہمیت اور اس سے عائد ہونے والی عظیم ذمہ داریوں کی طرف حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی توجہ مبذول کرواتے رہے۔ اور سب سے زیادہ تاکید اس بات کی کرتے رہے کہ حضرت امۃ الحفیظ صاحبہ اللہ تعالیٰ کے ایک مقدس اور چنیدہ مامور کی دُختر نیک اختر اور مبشر اولاد کا ایک فرد اور اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہیں اس لیے ان کی قرار واقعی عزت و احترام ہمیشہ ملحوظ رہے اور حق یہ ہے کہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے ساری زندگی اس عہد کو بوجوہِ احسن نہ صرف نبھایا۔ بلکہ اپنی ساری اولاد کو بھی ہمیشہ یہ تلقین فرماتے رہے کہ اس بابرکت وجود کا احترام کریں۔ ذیل میں حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی بعض تحریرات اس ضمن میں پیش کی جا رہی ہیں۔

اپنی بڑی بیٹی محترمہ آمنہ طیبہ صاحبہ کی شادی کے موقع پر نصائح سے پُر ایک طویل خط تحریر فرمایا اس کے بعض اقتباسات:۔

"تمہاری امی اس معاملہ میں بہترین نمونہ ہیں تم نے خود دیکھا ہے کہ کس قدر تنگی انہوں نے میرے ساتھ اُٹھائی، لیکن اس وقت کو نہایت وفا اور محبت کے ساتھ گذار دیا ایک طرف تو یہ تسلیم و رضا تھی اور دوسری طرف مجھے کام کرنے اور باہر نکل جانے کی ترغیب دیتی تھیں آخر اس صابر و شاکر ہستی کی دُعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے

میرے پر کھول دیتے ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی امی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے ۔گھر میں مختلف قسم کی تکالیف بھی آتیں تنگیاں بھی آتیں لیکن اس خدا کی بندی نے اپنے میکے میں ان تکالیف کا کبھی بھی ذکر نہ کیا ۔خود اپنے نفس پر سب کچھ برداشت کیا ، لیکن دوسروں کو اپنی تکلیف میں شامل کرنا گوارہ نہ کیا ۔ وقت تھا گذر گیا ۔ میری بچی ۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی ۔تم بھی اپنی امی کی طرز ہی اختیار کرو وہ تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہیں ۔۔۔۔۔"

اللہ تعالیٰ کے بے انتہا احسانوں کا شکریہ

حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب اپنی لمبی بیماری سے شفایابی پر ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" میری اس بیماری سے رہائی محض اللہ تعالیٰ کے کرم کا نتیجہ ہے میں آج سے ۵ سال قبل ختم ہو گیا ہوتا ۔لیکن میرے بزرگوں میرے عزیزوں میرے مخلص دوستوں اور اس برادری کے افراد نے جن کو حضرت مسیح موعود نے ایک دوسرے سے منسلک کر دیا ہے میری چلتی پھرتی تصویر انہیں کی دُعاؤں کا کرشمہ ہے جو انہوں نے مضطربانہ اور بے قراری کے جذبہ کے تحت میرے لیے کیں ۔ انہوں نے مجھے اپنے مولا کریم سے

جو کہ حی و قیوم اور سمیع ہے مانگ کر ہی صبر کیا۔ ایک مخلص بہن نے میری بیوی کو لکھا کہ جب انہوں نے میری تشویش ناک حالت کا اخبار میں پڑھا تو وہ سجدہ میں گر گئیں اور اس قدر اضطراب اور بے قراری سے ان الفاظ میں دعا کی کہ "جب تک اے میرے مولا تو مجھے ان کی صحت کے متعلق مطمئن نہیں کر دیتا۔ میں تیرے حضور سے سر نہیں اُٹھاؤں گی" چنانچہ جب ان کو تسلی مل گئی تو پھر انہوں نے بارگاہِ ایزدی سے سر... اُٹھایا۔ پھر یہی ایک مثال نہیں اب بھی مجھے اکثر بھائی ملتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں کہ کس کس رنگ میں انہوں نے میرے لیے دعائیں کیں خدا کی اس عنایت اور مہربانی کا میں جس قدر بھی شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔ میں کیا اور میری ہستی کیا۔ میں نے اپنی قریباً ساٹھ سالہ زندگی میں ان کے لیے کیا کیا؟ یہ محض حضرت مسیح موعود کی صاحبزادی کے طفیل ہے یہ تڑپ یہ دلسوزی یہ بیقراری اس واسطے تھی یہ اس محبت اور خلوص کا کرشمہ ہے جو اس والہانہ محبت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہے۔ انہوں نے صاحبزادی کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور بے قرار ہو ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے اور مجھے اس بیماری سے نجات دلا دی۔ پھر میں کس کس بات کا شکریہ ادا کروں یہ میری خوش نصیبی سمجھیے یا حُسنِ اتفاق کہ اس

کڑے وقت میں سارا خاندان ایک جگہ اکٹھا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... اس بیماری کے دوران میں مہربانی فرماتے رہے۔ ان کی خاص دُعاؤں کا مورد بنا رہا کہ انہوں نے میرے اچھا ہونے سے بہت پہلے خواب میں مجھے پورا صحت یاب دیکھا پھر اماں جان جو کہ میرے لیے ماں سے بڑھ کر تھیں میں اپنی ماں کی محبت سے محروم تھا۔ کیونکہ میں بچہ ہی تھا کہ وہ فوت ہو گئیں لیکن اس کمی کو حضرت اماں جان کی محبت نے پورا کر دیا۔ جب میری طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو فوراً میری چارپائی کے پاس آکر بیٹھ جاتیں نہ صرف دُعا کرتیں، بلکہ ان کا پُرسکون چہرہ اور پُرامید چہرہ میرے لیے ایک بیش بہا آسرا اور سہارا ہوا کرتا تھا۔ ان کی موجودگی ایسی قوتِ ارادی پیدا کرتی کہ ساری گھبراہٹ اور بے چینی اپنی بیماری دور ہوتی پاتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرقد پر اپنے انوار کی بارش نازل فرماتے اور وہ کچھ ان کو دے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے لیے چاہتے تھے۔ ان کو سب کچھ حاصل تھا۔ میں اپنی زبان سے کیا دُعا ان کے لیے کر سکتا ہوں پھر اپنی والدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں پاتا انہوں نے میری محبت میں ایک سال نہایت تکلیف اور بے آرامی میں میرے کمرے میں گذارا۔ ہر قسم کے آرام و آسائش کو چھوڑ کر

میرے آرام میں لگی رہیں نہ صرف یہ کیا بلکہ جماعت میں جو مضطربانہ اور بے قراری کا جذبہ دُعا کے لیے پیدا ہوا زیادہ تر انہی کی تحریک کا نتیجہ تھا۔ ان کی رباعیات نے جماعت میں ایک ہلچل مچا دی ایسا ولولہ پیدا کر دیا کہ اہلِ خانہ مسیح موعودؑ سے محبت رکھنے والے انہی کے رنگِ مادرانہ میں رنگین ہو گئے اضطراب اور بے تابی سے دُعا کرتے تھے۔

اب مَیں یہاں اگر اپنی بیوی حضرت دُختِ کرام امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ذکر نہ کروں تو نہایت ناشکری اور ظُلم ہوگا۔ یہ نُور کا ٹکڑا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جگر گوشہ جو میرے پہلو کی زینت بنا ہوا ہے کس خدمت اور کس نیکی کے عوض مجھے حاصل ہوا ہے اسی بات کو سوچ کر مَیں ورطۂ حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا ہوں موجودہ زمانہ کا رُوحانی بادشاہ جری اللہ فی حلل الانبیاء نے اپنے لیے یہ خاکسارانہ الفاظ استعمال فرماتے۔ مَیں آج تک اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہوں لیکن میرے جیسے ناچیز انسان کے لیے یہ حقیقت ہے مَیں اصل میں ان اشعار کا مورد ہوں ؎

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو دے کر مجھے زمین سے اُٹھا کر ثریا پر

پہنچا دیا۔ اس مجسم مہر و وفا نے جب میری بیماری کی اطلاع راولپنڈی میں پائی تو نہایت درجہ پریشانی کی حالت میں فوراً لاہور پہنچیں یہ میری بیماری کی پہلی رات تھی اور ساری رات موٹر پر ان کو رہنا پڑا۔ صبح چار بجے کے قریب لاہور پہنچیں لیکن کیا مجال میرے پر اپنی گھبراہٹ کا اظہار ہونے دیا ہو۔ پھر اس قدر تن دہی اور جانفشانی سے میری خدمت میں لگ گئیں کہ میں کہہ نہیں سکتا کوئی دوسری عورت اس قدر محبت اور پیار کے جذبہ سے اپنے خاوند کی خدمت کر سکتی ہو اس اللہ تعالیٰ کی بندی نے اپنے اوپر آرام کو حرام کر لیا۔ رات دن جاگتے ہوتے کاٹتی تھیں کمرہ تنگ تھا اس لیے دوسری چارپائی کمرہ میں بچھ نہیں سکتی تھی اس لیے یہ نازو نعمت کی پلی جو کہ ریشم و اطلس کے لحافوں میں آرام کی عادی تھی زمین پر چند منٹ کے لیے سر ٹیک کر آرام لے لیتی تھی بلکہ زمین پر نہیں ایک تخت پوش نماز کے لیے بچھا ہوا تھا۔ اس پر چند منٹ کا آرام اگر میسر آ جاتے تو آ جاتے وگرنہ ہر وقت چوکس ہوشیار میرے کام کے لیے مستعد ہوتی تھیں۔ یہ نہیں کہ کوئی اور میرا خبر گیراں نہ تھا ان ایام میں ملازموں کے علاوہ تمام عزیز اور رشتہ دار میری خدمت میں لگے ہوتے تھے میں اس بیماری میں اپنے کو اس قدر خوش نصیب اور خوش بخت لوگوں میں متصور کرتا تھا جس کا آپ

لوگ اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتیاں اور نواسیاں اس محبت اور جذبہ سے خدمت میں لگی ہوتی تھیں کہ اگر میں اس حالت میں مر بھی جاتا۔ تو یہ بھی میرے لیے ایک رُوحانی انبساط کا موجب ہوتا اپنے پاک لوگوں کو ایک گنہ کار کی خدمت میں لگا دیا یہ اس کے اپنے عطایا ہیں جس کو نہ مَیں سمجھ سکا ہوں۔ نہ کوئی اور۔ مجھ سا ناچیز اور یہ سلوک ؎

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
مَیں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگاہ میں بار

لیکن میری باوفا پیاری بیوی نے کسی کی امداد پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ ان کی یہی خواہش اور آرزو رہتی تھی کہ خود ہی میرا کام کریں اگر کسی دوسرے کو کام کہتا تاکہ ان کو آرام ملے تو اس سے خوش ہونے کی بجائے ناراض ہوتیں لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی شادیاں کامیاب نہیں ہوتیں مرد اور عورت ایک دوسرے کی طبیعت سے واقف نہیں ہوتے ان فلسفیوں کو کیا علم کہ جن لوگوں کو خداتعالیٰ کی ربوبیت اور پاک بندوں کی تربیت حاصل ہوتی ہے اور ان لوگوں کے فیضِ صحبت سے اپنے اعمال صیقل کئے ہوتے ہیں ان کی دُنیا ہی نرالی ہوتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے کہ دنیا مومن کے لیے سجن ہے کیونکہ اس کو شریعت کی پابندی اپنے پر عائد کرنے کی پہلے تکلیف برداشت

کرنی پڑتی ہے لیکن جب وہ حقیقی عبودیت حاصل کر لیتا ہے
وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَان کا مصداق ہو
جاتا ہے اور کامل اور مکمل عبد ہونے کی حالت وارد ہونے کے
بعد فَادْخُلُوْا فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلُوْا جَنَّتِيْ کی
پُر سرور آواز سنتا ہے یہی کیفیت اس پاک بیوی کی تھی
مَیں اس اعتراف پر مجبور ہوں کہ جب مَیں اپنی بیوی کی محبت
اور وفا کو دیکھتا ہوں تو اکثر ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا ہوں۔ وہ
شہزادیوں کی طبیعت رکھتی ہیں۔ ان میں نخوت و تکبر رائی برابر
نہیں، لیکن کبریائی ان میں دیکھتا ہوں ۔۔۔۔ جو حسد اور ریس
سے بہت بالاتر ہے مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کی شخصیت
نے ان کو مرعوب کیا ہو۔ وہ طباع اور ذہین ہیں وہ جس سے
گفتگو کرتی ہیں اس کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہیں خاوند پر کبھی ناجائز
بوجھ نہیں ڈالتیں بلکہ اپنے خاوند کے فکر و ہم و غم میں پوری ہمدرد
اور مونس ساتھی کا کام دیتی ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں اپنی مثال
آپ ہی ہیں۔ عزیزوں رشتہ داروں سے نیک سلوک کر کے حظ
حاصل کرتی ہیں ان کو کسی چیز کے خود استعمال کرنے کی نسبت
اس بات سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ دوسرا ان کی چیز کو
استعمال کرے اگر کسی نے کسی وقت کوئی تکلیف پہنچائی ہو تو
ذرا سی تلافی سے تمام شکایات طاقِ نسیاں کر دیتی ہیں۔ صبر و

شکر ان کا شیوہ ہے۔ بغض و حسد و کینہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کو محبّت ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبّت میں وہ سرشار ہیں۔ مَیں نے اکثر اوقات دیکھا ہے کہ ان کو کسی چیز کی خواہش پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آنًا فانًا مہیا کرنے کے سامان کر دیئے۔ میرے پر جو بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اور عنایات ہیں وہ اسی کے طفیل ہیں حضرت مسیح موعودؑ چار سال کی عمر میں اِس کو اپنے مولا کے سپرد کر گئے تھے۔ جب سے ہی وہ اپنے مولا کی گود میں نہایت پیار سے رہتی ہیں اور میری راحت کا موجب بنی ہوئی ہیں میرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرز کا کام دیتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حفیظ کی پوری پوری تجلّی ہیں بسا اوقات میں کسی گناہ یا آزمائش کے قریب پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میری حالت سے مطلع کر دیا یہ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا۔ جب صبح کو مَیں اُٹھا تو وہ خواب یا اشارہ میرے متعلق ہوا ہوتا۔ مجھے بتاتیں تو مَیں حیرانی میں پڑ جاتا اور مجھے اپنی اصلاح کا موقع مل جاتا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح حفاظت کرتا ہے اور غیب کی باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے مَیں اس کی زیادہ وضاحت نہیں کر سکتا یہ ایک مستقل مضمون ہے ...."

"میں آج ایک مشتِ خاک ہوتا اگر ان کی تیمارداری اور دُعائیں جو مضطربانہ اور بے قرارانہ انداز میں انہوں نے کی ہیں نہ ہوتیں۔ پس اس قدر قابلِ قدر ہستی دوسری طرف میرے جیسا ہیچمدان جو احباب مجھے جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا بے جوڑ رشتہ ہے لیکن اپنے مولا کریم کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھکتا اس نے میری بیوی کے دل میں اس قدر محبت اور پیار پیدا کر دیا کہ جس کی مثال بہت کم ملتی ہے عام طور پر لوگ چند روز کی تیمارداری سے تنگ آ جاتے ہیں لیکن یہاں پانچ سال کی لگاتار محنت و مشقت کی خدمت نے ان کی مہر و وفا اور محبت پر مہر لگا دی ہے اس بے پناہ محنت اور مشقت نے ان کی اپنی صحت کو برباد کر کے رکھ دیا ہے اب وہ مجھ سے زیادہ بیمار نظر آتی ہیں۔

احباب سے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ کی صحت کے لیے مجھ سے زیادہ دُعا کریں میں اس لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ وہ چاہتی ہیں کہ میں زندہ رہوں۔ ورنہ وہ اپنے گھرانہ کے لیے مجھ سے بہت زیادہ نافع اور مفید وجود ہیں میرے مولا تیری رضا کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس نے میری خدمت کی ہے۔ اب تُو اپنی ذرّہ نوازی سے میری زاری کو سن اس کو پوری صحت عطا فرما۔۔۔۔ مجھے تُو نے

دوبارہ زندگی دی ہے میں اس نئے دورِ زندگی میں تیرا زیادہ سے زیادہ قرب اور محبت حاصل کرسکوں تیرے دین اور سلسلہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید و نافع وجود ثابت ہوسکوں۔ ہمیں عبد شکور بننے کی توفیق دے ......"

حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب کی وصیت

آپ کے ذی وقار شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے اپنی وفات سے قبل ایک وصیت رقم فرمائی۔ اس میں حضرت سیدہ مرحومہ سے تعلق رکھنے والے بعض امور کا تذکرہ درج ذیل ہے:۔

"میری دُعا اور آرزو ہے کہ میری اولاد امامت سے منسلک رہے اور ہمیشہ اس گروہ کا ساتھ دے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد زیادہ سے زیادہ ہوں کیونکہ حضور علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنِّی مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِكَ۔ نماز باجماعت ادا کرنے کی کوشش کریں اور ہر مصیبت کے وقت مولا کریم کو قادرِ مطلق خدا تصوّر کرتے ہوتے اس کے حضور جُھک کر عجز و انکسار سے استقامت طلب کریں میں نے اسی طریق سے زندہ خدا کو پایا اور اپنی مشکلات کو کافور ہوتے دیکھا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خاص خیال رکھیں۔ ان کے سامنے یہ بات ہونی چاہیئے کہ وہ کس

ماں کی اولاد ہیں اور کس نانا کے وہ نواسے اور نواسیاں ہیں۔ کس مقام کا ان کا ماموں ہے اور وہ اس دادا کی اولاد ہیں جس نے اپنی اولاد سنوارنے کے لیے اپنے وطن کو چھوڑا۔ اور محلات کو چھوڑ کر ایک کور بستی میں ایک تنگ مکان میں بسیرا کیا۔۔۔۔۔۔۔ میری دُعاؤں اور نیک خواہشوں کا وہی بچہ حقدار ہوگا جو اپنی ماں کی خدمت کو جزوِ ایمان اور فرض قرار دے گا۔ ان کی ماں معمولی عورت نہیں ہیں۔ میں نے ان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو کارفرما دیکھا ہے ہر وقت اور ہر مشکل کے وقت ان کی ذات کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار کا محور پایا۔ چار سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب کی گود سے لیا۔ پھر عجیب در عجیب رنگ میں ان کی ربوبیت فرمائی میں نے اللہ تعالیٰ کے جو نشانات اپنی زندگی میں ان کے وجود میں دیکھے ہیں وہ ایک بڑی حد تک احمدیت پر ایمان کامل پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔ پس جو بچے میرے بعد ان کو خوش رکھیں گے اور ان کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ان کے ساتھ میری دُعائیں اور نیک آرزوئیں ہونگی جو بچے ان کو ناراض کریں گے وہ میری رُوح کو بھی دُکھ دیں گے میں ان سے دور۔ وہ مجھ سے دور ہونگے۔ اللہ تعالیٰ میری اولاد کو اپنی رضا کے ماتحت ماں کی خدمت کی توفیق دے

اور انہیں اپنی رضا اور محبت کا مورد بناتے۔"

(اصحاب احمد جلد دوازدہم مؤلفہ مکرم ملک صلاح الدین صاحب)

حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی وفات پر بعض تاثرات

آپ کے بڑے صاحبزادے مکرم میاں عباس احمد خان صاحب نے حضرت نواب صاحب کی آخری بیماری کے حالات الفضل ۲۶، ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں رقم فرمائے اس مضمون میں اپنی والدہ محترمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"والد محترم کی حالت ۱۷ ستمبر کی رات ۸ بجے سے بگڑ چکی تھی اور آپ نے غالباً محسوس کر لیا تھا کہ اب آخری وقت ہے اس لیے برکت اور تسکین کے لیے والدہ محترمہ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ چنانچہ والدہ محترمہ تمام رات صبح وفات تک ایک دم کے لیے بھی آپ کے پاس سے نہ اُٹھیں ...... حضرت والد صاحب محترم کو حضرت والدہ محترمہ کا اپنی زوجہ ہونے کے علاوہ بحیثیت دُخترِ مسیح موعود علیہ السلام بہت زیادہ پاس تھا اور ان کی زندگی کی مساعی میں سے یہ ایک بڑی کوشش تھی کہ حضرت والدہ محترمہ کو ہر ممکن آرام پہنچے۔ اور اپنے بچوں کے لیے یہی خواہش رہی کہ وہ اپنی والدہ صاحبہ کو خوش

رکھیں اور ہر ممکن خدمت کریں۔۔۔۔۔"

حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے حضرت نواب صاحب کی وفات پر "شکریہ احباب و تحریک دُعا" کے تحت الفضل ۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۱ء میں تحریر فرمایا:۔

"اس زمانہ میں یہ کس قدر خلافِ قیاس بات معلوم ہوتی ہوگی مگر آج ہم تین بہن بھائیوں کے رشتے جو ہوتے (یعنی ہم دونوں بہنیں دونوں باپ بیٹوں کے نکاح میں آئیں اور حضرت چھوٹے بھائی صاحب کی شادی ان کی بڑی لڑکی بُو زینب بیگم سے ہوئی) اس کے ثمر ہماری اولادیں در اولادیں ملا کر اس وقت نہتر نفوس ہیں جو نواب صاحب اور ان کے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشترکہ نسل ہیں اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔۔۔۔۔"

مبارکہ فقط

خاکسار مرتب کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعائیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدے اور بشارات آپ کی اولاد کے سلسلہ میں نہ صرف پوری ہوئیں بلکہ یہ سلسلہ کئی نسلوں تک ممتد ہوتا چلا جا رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک مبارک نسل کا غیر مختتم سلسلہ جاری و ساری ہے۔

حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی وفات کے بعد مکرم

ملک صلاح الدین صاحب نے آپ کی سیرت پر مشتمل کتاب اصحاب احمد جلد دوازدہم شائع کی جس میں متعدد احباب کے بعض تاثرات بھی درج کئے گئے ہیں ان تاثرات میں سے حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کی سیرت وشمائل سے متعلق بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

حضرت خان عبدالمجید خان صاحب کپورتھلوی مرحوم سابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (یکے از ۳۱۳ رفقاء) نے رقم فرمایا:-

"...... اپنی بیگم صاحبہ کو بڑی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ اس کے نتیجہ میں انہوں نے آپ کی بیماری کے ایام میں بے حد خدمت کی۔" (الفضل ۲۸ رنومبر ۱۹۶۱ء)

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے تحریر فرمایا:-

"..... حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تو عشق تھا ہی لیکن حضرت اماں جان کے مرتبہ کو بھی بہت بڑا جانتے تھے اور آں سیدہ کی دُعاؤں کی قبولیت کے بہت قائل تھے اور آں سیدہ کی دُعاؤں کو باعث صد فخر جانتے تھے آپ شفیق باپ وفادار اور شفیق دوست اور غریبوں کے ملجا و ماویٰ تھے کسی کو ناراض دیکھنا نہیں چاہتے تھے آپ کے حسن سلوک ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کے اہل خانہ نے آپ کی تیمارداری میں اپنی جان گھلا دی۔"

(الفضل ۲۱ رستمبر ۱۹۶۱ء)

صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ابن سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رقم فرماتے ہیں :-

"بچپن سے آپ کے متعلق میرا تاثر یہ ہے کہ ہم خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے بچوں کو باوجود عمر اور رشتہ میں چھوٹا ہونے کے ہمیشہ بہت ادب سے پکارتے تھے اور بہت ہی محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اسی طرح سلوک کرتے تھے ۔ نیز ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ہم لوگ اپنے اخلاق اور اعمال میں ایک نمونہ ہوں اور خلافِ شرع اور اخلاق کوئی بات ہم سے سرزد نہ ہو چنانچہ کوئی ناپسندیدہ بات آپ دیکھ پاتے تو بلا جھجک فوراً ٹوک دیتے اور اظہار فرماتے کہ یہ بات ہمیں زیب نہیں دیتی آپ کا یہ عمل حضرت مسیح موعودؑ سے شدید محبت کے باعث تھا ۔ اور اسی وجہ سے آپ اپنے اہلِ خانہ ہماری چھوٹی پھوپھی جان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ دیکھ کر حیرت آتی تھی ۔۔۔۔"

(اصحاب احمد جلد دوازدہم صـ۱۱۳)

مکرم منشی عزیز احمد صاحب نے لکھا :-

"یتامیٰ بیکسوں غرباء اور غریب طالب علموں کی مالی مدد کرتے اقارب اور پرانے خدمت گذاروں سے حسنِ سلوک کرتے ۔ آپ بلند پایہ مہمان نواز تھے ۔ ایک دفعہ حضرت مولوی

شیر علی صاحب ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ۔ حضرت چوہدری
فتح محمد صاحب سیال وغیرہم گیارہ احباب کوٹھی دارالسلام
میں آئے آپ نے انہیں بٹھایا اور گرمی کے باعث پانی منگوایا
اندر پیغام بھجوایا کہ بارہ افراد کے لیے کھانا بھجوادیں ۔ ان
احباب کے انکار پر اصرار کرکے کھانا کھلایا ۔ دراصل تواضع میں
آپ کے اہل خانہ کا پورا تعاون آپ کو حاصل تھا ۔ اس موقع پر
میں حیران تھا کہ سارا کھانا تو تناول کرنے کے لیے جا چکا ہے
اب اتنی جلدی کھانا کیسے ملے گا لیکن کھانا جو چند منٹ پہلے
اندر بھیجا گیا تھا جوں کا توں مع اچار چٹنی ۔ مربہ ۔ دہی ۔ مکھن ۔
شکر آ گیا ۔ معلوم نہیں آپ کے اہل خانہ اور چاروں بچوں
اور خادمات وغیرہ نے کیا کھایا ہوگا ...... میں سندھ سے
آپ کی عیادت کے لیے آیا ۔ آپ نے ناشتہ منگوایا مٹھائی
وغیرہ کے ساتھ ایک پیالہ میں چائے آئی آپ احساسات کا
اتنا خیال رکھتے تھے کہ فرمایا آپ محسوس کرتے ہوں گے کہ پیالہ
میں چائے کیوں دی ہے بات یہ ہے کہ ہم قادیان سے کچھ
نہیں لا سکے ۔ یہاں صرف ایک سیٹ خریدا ہے جو خالی نہیں ۔
اس میں بیگم صاحبہ کا ناشتہ رکھا ہے ۔ وہ ساری رات میری
تیمار داری کرکے اب سو رہی ہیں ..... آپ شدید تکلیف
میں بھی اُف ہائے وغیرہ نہ کہتے فرماتے حضرت بیگم صاحبہ کو

میری تکلیف سے بھی بڑھ کر تکلیف ہوتی ہے جون یا جولائی ۱۹۶۱ء میں ایک شام آپ کو شدید پیٹ درد ہوگئی۔ آپ نے اپنے پاس مجھے ٹھہرنے کو کہا۔ ایک ایک منٹ بعد بے چینی سے آپ کروٹ لیتے کبھی ایک کبھی دوسری دوائی استعمال کرتے اور فرماتے کہ آہٹ نہ ہو مبادا بیگم صاحبہ بیدار ہو جائیں مجھے بار بار کہتے کہ سو جاؤ مجھے بھلا نیند کیسے آتی بالآخر تین بجے آپ کو نیند آئی تو میں بھی فرش پر پاس ہی سو گیا تاکہ عندالضرورت جلد بیدار ہو جاؤں۔ پھر نماز فجر کے وقت باہر چلا گیا آپ ۸ بجے کے قریب بیدار ہوئے تو خادمہ سے میرے متعلق دریافت کیا اور فرمایا وہ ساری رات جاگتے رہے ہیں اس نے کہا وہ ناشتہ کر رہے ہیں چند گھنٹے بعد مجھے بلایا اور کہا کہ میری راتیں اکثر ایسی گذرتی ہیں آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ میری زندگی کا کیا اعتبار ہے میں سچ کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں مجھے اگر زندگی کی خواہش ہے تو صرف اور صرف اس لیے ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ مہلت دے تو بقیہ زندگی بیگم صاحبہ کی خدمت کر کے ان کی خدمت کا کچھ صلہ ادا کر سکوں۔ میرے بعد انکی خدمت میں کوتاہی نہ کی جائے ...... حضرت بیگم صاحبہ نے جو آپ کی خدمت کی تھی آپ اس کے لیے بے حد شکر گذار تھے اس

کا ذکر کر کے آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ بیگم صاحبہ کے شب و روز کی خدمت اور علاج معالجہ میں جد و جہد میں کسی قسم کی کمی باوجود ڈاکٹروں کی مایوسی کے نہیں کی۔ بارہ تیرہ سال متواتر چوکسی کے ساتھ خدمت کرنا معمولی امر نہیں۔ میں نے اس پاک جوڑے میں ایک دوسرے سے تعاون۔ محبت ہمدردی۔ احترام و تکریم اور ایثار دیکھا اور باوجود اتنے قریب کے اور اس بارہ میں غور کرنے کے میں فیصلہ نہیں کر سکا دونوں میں سے کس کا پلڑا بھاری تھا۔"

(اصحاب احمد جلد دوازدہم صفحہ ۱۳۱)

مکرم رشید علی خان صاحب آف مالیر کوٹلہ نے لکھا :-

"عزیز میجر بشیر احمد خان صاحب نے بتایا کہ ایک دن مجھے کہہ رہے تھے کہ مَیں نے اپنا وجود درمیان سے بالکل ہی مٹا دیا ہے اور بیگم صاحبہ جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کی صاحبزادی ہیں ان کی وجہ سے جو کچھ میرا تھا وہ اب مٹ چکا۔ سب کچھ حضرت مسیح موعودؑ کی برکت کا ظہور ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ حقیقت ہے کہ محترمہ بھاوجہ صاحبہ نے ۱۲-۱۳ سال جس شب و روز کی جانفشانی اور وفاداری سے حضرت بھائی جان کی خدمت کی ہے اور ان کی طویل بیماری میں پروانہ وار ان پر نثار ہوتی ہیں اس کی مثال فی زمانہ ملنی دشوار ہے۔ جزاھا اللہ

احسن الجزاء:- (الفضل ۲۲/۱۰/۶۱)

محترم شیخ نور احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور تحریر فرماتے ہیں :-

" وکالت شروع کرنے کے بعد پہلی دفعہ ۱۹۵۰ء میں ایک مقدمہ کے تعلق میں حضرت میاں عبداللہ خان صاحب کی خدمت کرنے کا موقع پیدا ہوا ۔ آپ ان دنوں شدید بیمار تھے .... آپ نے اس مقدمہ کے سلسلہ میں بھی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کا نمونہ دکھایا ۔ ان دنوں خاکسار کو بہت دفعہ حاضر خدمت ہونے کا موقع ملا ۔ دن کا کوئی حصہ ہو جب بھی وہاں گیا ۔ یہی معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ آپ کی خدمت میں ہر آن موجود ہیں اور صرف وہ چند منٹ دوسرے کمرہ میں تشریف لے جاتیں جبکہ خاکسار آپ سے گفتگو کر رہا ہوتا ...... ایک کیس کے سلسلہ میں آپ کے اہل خانہ کا بیان عدالت کے مقرر کردہ اہل کمیشن کے سامنے قلمبند کرانے کی ضرورت پیش آئی اور معلوم ہوا کہ وہ سختی سے سچ بولنے پر عمل کرتی ہیں ۔ جب ان کو اشارۃً یہ کہنے کی کوشش کی گئی کہ اس طرح آپ کے کسی عزیز کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور ایسا بیان دینے میں کوئی حرج نہیں انہوں نے فرمایا کہ " خواہ میرے کسی عزیز ترین عزیز کا لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جاتے ۔ مگر میں کسی امر کے متعلق کوئی ایسا بیان دینے کو تیار نہیں کہ جس میں

ذرہ بھی شک و اشتباہ کا امکان پایا جاتے صرف وہ بات کہہ سکتی ہوں کہ جس کا مجھے ذاتی طور پر یقینی علم ہے" کچھ دنوں کے بعد حضرت میاں صاحب کو ملنے کا اتفاق ہوا۔۔۔۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر کیا کہ اس روز بیگم صاحبہ نے تو بہت سختی سے کام لیا اس پر آپ نے فرمایا۔ "اوہو آپ حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم کو اور ان کے روحانی مقام کو نہیں جانتے۔۔۔ ۔۔۔ جب سے میری وابستگی اس مقدس وجود کے ساتھ ہوئی ہے میں نے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ وہ میری WIFE ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی اور مبشر اولاد میں سے ہیں۔ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں کماحقہٗ ان کی قدر نہیں کر سکا اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں ان کا تا زندگی کامل طور پر احترام کرتا رہوں" (الفضل ۱۳-۱۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

مکرم میاں رحیم دین صاحب مرحوم (قدیمی ملازم حضرت محمد علی خان صاحب مرحوم) جنہیں ۱۹۲۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سفر یورپ میں ہمرکابی کا بھی شرف حاصل ہوا بیان کرتے ہیں کہ :۔

"آپ اپنے اہل خانہ سے بہت عزت و اکرام سے پیش آتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ میری دینی و دنیوی ترقی اسی پاک خاتون کے طفیل ہے جیسے اپنے والد بزرگوار کے باعث برکت حاصل ہوتی ہے ان کی مرضی کو ہمیشہ مقدم جانتے۔ ہم نے

کبھی باہم اختلاف نہیں دیکھا۔ کوئی بات ہوتی بھی تو آپ
خاموشی اختیار کر لیتے آپ ان کے پسند کئے ہوتے کھانے
پر خوشی کا اظہار کرتے ۔۔۔۔۔"

(اصحاب احمد جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۴)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے تحریر فرمایا :۔

"۔۔۔۔۔۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دامادی کی سعادت
کو اپنے لیے ایسا عزت و اکرام کا موجب سمجھتے تھے جیسے
ذرہ خاک کو آسمان پر کرسی نشینی مل گئی ہو اسی بناء پر حضرت
پھوپھی جان کے ساتھ نہایت ہی ادب و احترام کا سلوک کرتے
تھے گو تجارتی اور زمینداری سے متعلق امور میں خود مختار
تھے اور اپنی مرضی پر عمل پیرا ہوتے۔ مگر خانگی اور معاشرتی
امور میں حضرت پھوپھی جان کی خواہشات کا بہت زیادہ
پاس ہوتا ۔۔۔۔۔۔" (ایضاً ص ۱۵۴)

مکرم مولانا ارجمند خان صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں :۔

"۔۔۔۔ تقسیم برصغیر کے وقت میں ابھی قادیان میں
تھا اور آپ ہجرت کر کے رتن باغ لاہور میں مقیم ہو چکے
تھے ایک فوجی دوست کے خاندان کے ہمراہ ان کی جیپ
میں مجھے دوسری بیوی کے دو بچوں کو بھجوانے کا موقع
ملا ۔۔۔۔ میں نے آپ کے نام ایک رقعہ میں عرض کیا کہ ان

بچوں کو اپنی نگرانی میں رکھیں وہ زمانہ نہایت نازک تھا۔اس افراتفری میں عزیز سے عزیز رشتہ دار بھی بوجھ برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے ۔خاکسار اہل وعیال سمیت لاہور پہنچا تو بچوں نے سنایا کہ میرا رقعہ پڑھکر آپ نے ہمیں محبت کی نگاہ سے دیکھا شربت پلایا۔ اور ہر طرح سے تسلی دی اور پھر ایک خادم کے ساتھ اپنے اہل خانہ کے پاس یہ لکھ کر بھجوایا کہ بچے قادیان سے ہمارے ہاں مہمان آتے ہیں حضرت بیگم صاحبہ رقعہ پڑھ کر ہم سے نہایت شفقت سے پیش آتیں اور ہمارے ساتھ اپنے بچوں کا سا سلوک کرتیں اور اپنے ہمراہ اسی دستر خوان پر کھانا کھلاتیں اور عصر کے وقت روزانہ جب اپنے بچوں کو جیب خرچ کے لیے کچھ رقم دیتیں تو اتنی اتنی رقم ہم دونوں کو بھی عنایت فرماتی تھیں ۔۔۔۔"

(اصحاب احمد جلد ۱۲ صفہ ۱۶۰)

محترم چوہدری رشید احمد صاحب کراچی نے لکھا :۔

"۔۔۔۔آپ اپنے اہل خانہ کے مداح تھے فرماتے تھے کہ انہوں نے میری بڑی خدمت کی خواہ کتنا روپیہ خرچ کر کے خادم نرسیں رکھ لی جائیں ویسی خدمت نہیں ہوسکتی اور یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ماموں جان حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھے کہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صاحبزادی

آپ کی زوجیت میں ہے آپ کا ہر کام نیکی ہے۔۔۔"
(اصحاب احمد جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۳)

آپ کے منجھلے بیٹے شاہد احمد خان صاحب نے لکھا:۔

"جب بھی میری والدہ کا ذکر کرتے تو نہایت ادب سے ان کا ذکر کرتے اور ہمیں نصیحت کرتے کہ دیکھو اپنی امی کا بہت خیال رکھا کرو اور کہتے کہ ویسے تو ماں کے قدموں میں جنت ہوتی ہی ہے لیکن ان کے قدموں میں دو جنتیں ہیں ایک تو ماں ہونے کے لحاظ سے دوسرے موعود اولاد ہونے کی وجہ سے کیونکہ ان وجودوں پر اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کی بناء رکھی ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۱)

آپ کی بڑی صاحبزادی محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ (بیگم حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب) نے تحریر فرمایا:۔

"ایک خاوند کی حیثیت سے ابا جان کو پرکھنے پر سارے خاندان میں آپ کی محبت کو مثالی پاتی ہوں۔ محبت کے ساتھ امی جان کی بے حد عزت و احترام آپ کے دل میں تھا آپ ہمیں ہمیشہ کہتے تھے کہ خدا کا بے حد شکر کرو کہ اس نے تمہیں اتنی اچھی ماں دی ہے یہ بھی کہتے کہ میرے پر خدا نے کتنا بڑا فضل کیا ہے اور ہر وقت ہمیں تاکید تھی کہ امی جان کے لیے یہ کرو اور وہ کرو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر میرے

باپ اور دادا کے گھر میں حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹیاں بیاہ کر آئیں تو انہوں نے بھی اپنے نمونہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹیاں بن کر دکھایا۔ اگر خاوندوں کی طرف سے محبت اور عزّت اور احترام انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ تو حضور کی بیٹیوں کی طرف سے بھی ادائیگی حقوق میں بھی کمی نہیں آئی۔ امّی جان نے ابّا جان کی بیماری میں جو خدمت کی وہ سب کے لیے ایک مثال ہے ...... امی جان نے اپنے ہاتھ سے ابّا جان کے پاٹ تک اُٹھاتے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ڈاکٹروں نے ہدایت دی کہ اباجان کو جتنا پانی دُودھ وغیرہ سیّال چیزیں دی جائیں اس کا وزن لکھا جاتے اور جتنا پیشاب آتے اسے ماپ کر لکھا جاتے اب گرمیوں کے دن لمحہ لمحہ بعد پانی وغیرہ ناپنا اور پھر لکھنا اور ادھر پیشاب ناپ کر لکھنا یہ ساری محنت امی جان خود کرتی تھیں۔ لڑکیاں جو شادی شدہ تھیں وہ اپنے اپنے گھروں کو جا چکی تھیں کب تک ٹھہر سکتی تھیں سارا کام امی جان پر تھا مگر امی جان نے کبھی گھبراہٹ کا اظہار تک نہیں کیا۔ خود بھی حوصلہ رکھا اور ابّا جان کا حوصلہ بھی بڑھاتی رہیں اور کبھی بھی بیماری کے کمرہ کو ہ ا ی ے ے نہیں ہونے دیا۔

ڈاکٹر یوسف صاحب (ابّا جان کے مستقل معالج) کہتے

تھے ہم ڈاکٹر آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ آج تک کسی مریض کا ایسا علاج نہیں ہوا اور نہ کسی مریض کی کبھی ایسی نرسنگ ہوتی ہے۔ اگر آپ دو نرسیں رکھ لیتے تو بھی آپ کو ایسی نرسنگ نہیں مل سکتی تھی۔ اتنا صاف اور باقاعدگی کا کام تھا کہ یوں لگتا تھا۔ جیسے کوئی ٹرینڈ نرس کر رہی ہے بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر۔ بیماریوں کے دوران کئی دفعہ ابا جان کو ہسپتال داخل ہونا پڑا وہاں بھی امی جان کو نرس کا کام پسند نہ آتا تھا اور ڈاکٹر سے اجازت لے کر دوائیاں وغیرہ سب کچھ اپنے ذمہ لے لیتی تھیں ہزارہا روپیہ ہر مہینے علاج پر پانی کی طرح خرچ ہوتا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی امی جان کے دل میں یہ انقباض نہیں ہوا۔ کہ یہ خرچ نہ کریں۔ اور ساتھ ہی اتنا ہی صدقہ و خیرات۔ گھر کے باقی سب خرچ کاٹ دیئے گئے تھے۔ میری چھوٹی بہن فوزیہ سات سال کی تھی اب بڑی ہو کر اس نے بتایا کہ گڑیا لینے کو میرا دل بہت چاہتا تھا۔ مگر میں امی کو نہیں کہتی تھی۔ امی جان کو سُن کر بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے ولایت سے پورے بچے کے قد کی گڑیا اب منگوا کر دی۔ مگر اس وقت سب سے مقدم ابا جان کی ذات تھی۔

پانچ سال کے بعد پہلی دفعہ ڈاکٹر نے ابا جان کو دو قدم

چلایا پہیہ دار کرسی (WHEELED CHAIR) پر
باہر اندر جانے کی غسل خانے تک جانے کی اجازت مل گئی
اس پانچ سال کے عرصہ میں امی جان نے نہیں دیکھا کہ گھر میں
کیا سامان ہے کیا نہیں کسی تقریب میں شرکت نہیں کی کسی
محفل میں نہیں بیٹھیں۔ غالباً اباجان کی بیماری کو چار ساڑھے
چار سال ہوتے ہوں گے کہ لاہور میں کوئی شادی کی تقریب
تھی۔ اباجان نے امی جان کو مجبور کیا کہ آپ اتنے عرصہ سے
نہیں نکلیں ضرور ہو آئیں اس وقت خیال آیا کہ امی جان نے
اس عرصہ میں اپنے کپڑوں تک کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔ جو
پہلے تھے وہ اس عرصہ میں پہن لیے۔ اس وقت میری بہن
شاہدہ کو اباجان نے حکم دیا کہ ابھی جاؤ اور اپنی امی کے لیے
اتنے جوڑے خرید کر لاؤ۔ غرضیکہ قربانی کی انتہا تھی جو امی
جان نے کی۔

اباجان کو ہر وقت اس بات کا احساس ہوتا تھا اور دُعا
کرتے تھے کہ جلدی صحت یاب ہوں تاکہ امی جان کا جو
خود بہت کمزور صحت میں تھیں۔ بوجھ ہلکا ہو آخری بیماری
میں معائنہ (چیک اپ) کرانے کے لیے تین دن کے لیے
گنگا رام ہسپتال میں داخل ہوتے یہ غالباً وفات سے
ایک مہینہ قبل کی بات ہے وہاں جب ڈاکٹر نے اباجان کو

دیکھا اس کا توجہ سے معائنہ کرنا ابا جان کو پسند آیا اور مجھے
اپنے پاس بلا کر کہا دیکھو طیبہ ! تمہاری امی کی صحت مجھ سے
زیادہ خراب ہے اور وہ اپنا علاج نہیں کرواتیں ۔میرا معائنہ
ہو جائے تو تین دن اپنی امی کو اس کمرے میں رکھ کران کا بھی
چیک اپ کرواؤ ۔ امی جان کو اکثر سر درد کا دورہ ہوتا تھا اور
وہ اکثر صبح کے آخری حصہ سے شروع ہو کر ۔بعض دفعہ چوبیس
گھنٹے تک رہتا تھا ۔ دورہ سے سارے اہل خانہ گھبرا جاتے ۔
گھر میں بالکل خاموشی طاری ہوتی ۔ ابا جان کی تاکید ہوتی تھی
کہ کوئی شور نہ ڈالے دروازے نہ بجیں کمرے میں جانے
کی کسی کو اجازت نہ ہوتی ۔ سوائے اس کے جو سر دبا رہی ہوتی
ابا جان چائے بنوا کر تیار رکھواتے تھے کہ شاید امی مانگ
لیں کیونکہ امی جان کو ساتھ الٹیاں آتی تھیں اور وہ کچھ نہیں
کھاتی تھیں اس لیے احتیاطاً کہ جب طبیعت ذرا ٹھیک
ہو اور وہ کوئی ایسی چیز مانگیں جو گھر میں نہ ہو ۔ کار شہر بھجوا
کر ہر قسم کی چیزیں منگوا کر رکھتے تھے کہ شاید کسی چیز کی امی
کو خواہش ہو تو کھا سکیں ۔ خالہ جان نواب مبارکہ بیگم صاحبہ
نے ایک بار ابا جان سے کہا کہ دیکھو اب تمہاری بیٹیاں بھی
اپنے خاوندوں سے یہی توقع رکھیں گی ۔ تو ابا جان نے کہا
خدا ان کو بھی اچھے ہی دیگا ۔ خدا تعالیٰ نے ابا جان کی حسن ظنّی

کو ضائع نہیں کیا۔۔۔۔۔۔ تقسیم ملک کے بعد حالات سب کے
خراب تھے۔ بستر بھی ناکافی تھے ایک رضائی میں دو دو تین تین
مل کر سوتے تھے۔ میری ایک بہن نے امّی جان سے لحاف منگوایا
کہ اگر کوئی فالتو ہو تو بھیج دیں ہمارے لحاف روئی بھر کر آ
جائیں گے تو بھجوا دیں گے (حالانکہ ابھی بھرنے نہیں گئے تھے)
امّی جان کے پاس بھی بستر ناکافی تھے انہوں نے دو کمبل بھجوا
دیئے۔ دو مہینے کے بعد اچانک رات کو کسی مہمان کی آمد سے
ضرورت ہونے پر امی جان نے اس خیال سے کہ لحاف تیار
ہو چکے ہونگے کمبل منگوا لیے صبح کو ابا جان نے امی جان کو
کہا میں تو رات سو نہیں سکا۔ لڑکی کو کہیں ضرورت نہ ہو جب
شام کو میری بہن آئی تو ابا جان نے فرمایا مجھے رات سخت
تکلیف رہی تمہیں کمبلوں کی ضرورت ہو گی اور تم نے ہمارے
منگوانے پر بھجوا دیئے۔ اس نے غیرت کی وجہ سے بتایا نہیں
اور یہی کہا کہ نہیں ہمیں تو اب ضرورت نہیں تھی مگر ابا جان نہ
مانے انہوں نے فرمایا کہ نہیں ضرورت تب بھی تم ساتھ لے
جاؤ۔ آخر مجھے اتنی تکلیف کیوں ہوئی اور واقعہ یہ ہے کہ
اس رات وہ لوگ جو بھی کوئی چادر پلنگ پوش اور کھیس تھے
وہ لپیٹ کر لیٹے اور ساری رات سردی کی وجہ سے سو نہیں
سکے۔ کئی سال کے بعد جب حالات ٹھیک ہو گئے۔ تو اس نے

یہ واقعہ بتایا امّی اور ابّا جان کو بہت رنج ہوا۔۔۔۔طبیعت روز بروز گر رہی تھی آخر وہ دن بھی آ پہنچا جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وفات سے ایک روز پہلے امی جان کو شدید سر درد کا دورہ تھا وہیں کمرے میں ایک چارپائی پر مُنہ سر لپیٹے پڑی رہیں دوپہر کے وقت ابّا جان نے جسم میں درد اور سخت سردی لگنے کی شکایت کی اوپر کپڑے وغیرہ اوڑھاتے اور دبلتے رہے شام کو تھرمامیٹر لگایا تو ٹمپریچر ۱۰۶ تک تھا سر پر برف رکھی گئی۔ نمک اور گھی سے پنڈلیاں سوتی گئیں۔ دوائیاں تو مل ہی رہی تھیں. بخار کچھ کمی پر آگیا۔ مغرب کے قریب امّی جان کا سر درد کچھ کم ہوا۔ اُٹھ کر ابا جان کے پلنگ کے پاس آئیں ابا جان نے نہایت محبّت سے ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ "بیگم اب طبیعت کیسی ہے"۔ سب مغرب کی نماز پڑھنے چلے گئے۔ امی جان نے بھی نماز شروع کر دی تھوڑی دیر کے بعد ہی میری بہن شاہدہ بھاگتی ہوئی آئی کہ جلدی چلو۔ ابّا جان کی طبیعت ایک دم خراب ہو گئی ہے سب کمرے میں جمع ہو گئے بھائی منور احمد بلڈ پریشر دیکھ رہے تھے۔ ۱۹۴۸ء والے دَورے جیسی حالت ہو گئی۔ فوراً ڈاکٹر یوسف صاحب کو بُلایا گیا وہ اتنے سالوں کے معالج تھے حالت دیکھتے ہی سمجھ گئے۔ ان کی طبیعت پر بے حد اثر تھا۔ بلڈ پریشر دیکھا

اُور PATHIDIN کا انجکشن لگا کر چلے گئے کہ اس سے ان کو غنودگی رہے گی اُور تکلیف کا احساس کم ہو جائے گا۔ ابا جان کو اپنی تکلیف کا احساس ہو گیا تھا امی جان کو کہا "بیگم! آج رات آپ میرے پاس سے نہ اُٹھنا" دن بھر کے سر درد کے دورے سے خستہ حال ہونے کے باوجود پھر بھی امّی جان جو پلنگ کے ساتھ کُرسی لگا کر بیٹھی ہیں تو سوائے نماز یا غسل خانے جانے کے نہیں اُٹھیں سب نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے کمر سیدھی کریں۔ مگر ابا جان کے فرمان کے مطابق وہ نہ اُٹھیں۔ تمام رات کبھی پسینے پونچھتی جاتیں اور کبھی کوئی دوائی وغیرہ پلا دیتیں ڈاکٹر صاحب کہہ گئے تھے ساری رات آکسیجن دینی ہے بالکل بند نہ کی جائے تمام رات عزیزم عباس احمد اور دوسرے بہن بھائی آکسیجن دیتے رہے پسینے آتے جا رہے تھے تھوڑی تھوڑی دیر بعد جسم پسینوں سے تر ہو جاتا تھا۔ غنودگی کی کیفیت تھی مگر ہوش و حواس قائم تھے۔ ایک دفعہ مجھے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ اور ایک دفعہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی بھی آواز آئی۔ ---- یہ رات بھی عجیب رات تھی ہر طرف اس قدر خاموشی اور اُداسی چھا رہی تھی یوں لگتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی کا سہاگ چھنتے ہوتے آج فرشتوں

کو بھی دُکھ ہو رہا ہے ۔ پام ویو کی نچلی منزل کے وسیع کمرے
کی تمام تیز روشنیاں بُجھا دی گئی تھیں اور پہلوؤں کے
دیوار سے لگی ہوئیں نائٹ لائٹیں جل رہی تھیں جن سے
کمرے میں مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ایک نہایت ہی
عزیز ترین مریض لوہے کے اونچے بیماروں والے پلنگ پر
لیٹا ہوا نہایت تکلیف سے کھینچ کھینچ کر سانس لے رہا تھا
میری امی جان ان کے سرہانے کی طرف چہرے کے بالکل
قریب پلنگ کے ساتھ کُرسی جوڑ کر نہایت ہی صبر اور
استقلال کے ساتھ سیدھی بیٹھی ہوئی بار بار پسینے پونچھ
رہی تھیں کوئی آکسیجن دے رہا تھا کوئی جسم کا پسینہ کپڑوں سے
آہستہ آہستہ خشک کر رہا تھا ۔ سب بچے اِر دگرد جمع
تھے اور ہم بہن بھائیوں کو یہ خیال نہیں تھا کہ آپ کا آخری
وقت اتنا قریب ہے صرف امی جان اس بات کو سمجھ رہی
تھیں ۔ صبح کی اذان ہوئی سب نے نمازیں پڑھیں یوں
معلوم ہوتا تھا کہ وقت کو پَر لگے ہوتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ
تکلیف کا وقت جلدی نہیں گذرتا ، لیکن یہاں کچھ اور
ہی معاملہ تھا ۔ وہی غنودگی کی کیفیت بدستور جاری رہی
مگر باہوش ۔ آنکھیں بند تھیں کھینچ کھینچ کر سانس آ رہی
تھی ۔۔۔۔۔ بھائی داؤد احمد صاحب نے سورۃ یٰسٓ اور

سورۃ رحمان سنانی شروع کی تو کچھ دیر بعد وہ آنکھیں ہمیشہ
کے لیے بند ہوگئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔۔۔۔
مَیں اپنی امی جان کی حاضر دماغی پر آج تک حیران ہوں اباجان
کی وفات سے قریباً ایک گھنٹہ قبل مجھے امی جان نے سو سو
روپے کے کئی نوٹ دیئے اور کہا کہ داؤد احمد یا عباس احمد
کو ضرورت ہوگی تو دے دینا۔ مَیں اس وقت حیران ہوئی
کہ امی جان یہ کیوں دے رہی ہیں ابھی ایسی کیا چیز آنی ہے
مگر بعد میں سمجھ گئی کہ یہ رقم انہوں نے کیوں دی تھی۔ ان کی
غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے سرتاج کے آخری فرض کی
ادائیگی میں کوئی اور شریک ہو۔۔۔۔"

(اصحابِ احمد جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۰)

آپ کی صاحبزادی طاہرہ صدیقہ صاحبہ (بیگم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب)
نے لکھا:۔

۔۔۔۔۔جس جانفشانی اور محنت سے امی جان نے اباجان
کی خدمت کی وہ ایک مثال ہے ہر وقت اباجان کے ہر کام
کے لیے آمادہ۔ دن رات اباجان کی نگہداشت ہر کام اباجان
کا اپنے ہاتھ سے کرنا دوپہر کا کھانا پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔
تین تین چار چار بج رہے ہیں اور امی اسی طرح بھوکی کام میں
مصروف ہیں بڑی مشکل سے اور زور دینے سے کھڑے کھڑے

دو چار نوالے منہ میں ڈالتیں اور پھر ابا جان کی پٹی کے ساتھ لگ جاتیں چار یا پانچ مہینے تو امی جان نے نیند بھی پوری نہیں لی۔کبھی ۱۰ - ۱۵ منٹ کے لیے آنکھ جھپک جاتی اور پھر آکر ابا جان کی پشت کو دبانے لگ جاتیں۔ رات کے گیارہ بارہ تو روزانہ ہی جاگتے میں بج جاتے تھے پھر جب امی جان کو تسلی ہو جاتی کہ ابا جان سو چکے ہیں تو ایک چھوٹا سا سٹول ابا جان کی چارپائی کے ساتھ ملا لیتیں جو کہ اتنا پتلا اور لمبائی میں اتنا چھوٹا ہوتا تھا کہ اس پر امی تو کیا ایک دس سال کا بچہ بھی نہیں سو سکتا تھا اور امی اس پر ٹیڑھی ہو کر اس حالت میں لیٹ جاتی تھیں کہ سر اور شانے ابا جان کے پلنگ کی پٹی پر اور ہاتھ ابا جان پر ہوتا۔ مبادا ابا جان تکان کی وجہ سے جاگیں تو امی کی آنکھ نہ کھلے ۔۔۔۔"

(اصحاب احمد جلد ۱۲)

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی جماعتی سرگرمیوں سے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں اور وہ ویسے بھی نام و نمود کی خواہاں کبھی بھی نہ رہیں اور نیکی کے کاموں میں بالعموم اخفا ان کی عادت تھی۔ اسی طرح مالی قربانیوں۔ صدقہ و خیرات کا بھی یہی معاملہ تھا، لیکن مالی

تحریکات میں سیدہ موصوفہ نے بفضلہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اور جب بھی کوئی مالی تحریک ہوئی انہوں نے انفرادی طور پر بھی اور اپنے ذی وقار شوہر کی معیت میں بھی شاندار نمونہ پیش کیا۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ تحریک جدید کا چندہ وعدہ کے ساتھ ہی ادا کر دیتی تھیں۔ نہ صرف اپنا بلکہ اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں تک کا بھی حتّٰی کہ اپنی ایک خادمہ محمد بی بی صاحبہ کا چندہ بھی آپ اپنی طرف سے ادا کرتی رہیں۔ پانچ ہزاری مجاہدین میں بلحاظ ادائیگی السابقون الاولون میں شامل ہیں گو حضرت سیدہ موصوفہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد (مندرجہ رسالہ الوصیت صفحہ ۲۹) کے مطابق نظام وصیت سے مستثنٰی تھیں (جس میں حضور نے فرمایا "میری نسبت اور میرے اہل وعیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے") لیکن اس کے باوجود آپ چندۂ عام اور حصّہ جائیداد ادا فرماتی رہیں۔ جیسا کہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے رقم فرمایا:۔

"...... میری بیوی کی قادیان میں اراضیات کافی ہیں وہ فروخت ہوتی ہیں اور ان کا روپیہ آتا ہے اور اسی روپیہ سے ہمارا گذارہ کئی سال سے ہوتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ دراصل سندھ کی اراضیات کا لین دین میری بیوی کے روپیہ سے ہی ہوا ہے میں نے صرف اس غرض سے اپنے نام پر اراضیات کو کیا ہے کہ وصیت کا روپیہ میرے نام سے نکلتا

رہے ۔۔۔۔ حقیقت میں مجھے اس اُمد پر بھی چندہ نہیں دینا چاہیئے تھا ۔کیونکہ یہ آمد بھی میری بیوی کی ہی تھی ۔میں نے ایک مضمون پچھلے دنوں الحکم میں لکھا تھا اس میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ یہ کام دراصل میرا نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کا ہے ، لیکن اس انعام کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے میرے پر کیا ہوا ہے میں چاہتا ہوں کہ جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ رقم اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمارے گھر سے نکل جائے اسی قدر بہتر ہے ۔ چنانچہ میری والدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی ۱/۱۰ ہی چندہ ادا کرتی ہیں (حالانکہ وہ نظامِ وصیت سے مستثنیٰ ہیں ۔ مرتب) وصیت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوسرے چندوں کو ملا کر آمد کا کم از کم ۱/۳ حصہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جا رہا ہے ۔۔۔۔"

(اصحاب احمد جلد ۱۲ صفحہ ۷۶)

دیگر چندہ جات کی ادائیگی کا مجملاً ذکر کیا جاتا ہے دراصل انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس میں اخفا کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے اس کارِ خیر سے دوسرے واقف ہوں ان کا یہ معاملہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اسی لیے حضرت سیدہ موصوفہ کے انفاق فی سبیل اللہ کا صرف وہ ریکارڈ

ہی سامنے آسکا ہے جس کا اظہار جماعتی تنظیم کی وجہ سے ناگزیر تھا۔ اور اسے صرف ایک جھلک کہہ سکتے ہیں یا مُشتے نمونہ از خروارے۔

مندرجہ ذیل تفصیل میں ایسے چندے شامل نہیں جو حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے ادا فرمائے۔ لیکن ان میں بھی حضرت سیّدہ موصوفہ شامل تھیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ الدَّالُ علی الخیر کفاعلہٖ کے تحت حضرت سیّدہ موصوفہ ہی کی وجہ سے حضرت نواب صاحب مرحوم و مغفور مسابقت فی الخیرات کا مورد رہے اور ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر نہ صرف خود حصہ لیا بلکہ اپنی زوجۂ محترمہ اور اپنے بچوں کو بھی شامل رکھا اور اس سلسلہ میں آپ دوسروں کو بھی تحریص و ترغیب دلاتے رہے اور باوجود گوناگوں مصروفیات کے بعض تحریکات میں گرانقدر چندہ جمع کر کے دیا۔

انسانی زندگی میں عُسر و یسر کا سلسلہ چلتا رہتا ہے بسا اوقات انسان پر فراخی اور کشائش کا دَور آتا ہے اور کبھی تنگی تُرشی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے لیکن تنگی ترشی کے دَور میں انفاق فی سبیل اللہ میں کمی نہ آنے دینا اور خود تکلیف اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بڑے دل گردہ کا کام ہے اور انہی مردانِ خدا کا شیوہ ہے جن کا یہ نعرہ ہو کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دینے کے باوجود وہ یہی کہہ رہے ہوں کہ

ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ حضرت سیدہ موصوفہ عمر بھر انفاق فی سبیل اللہ کے اعتبار سے بھی باوجود اس کے کہ نظام وصیت کا چندہ ان پر واجب نہ تھا وہ حصہ آمد و جائیداد ادا کرتی رہیں بلکہ دیگر مدات میں بھی بھرپور حصہ لیتی رہیں۔

تاریخوں کی ترتیب سے صرف نظر کرتے ہوتے چندوں کی ادائیگی اور مختلف مالی قربانیوں میں آپ کی شمولیت کا سرسری جائزہ درج ذیل ہے۔

چندہ برائے زنانہ وارڈ نور ہسپتال قادیان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(الفضل ۱۹۲۱/۱۱/۳)

چندہ برائے انسداد ارتداد علاقہ ملکانہ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء)

چندہ برائے بیت الذکر لندن ۳۰۰ روپے (الحکم ۱۹۲۳/۲/۲۱)

چندہ توسیع بہشتی مقبرہ قادیان (الفضل ۲۷/۶/۱۰)

ریزرو فنڈ تحریک میں شمولیت (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء)

چندہ برائے تعمیر بیت الذکر دارالفضل قادیان (الفضل ۱۹۳۱/۱/۲۷)

چندہ برائے توسیع اشاعت رسالہ ریویو آف ریلیجنز

(رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۶-۱۹۳۵ء)

تعمیر عمارت دفاتر مجلس خدام الاحمدیہ قادیان (الحکم ۷-۱۴ مئی ۱۹۴۲ء)

برائے تعلیم الاسلام کالج قادیان (الفضل ۴۴/۵/۱۲)

وقف جائیداد کی تحریک میں ۲۲ گھماؤں اراضی وقف کی ۱۹۴۴ء

(تاریخ لجنہ جلد اول ص ۵۴۸)

امانت دارالشیوخ قادیان (غرباء و مساکین کا ادارہ (الفضل ۱۹۴۷/۲/۲۷)

چندہ تعمیر بیت الذکر جرمنی (الفضل ۵/۸/۱۹۵۶)

عالمگیر احمدی خواتین کے ماہنامہ مصباح کے دس سالہ اعانت فنڈ میں شمولیت

(تاریخ لجنہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰)

صدقہ برائے لنگر خانہ (الفضل ۱۳/۲/۶۲)

چندہ تعمیر بیت الذکر زیورک (سوئٹزرلینڈ)

چندہ تعمیر بیت الذکر فرینکفورٹ (جرمنی)

لجنہ اماء اللہ کے قیام پر ۵۰ سال پورے ہونے پر ۱۹۷۲ء میں اشاعت قرآن کریم کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں لجنہ اماء اللہ کی طرف سے پیش کی گئی۔ اس سلسلہ میں تحریک پر لجنہ اماء اللہ نے اس مد میں تین لاکھ روپیہ سے زائد رقم جمع کی۔ اس چندہ تحریکِ خاص میں حضرت سیدہ موصوفہ نے دو ہزار روپے چندہ دیا۔

(تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد ۴ صفحہ ۵۳۹)

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی قربانیاں

جس طرح دوسری احمدی جماعتوں نے تحریک جدید کے چندہ اور دوسرے مطالبات کی تکمیل میں سب سے عمدہ نمونہ دکھایا اسی طرح قادیان کی جماعت میں سے حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان تحریکِ جدید کی قربانیوں میں بالکل ممتاز اور منفرد تھا۔ چنانچہ حضرت اماں جان۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

اور صاجزادی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے افراد نے قربانیوں کی قابلِ رشک یادگار قائم کی۔

(تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۴۵)

(تحریک جدید کے چندہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین)

تعلیم

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی تعلیم کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ تاہم تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد سوم صفحہ ۶۰۸ پر محترمہ استانی سکینۃ النسآء صاحبہ (اہلیہ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل) کی وفات پر مرقوم ہے کہ آپ کو حضرت سیدہ موصوفہ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو بچپن میں ابتدائی جماعتوں کی پڑھائی اور لکھائی سکھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسی طرح حضرت سیدہ موصوفہ کے ختم قرآن پر ۳ر جولائی ۱۹۱۱ء کو آمین ہوئی جس پر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی) نے احباب قادیان کی ایک شاندار دعوت کی اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے بھی سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی ایک پرانی خواہش کے مطابق نظم کہی جس میں یہ مصرعہ بار بار آتا تھا ؎

فسبحان الذی اوفی الاماني

اخبار بدر نے اس تقریب پر لکھا "ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس

خاندان ۔۔۔۔ میں قرآن مجید سمجھنے والے اور پھر اس کے مبلغ پیدا کرتا رہے اور وہ دُنیا کے لیے ہادی رہنما و پیشوا بنیں۔

(بدر ۶ جولائی ۱۹۱۱ء ۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۰۴)

امۃ الحفیظ کی آمین

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے حضرت صاحبزادی سیّدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کے ختم قرآن مجید پر تقریب آمین کے موقع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے مطابق نظم لکھی۔ قرآن مجید کی شان اور فضیلت کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے آمین میں لکھا ؎

حفیظہ جو میری چھوٹی بہن ہے ۔۔۔ نہ اب تک وہ ہوئی تھی اس میں رنگیں
ہوئی جب ہفت سالہ تو خدا نے ۔۔۔ پہنایا اس کو بھی یہ تاجِ زرّیں
کلام اللہ سب اس کو پڑھایا ۔۔۔ بنایا گلشنِ قرآں کا گلچیں
زباں نے اس کی پائی پڑھ کے برکت ۔۔۔ ہوئیں آنکھیں بھی اس سے نور آگیں
ہوئے چھوٹے بڑے ہیں آج شاداں ۔۔۔ نظر آتا نہیں کوئی بھی غمگیں

خدا نے ہم کو دی ہے کامرانی
فسبحان الذی اوفی الامانی

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۱۰۳)

(مکمل آمین کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الحکم ۷ ۔ ۱۴ جولائی ۱۹۱۱ء

نیز کلام محمود)

اسی طرح روزنامہ الفضل مورخہ ۱۲ر مئی ۱۹۳۱ء میں مرقوم ہے کہ احمدیہ گرلز ہائی سکول قادیان کی طرف سے سات طالبات نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اتنی تعداد میں یہ امتحان پاس کیا گیا فہرست میں تیسرے نمبر کے تحت حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم۔ کا نام نامی درج ہے اور یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ انہوں نے یہ امتحان صرف انگریزی میں پاس کیا اس سے قبل آپ ادیب کا امتحان پاس کر چکی تھیں میٹرک کے بعد آپ نے ایف اے کا امتحان بھی پاس کیا۔

دینی مساعی

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ جماعتی مساعی میں حتی المقدور حصہ لیتی رہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء میں تجویز پیش ہوئی کہ خلافت جوبلی کے موقع پر لوائے احمدیت تیار کیا جائے اس کی منظوری عطا فرماتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا:۔

> "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء سے پیسہ پیسہ دھیلہ دھیلہ کر کے مخصوص (رفقاء) سے ایک مختصر سی رقم لے کر اس سے روئی خریدی جائے اور رفیقات کو دی جائے کہ وہ اس کو کاتیں اور اس سوت سے رفقاء درزی کپڑا تیار کریں"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء)

چنانچہ لوائے احمدیت کی تیاری کے سلسلہ میں سوت کاتنے والی رفیقات کی فہرست میں تیسرے نمبر پر حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا نام نامی درج ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۵۸۵)

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۴۳۳ ۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء)

جلسہ سالانہ خواتین ۱۹۴۰ء کے دوسرے دن کی صدارت فرمائی۔

(الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۴۱ء)

جلسہ سالانہ خواتین ۲۷ دسمبر ۱۹۴۴ء کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۵۸۵)

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے شعبہ تعلیم کے زیر اہتمام ایک انعامی مقابلہ زیر عنوان "بہترین اسلامی خلق" کروایا گیا یہ مقابلہ حضرت سیّدہ موصوفہ کی صدارت میں ۱۵ جون ۱۹۴۵ء کو ہوا۔ (تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۵۷۴)

جلسہ سالانہ خواتین ۱۹۵۷ء کے پہلے دن ۲۶ دسمبر کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ (تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۴۹۴)

عہدیداران مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ۱۹۶۶ء کے اسمائے گرامی کے اعلان میں مرقوم ہے۔ اعزازی ممبر۔ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی اور سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی ربوہ میں مستقل قیام فرمانے کے لیے تشریف لے آئیں چنانچہ ان کو اور محترمہ بیگم صاحبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو مجلس عاملہ مرکزیہ کا اعزازی ممبر بنایا گیا۔

(رجسٹر کارروائی صفحہ ۲۴۸)

آپ سب اجلاسات میں شمولیت فرمائیں اور عہدیداران لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کو اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازتیں۔

(مصباح جون ۱۹۶۶ء تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۳۵۹)

لجنہ اماء اللہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۹۶۶ء کے موقع پر حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے تمام مقابلہ جات میں اول دوم اور سوم آنے والی ناصرات اور ممبرات لجنہ اماء اللہ میں اپنے دستِ مبارک سے انعامات تقسیم فرمائے آخر میں حضرت سیدہ موصوفہ نے دُعا کروائی۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۴۱۳۔ رپورٹ کارگذاری ۱۹۶۶-۶۵ء)

تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۴۳۴ میں لوائے احمدیت کی تیاری میں ایک بار پھر رفیقات کا حصہ کے تحت بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۳ر دسمبر ۱۹۶۶ء مرقوم ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ نے لوائے احمدیت سینے کے لیے وہ کپڑا بھجوایا (جس کے لیے کپاس رفقاء حضرت مسیح موعودؑ نے بوئی تھی اور جس کو سینے کی سعادت حضور کی رفیقات کو حاصل ہوئی تھی) تاکہ رفیقات سے سلوایا جائے چنانچہ ربوہ میں موجود رفیقات کو یہ شرف حاصل ہوا۔ کام کے اختتام پر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے ظہرانہ کا انتظام کیا۔ رفیقات کی فہرست کل بیس ناموں پر مشتمل ہے جس میں دوسرا نام حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ہے۔

صدر لجنہ اماء اللہ لائل پور (حال فیصل آباد) کے انتخاب کے سلسلہ میں حضرت صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ سیدہ ام متین صاحبہ کی ہمراہی میں حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ۔ صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ اور امۃ العزیز ادریس

صاحبہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو لائل پور تشریف لے گئیں۔

(الفضل ۱۸ر اپریل ۱۹۷۰ء)

۱۹ر فروری ۱۹۷۱ء کو لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی طرف سے مبلغین کرام کی بیگمات کو عصرانہ دیا گیا۔ اس تقریب میں ممبرات مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے علاوہ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ صاحبہ نے بھی شمولیت فرمائی۔ (الفضل ۲ر مارچ ۱۹۷۱ء)

فضل عمر تعلیم القرآن کلاس ۱۹۷۲ء کے سلسلہ میں ۱۳ر اگست کی شام کو الوداعی تقریب کا اہتمام صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی زیر نگرانی دفتر لجنہ اماء اللہ کے لان میں ہوا جس میں حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے شمولیت فرمائی آپ کی زیر صدارت اس تقریب کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن کریم اور نظم کے بعد صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے ان سترہ لڑکیوں کا تعارف حضرت سیدہ موصوفہ سے کرایا جن کو خدا تعالیٰ نے چھ سال لگاتار پہلا دَور ختم کرنے کی سعادت عطا کی تھی ان کو صدر تقریب حضرت سیّدہ نے شرفِ مصافحہ بخشا۔

(الفضل ۲۶ر اگست ۱۹۷۲ء)

لجنہ اماء اللہ راولپنڈی کے انتخاب میں حضرت سیّدہ نے شمولیت فرمائی جبکہ آپ وہاں قیام فرما تھیں آپ کی زیر صدارت یہ انتخاب عمل میں آیا۔

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۱۲۹)

جلسہ سالانہ مستورات منعقدہ ۱۹۷۷ء کے پہلے دن ۲۶ر دسمبر کے اجلاس کی صدارت فرمائی (تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۶۰۹)

بابرکت نام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۰ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

"ہماری جماعت میں لڑکیوں کے نام کی نسبت ایک غلط فہمی ہو رہی ہے جو مشرکانہ ہے اور جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے...... ہماری ایک بہن کا نام مبارکہ ہے اور ایک کا نام امۃ الحفیظ ایک بہن جو چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو گئی تھی اس کا نام عصمت تھا اسی طرح ایک دوسری بہن کہ وہ بھی چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو گئی تھی اس کا نام شوکت تھا گویا ماسوائے ایک بہن کے کسی کے نام میں خدا تعالیٰ کا نام نہیں آتا۔ ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام سے وابستگی کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لڑکوں کے نام میں احمد کا نام آتا ہے خدا تعالےٰ کا نہیں آتا۔ پس مجھے بُرا لگا کہ خدا تعالیٰ کا نام ہمارے خاندان کے ناموں میں سے جاتا رہا ہے چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ لڑکیوں کے نام میں امۃ کے نام پر رکھا کروں گا۔ تاکہ خدا تعالیٰ کا نام ہمارے گھروں میں قائم رہے۔..."

(الفضل ۱۶ر مارچ ۱۹۵۱ء)

☆

ایک روایت

"میری ہمشیرہ امۃ الحفیظ بالکل چھوٹی سی تھیں کسی جاہل خادم سے ایک گالی سیکھ لی اور توتلی زبان میں حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے کسی کو دی۔ آپ نے بہت خفگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس چھوٹی عمر میں جو الفاظ زبان پر چڑھ جاتے ہیں وہ دماغ میں محفوظ بھی رہ جاتے ہیں اور بعض دفعہ انسان کی زبان پر مرتے وقت جاری ہو جاتے ہیں۔ بچے کو فضول بات ہرگز نہیں سکھانی چاہیئے۔"

(تقریر ذکر حبیب جلسہ سالانہ مستورات از حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ۔ الفضل ۲۳ر جنوری ۱۹۷۴ء صد ۳)

میاں عباس احمد خان صاحب کا ذکر خیر

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اپنی کتاب سیرۃ اماں جان حصہ دوم میں تحریر فرمایا کہ :-

" صاحبزادہ عباس احمد خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سریگوبندپور میں تبلیغ کے لیے گئے ہوتے تھے ان کا ہیڈکوارٹر ماڑی بچیاں نامی گاؤں تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ یہ امیر ابن امیر کا نونہال جو نازونعمت کے گہوارے میں پرورش پاتے ہوتے تھا۔ دھوپ

کی بھی پروا نہ کرتا ہوا۔ گاؤں گاؤں شوقِ تبلیغ میں پھرتا تھا۔ اور کبھی اگر کھانا نہ ملا تو صرف چنے چبا کر گذارہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ بات ایک ایسے گھرانے کے نونہال میں جو ہمیشہ متنعمانہ زندگی بسر کرنے کا عادی ہو نہیں پیدا ہو سکتی جب تک وہ خاندان خصوصاً والدین ایک پاکیزہ زندگی گذارنے کے عادی نہ ہوں۔ میاں عباس احمد کا یہ جذبہ اور یہ شوق خان محمد عبداللہ خان صاحب اور صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم کی اپنی ذاتی پاکیزگی اور دینداری کا نتیجہ ہے۔"

(سیرۃ اماں جان حصہ دوم صفحہ ۴۹۔ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۵۰۳)

بعض یادداشتیں

۶ر دسمبر ۱۹۳۸ء نکاح صاحبزادی طیبہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب بہمراہ مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ابن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی۔

رخصتانہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء بعد نماز عصر کوٹھی دارالسلام قادیان

(الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء۔ تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۵۴۷)

۲۷ر دسمبر ۱۹۳۹ء نکاح صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب بہمراہ مکرم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۔/۱۱۰۰ روپے مہر (بیت الذکر نور میں)

۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء نکاح صاحبزادی ذکیہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب

محمد عبداللہ خان صاحب بہمراہ مکرم صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (مہر ۵۰۰۰ روپے)

(تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۶۱۸)

صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ ۲۸؍مارچ ۱۹۴۲ء بعد نماز عصر کوٹھی دارالسلام قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جو پہلے سے رونق افروز تھے دولہا کو ہار پہنایا اور مجمع سمیت دُعا کی (الفضل یکم اپریل ۱۹۴۲ء) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ۳۰؍مارچ کو دعوتِ ولیمہ دی۔

(تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۳۸۷)

رخصتانہ صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ ۷ مئی ۱۹۴۲ء بعد نماز عصر کوٹھی دارالسلام قادیان۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اجتماعی دُعا کرائی۔

(الفضل ۹؍مئی ۱۹۴۲ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے ۹؍مئی کو دعوتِ ولیمہ اپنی کوٹھی میں دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی شرکت فرمائی۔

(تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۳۸۷)

ایک یادگار واقعہ

تاریخ احمدیت میں یہ واقعہ ہمیشہ یادگار رہیگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی دختِ کرام سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے ۲۴؍اگست ۱۹۶۲ء کو زیورک میں وارد ہو کر اگلے روز ۲۵؍اگست بروز

ہفتہ صبح ساڑھے دس بجے قلبِ یورپ یعنی سوئٹزرلینڈ کے مرکزی شہر زیورک میں خانۂ خدا تعالیٰ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دُعاؤں کے ساتھ اپنے دستِ مبارک سے بنیادی اینٹ نصب فرمائی۔ ایک خصوصی تقریب میں آپ نے زیر تعمیر خانۂ خدا کی محراب والی جگہ کے نیچے بنیاد میں وہ اینٹ رکھی جس پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دُعا کی ہوئی تھی۔ اس مبارک تقریب میں سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا کے احمدی احباب کے علاوہ دیگر ممالک کے احباب نے بھی شرکت کی۔ اور پریس نے گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اخبارات اور ریڈیو کے نمائندے بھی اس بابرکت تقریب کے موقع پر موجود تھے۔ ریڈیو نے ساری کارروائی ریکارڈ کرنے کے علاوہ حضرت سیدہ موصوفہ کا ایک خصوصی پیغام بھی ریکارڈ کیا۔ جس کا ترجمہ جرمن زبان میں امام بیت ہیمبرگ مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب نے کیا۔

(الفضل ۲۸ راگست ۱۹۶۲ء ماخوذ از رپورٹ

مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ مجاہد سوئٹزرلینڈ)

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب امام بیت ہالینڈ نے ۲ ستمبر ۱۹۶۲ء کے الفضل میں لکھا کہ:

۱۷ راگست بروز جمعہ حضرت ممدوحہ اپنی دو صاحبزادیوں اور برادرزادہ مرزا مجید احمد صاحب (ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) وارد ہوئیں ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈہ پر استقبال کیا گیا۔ آپ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے عمارت خانۂ خدا کو برکت بخشی۔ اس سے قبل حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بھی بیت

میں تشریف لاتے تھے اور دُعا فرمائی تھی۔ یہ خانہ خدا جو برِ اعظم یورپ کے ساحل پر اوّلین خانۂ خدا ہے جو خواتین کی قربانیوں سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔

مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب مجاہد جرمنی نے اس سلسلہ میں لکھا کہ:۔

آپ ۱۹؍اگست ۱۹۶۲ء کو ہیمبرگ وارد ہوئیں اور تین دن قیام فرمایا۔ ہوائی اڈہ پر جماعت احمدیہ نے خیر مقدم کیا۔ استقبال کرنے والے پاکستانی احمدیوں کے علاوہ جرمن نومسلم بھی تھے جرمن پریس نے آپ کے ورود کی خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ اور اسلام میں عورتوں کے بلند مقام پر روشنی ڈالی۔

(الفضل ۲۵/۸/۶۲)

اس بابرکت سفر کے بارہ میں روزنامہ الفضل ۲۸/۷/۶۲ ۱۹/۱۰/۶۲ - ۲۴/۱۰/۶۲ اور ۱/۱۱/۶۲ کی اشاعتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

لجنہ اماء اللہ لندن نے آپ کے اعزاز میں عصرانہ دیا جس میں اماء اللہ کے علاوہ بعض غیر مسلم معزز خواتین بھی مدعو تھیں اور صدر صاحبہ لجنہ لندن محترمہ بیگم صاحبہ مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے آپ کو خوش آمدید کہا۔ حضرت سیّدہ موصوفہ نے اپنی جوابی تقریر میں بچوں کی تربیت اتحاد اور خلافت سے وابستگی پر زور دیا۔ اور اماء اللہ کو مشن کے ساتھ تعلق زیادہ مضبوط کرنے کی تلقین کی۔ (الفضل ۱۹/۸/۶۲)

بیت محمود زیورچ (سوئٹزرلینڈ) کے سنگِ بنیاد رکھنے کی مبارک تقریب

بیت محمود زیورچ کا سنگِ بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُختر نیک اختر حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ نے ۲۵ راگست ۱۹۶۲ء کو اپنے دستِ مبارک سے رکھا اور دُعا کی۔

آپ ۲۵ رجولائی ۱۹۶۲ء کی صبح کراچی سے روانہ ہوئیں اور اسی روز شام کے چھ بجے لندن پہنچ گئیں۔ (الفضل ۲۸ رجولائی ۱۹۶۲ء) کچھ عرصہ آپ کا قیام لندن میں رہا۔ ۵ راگست بروز اتوار لجنہ اماء اللہ لندن نے آپ کے اعزاز میں عصرانہ دیا جس میں احمدی خواتین کے علاوہ دیگر معزز غیر مسلم خواتین نے بھی شمولیت فرمائی اس موقعہ پر محترمہ بیگم صاحبہ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صدر لجنہ اماء اللہ انگلستان نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کی قومی اور دینی خدمات کو سراہا۔ (الفضل ۱۹ راگست ۱۹۶۲ء)

محرّکات

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سے بیت کا سنگ بنیاد رکھوانے کے کیا محرّکات تھے۔ اس سلسلہ میں محترم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ

مبلغ سوئٹزر لینڈ فرماتے ہیں :۔

"دنیا میں بیشک تقدیر اور تدبیر دونوں الٰہی قانون جاری ہیں لیکن مجھے اپنی زندگی میں تقدیر اس طرح تدبیر پر حاوی نظر آئی ہے گویا تدبیر کا کوئی وجود ہی نہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں مبلغ مقرر کئے جانے کا خیال میرے دماغ کے کسی گوشہ میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ لیکن تقدیر یہاں لے آئی اور وہم میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے کسی کے ہاتھوں بیت زیورچ کا سنگِ بنیاد رکھا جائے گا۔ غیر متوقع طور پر حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے دستِ مبارک سے اس بیت کا سنگِ بنیاد رکھا جانا محض تقدیرِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔

عاجز نے یہاں سخت نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے یہ کام شروع کیا اور جملہ مراحل یکے بعد دیگرے محض اس کے کرم سے سرانجام پا گئے۔ حتٰی کہ خانہ خدا کے پلاٹ پر کام شروع کرنے کا دن آگیا۔ میں نے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر سے درخواست کی کہ وہ خود سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے تشریف لائیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میرے لیے امسال یورپ آنا ممکن نہیں آپ خود ہی بنیاد رکھ لیں۔ میں نے پھر اپنی شدید خواہش کا اظہار کیا کہ بیت کی بنیاد

ایسے ہاتھوں سے رکھی جاتے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے
دہرا تعلق ہو نہ صرف یہ کہ وہ سلسلہ کا خادم ہو بلکہ جسمانی طور پر
بھی حضور کے برگ و بار میں سے ہو۔"

غیر متوقع خوشکن خبر

بنیاد رکھنے کا وقت قریب آرہا تھا کوئی انتظام نہ ہونے کے باوجود قلب کو اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی جناب سے سامان پیدا کر دے گا۔ اچانک ایک دن امام صاحب بیت الفضل لندن چوہدری رحمت خان صاحب کا مکتوب گرامی آیا جس میں حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی تشریف آوری کا ذکر تھا۔ یہ خبر اتنی غیر متوقع اور خوشکن تھی کہ اس کے سچا ہونے پر یقین نہ آتا تھا۔ میں نے یہ خط اہلیہ اُمّ کو دیا انہوں نے بھی پڑھ کر تعجب کا اظہار کیا۔ خاکسار نے حضرت بیگم صاحبہ کی خدمت میں بذریعہ تار یورپ تشریف آوری پر خوش آمدید عرض کیا اور خانہ خدا زیورچ کا سنگِ بنیاد رکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے کمال شفقت سے اسے منظور فرمایا اور تحریر فرمایا کہ وہ اسے بڑی سعادت سمجھتی ہیں۔ حضرت بیگم صاحبہ ممدوحہ حسب پروگرام مورخہ ۴؍ اگست بروز جمعہ پونے بارہ بجے ڈنمارک سے محترمہ صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ کے ہمراہ تشریف لائیں ...... ایئر پورٹ پر پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی روز دو بجے ایک نیوز ایجنسی نے ایک خاتون کو ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ حضرت بیگم صاحبہ کا انٹرویو ریکارڈ کرنے کے لیے بھجوایا۔ حضرت بیگم صاحبہ سے اس خاتون نے مختلف سوالات کیے اور حضرت بیگم صاحبہ

کی زبانِ مبارک سے جواب ریکارڈ کرنے کے بعد عزیزہ امتہ المجید بنت چوہدری عبداللطیف صاحب امام بیت ہیمبرگ نے اس کا جرمنی ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بھی ریکارڈ کیا گیا۔

حضرت بیگم صاحبہ نے اپنے بیان کے آخر میں فرمایا کہ سوئیس لوگوں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ وہ اسلام کا مطالعہ کریں اور ہمارے مبلغ مشتاق احمد صاحب باجوہ سے رابطہ پیدا کر کے لٹریچر حاصل کریں۔۔۔۔ حضرت بیگم صاحبہ کا یہ انٹرویو زیورچ کے ایک اخبار میں من وعن شائع ہوا۔

سنگِ بنیاد کی تقریب

۲۵ اگست ۱۹۶۲ء ساڑھے دس بجے صبح بیت کی بنیاد رکھنے کا وقت مقرر تھا۔ صبح اُٹھے تو مطلع ابر آلود تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ خاکسار صبح ہی وہاں پہنچ گیا کیونکہ بعض دوست جو باہر سے آ رہے تھے ان سے بیت کے قریب ہی ایک ریسٹوراں میں ملاقات کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خاکسار بعض احباب و خواتین کے ہمراہ پلاٹ پر مہمانوں کا منتظر تھا کہ بارش میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ اس اثناء میں حضرت بیگم صاحبہ کی ریسٹوراں میں تشریف لانے کی اطلاع موصول ہوئی اب کافی دوست جمع ہو چکے تھے۔ حضرت بیگم صاحبہ کی خدمت میں درخواست بھجوائی گئی کہ اب تشریف لے آئیں چند منٹ میں آپ کی کار آ گئی۔ خاکسار نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا حضرت بیگم صاحبہ۔ محترمہ صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ۔ محترم بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب۔ عزیزہ امتہ المجید

اور اہلیہ اُم کی معیت میں اُترے یہ نظارہ سویس آنکھوں کے لیے عجیب تھا۔ پریس فوٹو گرافروں کے کیمرے حرکت میں آگئے۔ سب سے پہلے جماعت سوئٹزر لینڈ کی طرف سے السلام علیکم اور خوش آمدید عرض کرنے کے لیے ہماری نومسلم بہن مس فاطمہ ہولڈر شو آگے بڑھیں اور ان سے مصافحہ کے بعد پھول پیش کیے۔ ان کے ساتھ دوسری نومسلم بہن مس جمیلہ سوسترنگ تھیں حضرت بیگم صاحبہ دونوں کے ہمراہ سٹیج کی طرف تشریف لے گئیں۔ چند منٹ وہاں خواتین کے ساتھ ٹھہرنے کے بعد خاص تیار شدہ سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے بنیاد کی جگہ پر تشریف لے گئیں خاکسار آپ کے ہمراہ تھا ایک بالٹی میں سیمنٹ تیار رکھا تھا۔ میں نے آپ کی خدمت میں بیت مبارک کی وہ اینٹ جو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے دُعا کے بعد ربوہ سے بھجوائی گئی تھی۔ پیش کی۔ آپ نے اس پر سیمنٹ لگایا اور دُعا کے بعد بنیاد میں رکھ دی۔ پھر اس کے اوپر تھوڑا سا سیمنٹ لگایا خاکسار نے اس کے بعد مزید پلستر لگا کر حضرت مسیح پاکؑ کی لخت جگر اور مبشرہ صاحبزادی کے دستِ مبارک کی رکھی ہوئی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بیگم صاحبہ سیڑھیوں سے ہوتی ہوئیں اوپر سٹیج پر تشریف لائیں۔ خاکسار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کعبہ کے موقع کی دعائیں تلاوت کیں۔ سویس ریڈیو کا نمائندہ اس کارروائی کو ریکارڈ کرنے کے لیے آیا ہوا تھا اس نے اپنا مائیک میرے سامنے کر دیا۔ ہمارے نومسلم بھائی مسٹر رفیق چاننن نے جو اس تقریب کے لیے لمبا سفر کر کے آتے تھے اس کا ترجمہ پڑھ کر سنایا حضرت بیگم صاحبہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دُعا کی اور پھر برادرم چوہدری

عبداللطیف صاحب نے اس کا جرمن ترجمہ پڑھ کر سنایا اور آخر میں خاکسار نے حضرت بیگم صاحبہ اور حاضرین سمیت ہاتھ اٹھا کر لمبی دعا کی۔ اس طرح یہ تاریخی تقریب انجام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب قدرت تھی کہ حضرت بیگم صاحبہ کی آمد سے قبل بارش ہو رہی تھی، لیکن اس تقریب کے آغاز کے ساتھ ہی بارش بالکل رک گئی۔ حضرت بیگم صاحبہ تو اپنے قافلہ سمیت مشن ہاؤس تشریف لے گئیں اور باقی احباب و خواتین جس میں سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا کے بھائی بہنوں کے علاوہ مختلف ممالک کے مسلمان بھی موجود تھے۔ ریسٹوراں میں تشریف لے گئے۔

(الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء)

سفر یورپ کے دوران حضرت بیگم صاحبہ نے ہالینڈ میں قیام فرمایا اور ۱۷ اگست بروز جمعہ ہالینڈ کی بیت کی عمارت میں قدم رنجہ فرمایا۔

(الفضل ۲ ستمبر ۱۹۶۲ء)

حضرت بیگم صاحبہ اپنے اس سفر کے دوران جرمنی بھی تشریف لے گئیں جرمنی پریس نے آپ کی تشریف آوری کی خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا اور اسلام میں عورت کے بلند مقام پر روشنی ڈالی۔

(الفضل ۲۵ اگست ۱۹۶۲ء)

لجنہ اماء اللہ کراچی سے خطاب

۲۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو اس سفر سے واپسی ہوئی۔ جماعت احمدیہ کراچی نے ایئرپورٹ پر پرتپاک خیر مقدم کیا۔ چونکہ حضرت بیگم صاحبہ کی طبیعت ناساز تھی اس لیے یہ قیام بہت مختصر رہا۔ صدر لجنہ اماء اللہ کراچی کی

درخواست پر ۳۰ اکتوبر کو احمدیہ ہال میں بہنوں سے ملاقات فرمائی اور خطاب سے نوازا۔ لجنہ اماء اللہ کراچی کی طرف سے محترمہ مبارکہ قمر صاحبہ نے سپاس نامہ پیش کیا۔

حضرت بیگم صاحبہ نے فرمایا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے جمیلہ عرفانی صاحبہ میری تقریر پڑھ کر سنائیں گی۔

خطاب ---- عزیزہ مجیدہ بیگم و آپا سلیمہ بیگم نے خواہش ظاہر کی تھی کہ میں اپنے سفر یورپ کے کچھ حالات لجنہ اماء اللہ کے اجتماع میں سناؤں۔ شاید میں خود تو نہ سنا سکوں کیونکہ مجھے عادت نہیں ہے البتہ کچھ لکھ کر بتا سکوں گی۔

میرا یورپ جانا محض ایک اتفاق تھا۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ زندگی میں اگر مجھے کوئی مجنونانہ شوق رہا ہے تو وہ غیر ممالک کی سیاحت کا تھا۔ حالات ہی ایسے پیدا ہوتے رہے کہ اس وقت تک یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ میرے میاں مرحوم نے دو برس پیشتر اپنا پاسپورٹ بھی بنوا لیا تھا۔ اور میری یہ خواہش پوری کرنے کی ان کو بے حد تڑپ تھی ہمیشہ کہتے تھے۔ بیگم میں نے تمہارا یہ قرض دینا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ادا کروں گا۔ انہوں نے اپنا وعدہ اپنے بعد بھی پورا کر دکھایا۔ خیر یہ تو ضمناً بات یاد آگئی۔

میرا یہ سفر اتفاق اس لیے بن گیا کہ اب یہ برسوں کی پالی ہوئی آرزو بالکل مردہ ہو چکی تھی۔ خواہش تو ایک طرف مجھے اس سفر سے ایک تنفر سا پیدا ہو چکا تھا

مگر اکثر اوقات انسان کی آرزو تب پوری ہوتی ہے جب اس کی رغبت اور اہمیت فنا ہوچکی ہوتی ہے میرے ساتھ تو اکثر ایسا ہوا ہے۔ بہرحال خدا جانے کس طرح میری لڑکی عزیزہ طاہرہ صدیقہ نے تین دن کے اندر زور دے کر مجھے تیار کر دیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے جلد جلد ایسے سامان پیدا کر دیتے کہ خلاف اُمید ویزا وغیرہ بھی مل گیا۔ اور میں ۲۵ر جولائی کو یہاں سے لندن کے لیے روانہ ہوگئی۔ میرے سفر یورپ کا سب سے زیادہ خوشگوار اور مبارک پہلو بیت زیورچ کے سنگِ بنیاد کی تقریب میں شمولیت تھی۔ میں تو اب سمجھتی ہوں کہ میرا ادھر جانا بھی اسی تقدیر کے ماتحت تھا۔ میرے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ کہ بیٹھے بٹھاتے یہ سعادت میرے حصّہ میں آجاتے گی۔ ایک روز مکرمی مشتاق احمد صاحب باجوہ کا تار میرے نام آیا جس پر میری آمد پر خوش آمدید کہا تھا اور زیورچ جاکر بیت کا سنگِ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھنے کی فرمائش کی تھی پہلے تو میں اپنی فطرتی جھجک کے باعث انکار کرنے لگی تھی۔ مگر میرے دل نے ملامت کی۔ آخر میں نے مان لیا۔ میں نے یہی سوچا کہ یہ سب کچھ تصرفِ غیبی کے ماتحت ہو رہا ہے۔ میرا یہاں بلا ارادہ اچانک آجانا اور مکرم باجوہ صاحب کے دل میں الٰہی تحریک سے میرا خیال پیدا ہونا یہ سب تقدیری امور ہیں میں ۲۴ر اگست کو زیورچ پہنچ گئی۔ ۲۵ تاریخ کو صبح دس بجے یہ تقریب عمل میں آنی تھی۔ جو بفضل تعالیٰ بہت شاندار طریقہ سے انجام پذیر ہوئی متعدد پریس والے اور بہت سے مقامی غیر مسلم باشندے علاوہ اپنی

جماعت کے موجود تھے الحمد لِلّٰہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری سیر و سیاحت کو بھی مذہبی رنگ دے دیا ہے

خُدا کی دین کا موسٰی سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہ تو میرے سفر کا اہم ترین حصّہ تھا۔ اس کے علاوہ میں ہالینڈ گئی جرمنی گئی۔ کوپن ہیگن گئی ماشاء اللہ سب جگہ اپنے مشن تھے۔ ہر جگہ میرا قیام اپنے مشن ہاؤس ہی میں رہا۔ جہاں تک ایک عورت کی نگاہ دیکھ سکتی ہے مَیں نے تو لوگوں کو اچھا پایا خصوصیت سے میں آپ بہنوں کو اپنے جرمنی کے مشن سے روشناس کروانا اپنا فرض سمجھتی ہوں تاکہ آپ لوگ سمجھ سکیں کہ اس دور دراز ملک میں بھی احمدیت کی برکت سے وطن کا سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ مَیں ہالینڈ سے جرمنی تک صرف اپنی ایک بچی فوزیہ کے ساتھ تنہا تھی۔ جب پلین نے لینڈ کیا تو مجھے قدرتی طور پر گھبراہٹ ہوئی کہ یہاں تو کوئی زبان بھی نہیں سمجھتا ہم ایئرپورٹ تک تنہا ہونگے وہاں سے کسٹم سے بھی تنہا گذرنا ہو گا خیر مَیں نے فوزیہ سے کہا کہ مسافروں کے پیچھے ہو لیتے ہیں اسی طرح پہنچ جائیں گے۔ سیڑھی تک پہنچے اور ابھی دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ لوگوں نے لپک لپک کر ہمارے ہاتھوں کے سب بوجھ اُٹھا لیے حتّٰی کہ ہمارے پاس ہینڈ بیگ بھی نہ رہے اور وہیں ہم پر پھول لاد دیئے گئے۔ کم و بیش پانچ چھ آدمی تو وہاں تھے اور باقی ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ میری ایسی کیفیت

ہوئی جو صرف محسوس کی جاسکتی ہے بیان نہیں ہوسکتی۔

ہمارے ہیمبرگ کے مبلغ مکرمی چوہدری عبداللطیف صاحب بمع دیگر افراد جماعت جن میں پاکستانی و نو مسلم جرمن ایک دو غیر مسلم جرمن موجود تھے ان میں مستورات بھی تھیں۔ بچے بھی تھے جو اَھْلاً وَّسَھْلاً وَّمَرْحَبًا کہہ کہ پھول پیش کر رہے تھے دیگر مسافرانِ جہاز حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ دو برقعہ پوش گمنام سی معمولی عورتیں کیا چیز نکلیں کہ ایسا شاندار استقبال ان کا ہو رہا ہے میرا دل تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز تھا زبان بند تھی مگر میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر رہے تھے میں اپنی گھبراہٹ پر اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی نادم تھی جس کی انتہا نہیں۔

دوسرے دن کے حالات تو آپ لوگوں کو اخبارات سے معلوم ہو گئے ہونگے۔ صبح سے کیمرہ مین اور پریس کی طرف سے عورتیں انٹرویو کے لیے چلے آرہے تھے۔ سو یہ تھی وہ برکت احمدیہ جس کا تجربہ مجھے اس سفر میں ہوا۔ میں سوچا کرتی ہوں کہ اپنے وطن میں بیس سال ریاضت کر کے بھی میرا ایمان خدا تعالیٰ پر اس پایہ کا نہ ہوتا۔ جتنا اس تین ماہ کے ممالک غیر کے قیام میں ہوا۔ پھر تو یہ سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔

یہاں سے کوپن ہیگن وہاں سے زیورچ میں تنہا ہی گئی۔ مگر دل کو تقویت حاصل ہو چکی تھی تجربہ نے ثابت کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جوتیوں کے صدقے میں ہر جگہ بہن اور بھائی اور بچے موجود ہیں۔ لندن تو خیر اپنا گھر ہی تھا۔ ماشاء اللہ پاکستان

کی طرح جماعت معلوم ہوتی ہے ہفتہ بیشتر میری بیماری میں لندن کی جماعت نے اتنا خیال رکھا ہے کہ قریبی عزیز اور لڑکے بھی نہ رکھ سکتے۔ میرے منع کرنے پر بھی وہ لوگ ڈاکٹر پر ڈاکٹر لیے چلے آرہے تھے میں نے بہت بھاگنا چاہا۔ مگر انہوں نے نہیں چھوڑا۔ جب تک اپنی تسلی نہیں کرلی۔

آپ بہنوں کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ یہ روحانی رشتہ سب رشتوں سے بڑھ کر ہے جہاں بھی آپ رہیں احمدی آپ کے بھائی ہیں وہاں کی مستورات آپ کی بہنیں ہیں یہی آپ کی برادری ہے یہی خاندان ہے۔

۔۔۔۔۔ میری دُعا ہے کہ ہمارا رشتۂ اخوت و محبت مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے نفاق حسد بخل اور نفرت کے جذبات کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے آمین۔ خلوص محبت، ہمدردی اور رواداری کے جذبات زیادہ سے زیادہ ہوتے چلے جائیں۔

میری طبیعت کل سے پھر خراب ہے میں نے جلدی میں خدا جانے کس طرح یہ لکھا کہ آپ کی خواہش رد نہ کروں۔ آخر میں میں آپ سب بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اتنی محبت سے مجھے بلایا اور ملنا چاہا کل میں جارہی ہوں اپنی دُعاؤں میں مجھے یاد رکھیں اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔

(ماہنامہ مصباح مارچ ۱۹۶۳ء)

سفرِ یورپ کی مزید تفصیلات

حضرت سیدہ دختِ کرام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی محترمہ فوزیہ بیگم

صاحبہ نے موصوفہ کے سفر یورپ کے حالات بڑی تفصیل سے تحریر کئے ہیں جو ایامِ سفر کے لمحہ لمحہ کی روداد پر محیط ہیں۔ فرماتی ہیں :

لندن میں ورود

پاکستان سے انگلینڈ روانگی کے وقت دل میں کوئی امنگ نہ تھی یوں محسوس ہوتا تھا گویا ایک فرض پورا کر رہے ہیں۔ امی بھی بجھی بجھی تھیں۔ میری وجہ سے تیار ہو گئیں، لیکن طبیعت پژمردہ تھی۔ جلدی جلدی تیاری کی اور اسی عجلت میں بڑے ماموں حضرت فضل عمر سے بھی نہ ملنے جا سکیں جس کا ان کی طبیعت پر بہت اثر تھا۔ لندن جا کر طبیعت کچھ سنبھلی آپا قدسیہ اور بھائی موجی (صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب) مع بچگان وہاں پہلے سے موجود تھے۔ بشیر رفیق صاحب ان دنوں لندن کے امام تھے چھوٹی سی ہماری جماعت تھی لیکن مخلصین سے بھری ہوئی ان سب نے امی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دختر کا دیارِ غیر میں اس قدر خیال رکھا کہ ساری عمر امی ان لوگوں کو نہ بھولیں۔ ہمارے گھر میں ہمیشہ ان سب کی محبت کا تذکرہ ہوتا رہا امی کی طبیعت میں ممنونیت کا جذبہ بے انتہا تھا اور پردیس میں جس محبت اور خلوص سے سب احمدی بہن بھائیوں نے ہمارا خیال رکھا وہ ساری زندگی کے لیے ان کے دل پر گہرا اثر چھوڑ گیا اور دُعاؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ان کے لیے اکٹھا کرنے کا موجب بنا۔

لندن کے قیام کے دوران ایک دن امی کو سوئٹزرلینڈ سے مشتاق احمد

باجوہ صاحب کا دعوت نامہ ملا۔ انہوں نے امّی کو بہت اصرار سے زیورک کی مسجد کے سنگ بنیاد کے لیے بلایا تھا۔ پاکستان سے چلتے وقت ہمارا ارادہ کوئی اتنی لمبی چوڑی سیر و سیاحت کا نہ تھا۔ لیکن باجوہ صاحب کے بلوانے پر یہ طے ہوا کہ کچھ اور یورپی ممالک بھی زیورک کے سفر میں شامل کر لیے جائیں۔ امّی کو اس سفر کے لیے تیار کرنے میں بشیر رفیق صاحب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ایک دفعہ بعض وجوہ کی وجہ سے ہمارا ارادہ بدل گیا لیکن بشیر رفیق صاحب نے بہت اصرار کر کے امّی کو تیار کیا اور سارا سفر خود بڑے شوق سے PLAN کیا۔

ہالینڈ

۱۷ راگست ۱۹۶۲ء کو ہم ہالینڈ کے لیے روانہ ہوئے۔ رحمان صاحب مرحوم ہمیں اپنی کار میں ایئر پورٹ چھوڑنے کے لیے گئے۔ امّی کے قیام کے دوران رحمان صاحب کی کار ہمیشہ ہر ضرورت کے وقت حاضر ہوتی تھی۔ تقریباً سارا لندن ہم نے انہی کے ساتھ دیکھا۔ جہاز کا سفر بہت خوشگوار رہا۔ ہمارے ساتھ ایک کینیڈین خاتون بیٹھی تھیں۔ امّی نے ہم دونوں کے HAM سینڈوچ اس کو دے دیئے۔ اس نے بلا تکلف شکریہ کے ساتھ قبول کیے پندرہ منٹ میں ہم نے ENGLISH CHANNEL کو پار کر لیا راستے میں مَیں اپنی ڈائری بھی لکھتی رہی۔ سفر کے آغاز میں ہی امّی نے ایک ڈائری مجھے دی اس تاکید کے ساتھ

کہ ہر روز اس میں اپنا سفر نامہ قلمبند کروں ۔ان دنوں بیرون ممالک کا سفر
بہت اہمیت رکھتا تھا۔ شاذ ہی کوئی سمندر پار سیر کی نیت سے سفر کے
لیے تیار ہوتا۔ امّی کو ہمیشہ سے سیاحت کا بہت شوق تھا۔ ہر چیز پر گہری
نظر رکھتیں اور مجھے بھی بتاتی رہتیں ۔اس وقت بھی بلندی سے سمندر
کا نظارہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔کبھی تو ہم اپنے نیچے ٹھاٹھیں مارتے
ہوتے نیلے سمندر کو دیکھ کر لُطف اندوز ہوتے اور کبھی ساتھ بیٹھے ہوئے
لوگوں کو بے تحاشا کھاتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتے اب جہاز نیچے اُترنا
شروع ہوا اور ایمسٹرڈم کا شہر نظر آنے لگا پورے شہر میں تین چیزیں
نظر آرہی تھیں۔ سبزہ ۔ پانی ۔ اور پانی کے اندر بنے ہوئے گھر۔ ایمسٹرڈم
سمندری سطح سے کافی نیچے ہے اس لیے یہاں پانی شہر میں آیا ہوا
ہے سارے شہر میں جھیلوں اور نہروں کا جال پھیلا ہوا ہے ۔ ائر
پورٹ پر ہالینڈ کے مربی حافظ قدرت اللہ صاحب اور ربانی صاحب
(حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مرحوم کے برادر نسبتی) ایک ڈچ
احمدی اور حبیبی (مرزا مجیب احمد صاحب) ہمیں لینے آتے ہوئے تھے
ربانی صاحب کی کار میں ہم ہیگ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ہم نے
ہالینڈ کی مشہور WINDMILLS جگہ جگہ دیکھیں۔ انگلینڈ کے مقابلہ
میں یہاں کی COUNTRY SIDE کے نظاروں میں بہت فراخی
کا احساس ہوتا تھا۔

٭

ہیگ

ہیگ کا مشن ہاؤس جدید طرز کی بہت صاف ستھری جگہ ہے اندر داخل ہوتے ہی ایک طرف بیت کا ہال تھا اور دوسری طرف ملاقاتی کمرے تھے۔ دوسری منزل پر رہائشی کمرے تھے۔ ہمارے لیے ایک کافی بڑا روشن بڑے بڑے شیشوں والا کمرہ تیار کیا گیا تھا۔ جواہل خانہ کی خوش ذوقی کا ثبوت دے رہا تھا۔

۱۸ راگست کی صبح کو جب ہیگ میں ہماری آنکھ کھُلی تو امی کو اور مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم HAGUE میں بیٹھے ہیں۔ اس قدر اچانک یہ پروگرام بنا کہ خواب کا گمان ہوتا تھا۔ اسی دن حافظ صاحب ہمیں یہاں کی مشہور پینٹنگ PANORAMA دکھانے لے گئے جس بلڈنگ میں یہ پینٹنگ ہے وہ بالکل معمولی نوعیت کی عمارت تھی اس میں تین کمروں میں اسی مصوّر کی بنائی ہوئی تصویروں کی نمائش ہوئی تھی۔ ان کمروں سے ایک اندھیرا اور پراسرار راستہ نکلتا تھا۔ جو صرف موم بتیوں سے روشن کیا گیا تھا۔ اس کے آخر میں ایک سیڑھی تھی جس کے ذریعہ ہم اوپر پہنچے۔ اوپر پہنچ کر ہم ششدر رہ گئے ایک نئی دُنیا ہمارے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے لیے ہم یہی سمجھے کہ یہ باہر کا نظارہ ہے لیکن حافظ صاحب نے جلد ہی وضاحت کی کہ یہی وہ مشہور PANORAMA - پینٹنگ ہے یہ اتنی خوبصورت اور قدرتی ہے کہ اس پر حقیقت کا گمان

ہوتا ہے اس پینٹنگ کو مصوّر اور اس کی بیوی نے تین ماہ میں مکمل کیا تھا۔
یہاں سے واپسی پر ہم نے پیس پیلیس (PEACE PALACE) دیکھا
اور پھر کچھ وقت وہاں کے شاپنگ سنٹرز دیکھنے میں گذارا۔ آپا قدسیہ
بھائی موجی جیبی اور ہم اکٹھے تھے اس لیے بہت پُر لطف وقت گذرا
شام کو ہم لوگ ساحل کی سیر کے لیے اور ایک مشہور مقام "ماڈو روڈام" دیکھنے
نکلے۔ حافظ صاحب نے کار کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس لیے سہولت رہی ایک
نوجوان نومسلم اس کو چلا رہا تھا۔ اور راستہ میں ہمیں ہالینڈ کے متعلق بھی بتاتا
تھا۔ امّی کا دل چاہتا تھا کہ جس مقام سے گذریں اس کے متعلق معلومات
بھی ہوں اس لیے تمام راستہ مختلف مقامات پوچھتے سنتے رہے ساحل کی سیر
بھی بہت پر لطف رہی اور پھر ہم MODURODAM پہنچے۔ ماڈورو۔
ماں باپ کا اکلوتا لڑکا تھا جوانی میں فوت ہوگیا۔ تو اس کے ماں باپ نے
اس کی یاد میں ایک ہسپتال بنوایا جس کی آمد سے "ماڈو روڈام" بنوایا گیا۔
ماڈوروڈام میں ہالینڈ کی مشہور عمارات اور جگہیں چھوٹے سائز میں بنوائی گئی
ہیں رات کے اندھیرے میں یہ ایک چھوٹا سا شہر لگتا تھا۔ عمارتوں میں بجلی
سے روشنی کا انتظام تھا۔ جس پر کاریں بسیں اور ٹرینیں چل رہی ہیں جو
خود بخود ٹھہرتی اور چل پڑتی ہیں۔ مشن ہاؤس واپس آکر حافظ صاحب
نے ہمیں دوبارہ بیت کے ہال میں بلوالیا تاکہ بیت اور مشن ہاؤس کی
سرگرمیوں کی سلائیڈز دکھائیں۔

۱۹/ اگست کو ہم ہیگ سے رُخصت ہوتے ان دو دنوں میں ہم

حافظ صاحب کی فیملی سے بہت مانوس ہو گئے تھے ان کی بیگم تو امّی سے بہت محبت کرنے لگی تھیں اور رخصت ہوتے ہوتے امّی سے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں امّی نے ان کو بہت دلاسہ دیا۔ اور یہاں کی خوشگوار یادیں لے کر ہم ایمسٹرڈم کے لیے روانہ ہوتے۔ ایمسٹرڈم پہنچ کر ہم نے موٹر بوٹ کے ذریعہ پورے شہر کی سیر کی۔ ایک لڑکی سارا راستہ شہر کے متعلق کمنٹری دیتی رہی امّی نے اس سیر کا بہت لُطف اُٹھایا۔ آپا قدسیہ اور بھائی موجی تو ٹرین کے ذریعے ہیمبرگ روانہ ہو گئے اور حافظ صاحب اور ربّانی صاحب نے امّی کو اور مجھے ہیمبرگ جانے کے لیے ائر پورٹ پہنچا دیا۔ حافظ صاحب کی فیملی یہاں بھی دوبارہ ہمیں خدا حافظ کہنے آئی ہوئی تھی۔

ہیمبرگ

ایمسٹرڈم سے ہیمبرگ کی فلائٹ بہت چھوٹی تھی۔ جرمنی کے مربّی چوہدری لطیف صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ ہمیں لینے کے لیے ان کا ایر پورٹ آنا تو متوقع تھا۔ جیسے ہی امّی جہاز کی سیڑھیوں سے اُتریں ایک برقعہ پوش خاتون نے ان کو گلے لگا کر پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ یہ لطیف صاحب کی اہلیہ تھیں۔ ان کے بعد دو جرمن خواتین آگے بڑھیں اور انہوں نے بھی امّی کو گلدستے پیش کئے اور مجھے بھی پھولوں سے لاد دیا۔ دو جرمن مرد بھی جہاز کی سیڑھیوں پر آئے ہوئے تھے ہم سب ائر پورٹ بس پر ائر پورٹ پہنچے ہمارے ہم سفر ہمارے بُرقعے اور ہمارا

RECEPTION دیکھ دیکھ کر بہت حیران ہو رہے تھے وہ بہت دلچسپی سے ہم لوگوں کو دیکھ رہے تھے باہر نکل کر پتہ چلا کہ اور بھی لوگ ہمیں لینے آتے ہوتے تھے لطیف صاحب نے ان سب سے امّی کا تعارف کروایا یہاں آکر بالکل گھر کا سا احساس ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ چوہدری لطیف صاحب کا یہاں کافی اثر و رسوخ ہے ۔ ان کی بیگم صاحبہ نے بتایا کہ ہمارے آنے کی خبر بھی اخباروں میں شائع ہو چکی ہے دراصل لطیف صاحب سے یہاں کے مقامی باشندے عورت کے مقام پر بہت بحث کرتے تھے لطیف صاحب ان کو بہت قائل کرنے کی کوشش کرتے لیکن وہ کسی صورت نہ مانتے تھے لطیف صاحب نے امّی کے آنے کا سُنا تو تمام اخباری نمائندوں کو پہلے سے اطلاع کرادی کہ بیگم صاحبہ کو پاکستان سے خاص طور پر بلوایا گیا ہے تاکہ زیورچ کی بیت کا سنگِ بنیاد ان سے رکھوایا جائے ۔ اس خبر نے لوگوں میں فوری دلچسپی پیدا کردی اور لطیف صاحب سے ہمارے آنے کے متعلق سوالات کئے جانے لگے ۔ اکثر اخبار نویس امّی کی تصاویر لینا چاہتے تھے لیکن لطیف صاحب متذبذب تھے کہ شاید امّی پسند نہ کریں ۔ امّی نے جب یہ سُنا تو لطیف صاحب سے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ بُرقعہ میں تصویر کھنچوائی جائے بلکہ یہ تو اچھا طریق ہے ان لوگوں کو قائل کرنے کا کہ برقع کسی کام میں حائل نہیں ہوتا ۔

پریس انٹرویو

۲۰ اگست کو ہم علی الصبح اُٹھے ۔ کیونکہ ایک کیمرہ مین اور اخبار نویس

امی سے ملنے آرہے تھے۔ امی سر سے پاؤں تک بُرقعہ میں ملبوس آنکھوں پر دھوپ کی عینک لگاتے باہر آئیں کچھ ہی دیر بعد جیسے ہی اندر آیا کہ وہ کہہ رہے ہیں بیٹی بھی باہر آئے میں بھی برقعہ پہن کر باہر آئی اور پھر ہم سب کی چاروں طرف سے بے شمار تصاویر کھینچی گئیں۔ آپا قدسیہ اور بھائی موجی اپنے ہوٹل میں تھے اس لیے ان کی کمی بہت محسوس ہوئی تصاویر کھنچوا کر ہم اندر آئے تو ایک عورت امی کا انٹرویو لینے کے لیے بیٹھی ہوئی تھی وہ صرف جرمن زبان جانتی تھی اس لیے سارا انٹرویو لطیف صاحب کی وساطت سے ہوا۔ انٹرویو زیادہ تر عورت کا اسلام میں مقام پر ہوا۔ امی نے اس کو بتایا کہ عورت تو اپنے گھر کی ملکہ ہوتی ہے۔ اسلام نے ہی عورت کو اس کا صحیح مقام دلایا ہے۔ ہمارے ہاں جنت ماؤں کے قدموں تلے سمجھی جاتی ہے وہ رپورٹر بہت شوق سے سب سُنتی رہی اور سب کچھ لکھتی رہی۔ دوسرے دن تمام اخبارات میں ہماری بڑی بڑی تصاویر اور امی کا انٹرویو شائع ہوا۔ کئی سٹورز میں ہمیں دیکھ کر SALES GIRLS اخبار کھول کھول کر ہماری طرف اشارہ کرکے ہماری تصاویر دکھاتی تھیں۔ اور یوں جرمنی میں بھی امی کا آنا تربیت کا ذریعہ بنا۔

ہیمبرگ میں ہم نے کافی مقامات کی سیر کی وہاں کا چڑیا گھر بہت مشہور ہے وہاں پر جانوروں کو بغیر بند کئے پہاڑیوں اور تالابوں کے ذریعے ہی مقید کیا ہوا ہے رات کو ہم نے فواروں کا ناچ دیکھا اس جگہ کا نام PDANTONS ON BLOMEUS ہے مختلف رنگوں

کے فواروں کا یہ ناچ رات کے وقت بہت بھلا لگا۔ دوسرے دن ہیمبرگ کے تمام مشہور مقامات کی سیر کی ٹاؤن ہال مجھے خاص طور پر بہت پسند آیا۔ دوپہر کو واپس آئے تو جیبی اور بھائی موجی گھبراتے ہوتے مشن ہاؤس کے باہر کھڑے تھے انہوں نے ہمیں نہایت تکلیف دہ خبر سنائی کہ لطیف صاحب کی اہلیہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ بیگم لطیف کی بہت بُری حالت تھی وہ دو ماہ میں پاکستان جانے والی تھیں۔ اس دن محسوس ہوا کہ مبلغین کرام کتنی قربانیاں کر رہے ہیں۔ امّی نے لطیف صاحب کی اہلیہ کو بہت پیار سے دلاسہ دیا اور سارا وقت انہی کے پاس بیٹھی رہیں اس دن ہم کہیں باہر نہیں نکلے۔ ایک جرمن خاتون بھی آ گئیں۔ امّی ان سے خوب باتیں کرتیں رہیں زیادہ انگریزی تو دونوں کو نہ آتی تھی لیکن گذارہ خوب چلا باورچی خانہ مَیں نے اور آپا قدسیہ نے مل کر سنبھالا کیونکہ بیگم لطیف صاحب کی اپنی حالت خراب تھی۔

کوپن ہیگن

۲۲ راگست کو دوسرے دن ڈیڑھ بجے ہم کوپن ہیگن کے لیے روانہ ہوتے ایئر پورٹ پر لطیف صاحب اور ان کی اہلیہ ہمیں چھوڑنے آئیں آج بھی ایئر پورٹ پر ہمیں خصوصی توجہ دی گئی۔ ایک بات مَیں نے خاص طور پر ہیمبرگ میں محسوس کی کہ لطیف صاحب کا وہاں کافی اثر تھا۔ اور بڑے چوکس مبلغ لگتے تھے جو تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے

ایر ہوسٹس ہمیں ایک علیحدہ بس میں ہوائی جہاز تک لے گر گئیں اور بڑے ادب سے امی کو بہترین سیٹ پر بٹھایا تھوڑی دیر بعد دوسرے مسافر بھی آگئے۔ ایک مسافر خاتون ہمارے پاس آگئیں اور "خیبر پاس" کے متعلق معلومات لینے لگیں میں نے اس کو تمام جگہوں کے نام جہاں اس کو جانا چاہیئے تھا لکھ کر دے دیئے۔

کوپن ہیگن میں بھائی مسعود (میر مسعود احمد صاحب) جو ان دنوں وہاں کے مبلغ تھے ہمیں ایئر پورٹ لینے آتے ہوئے تھے ان کے ساتھ ان کے نائب کمال یوسف صاحب بھی تھے۔ بھائی مسعود صاحب بالکل مختلف لگے پاکستان کی نسبت بہت سمارٹ اور خود اعتماد۔ ٹیکسی میں ہم وہاں کی ایک احمدی خاتون مسز احمد کے ہاں روانہ ہوئے۔ مسز احمد کا چھوٹا سا صاف ستھرا فلیٹ تھا۔ مجھے تو جہاز کے چکر چڑھے ہوتے تھے اس لیے آتے ہی سو گئی۔ سو کر اٹھی تو امی نے بہت خوشی خوشی کوپن ہیگن کا پہلا تجربہ سنایا۔ بھائی مسعود کے ساتھ امی نزدیک کے شاپنگ سنٹر میں پیدل چلی گئیں اور راستے میں کافی کچھ دیکھ لیا۔ امی کو سیاحت کا اتنا شوق تھا کہ ہر جگہ پہنچ کر سب سے پہلے وہاں کے مشہور مقامات اپنی نوٹ بک میں لکھ لیتی تھیں تاکہ کچھ رہ نہ جائے۔ میرے خیال میں جتنی تفصیل سے امی نے سیر کی ہے۔ شاید ہی کسی نے کی ہو۔ شام کو کچھ دیر مقامی سٹورز کا چکر لگا کر ہم ساحل سمندر پر چلے گئے۔ جو وہاں کا بہت مشہور مقام ہے، بہت خوبصورت نظارہ تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک عورت کا بت تھا

جو دو بیلوں کو کھینچ رہی تھی فوارے اس کے اندر سے نکل کر ایک تالاب میں بہہ رہے تھے اور تالاب کا پانی ایک اس سے بھی بڑے تالاب میں بہہ رہا تھا یہ بُت ڈنمارک کی زرخیزی کی علامت کے طور پر نصب کیا گیا تھا۔ ساحل کے اوپر ایک خوبصورت پارک بھی تھا جس میں بے شمار رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوتے تھے۔ اس کے بعد ہم مشہور مصنف اینڈرسن کی کہانیوں کا مقبول کردار "جل پری" دیکھنے ساحل کی طرف بڑھے جل پری عین سمندر کے کنارے ایک بڑے گول پتھر پر بیٹھی تھی۔ اس کے بیٹھنے کا انداز دل شکستہ تھا۔ کہانی کے مطابق جل پری کا شہزادہ اس کو سمندر کے کنارے تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور وہ اس کے آنے کے انتظار میں تنہا اور اداس بیٹھی تھی بارش ہونے لگی اس لیے ہم جلدی جلدی واپس لوٹے۔ راستے میں کمال صاحب نے چھوٹی سی جل پری امی کو تحفہ میں پیش کی۔ امی کو SOU - VE - NIR کا بہت شوق تھا اور جو مقام دیکھ لیتیں وہاں سے ضرور ایک چھوٹی سی یادگار خرید لیتیں۔

رات کا کھانا کمال صاحب نے خود بنایا۔ مسز احمد بہت خوش اخلاق خاتون تھیں۔ صورت سے کچھ اُداس لگتیں بعد میں پتہ چلا انکا ماضی بہت دردناک گذرا ہے۔

دوسرا دن ۲۳ راگست کافی مصروف تھا۔ آج ہم ٹرین کے ذریعہ ایک مشہور محل دیکھنے HEL SINGO جا رہے تھے۔ تمام راستہ بہت خوبصورت تھا گھنے جنگلات سے گھرا ہوا جو کہ بادشاہ کی شکارگاہیں

تھیں۔ کہیں کہیں سمندر بھی مل جاتا تھا۔ کمال صاحب نے بتایا کہ یہ راستہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو بہت پسند ہے۔ HELSINGO کا محل سمندر کے اوپر واقع ہے یہ ایک بہت پُرانا محل ہے لیکن بادشاہ کی رہائش گاہ نہیں رہی۔ اندر سے تو محل کوئی خاص نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے ہم نے بے شمار خوبصورت محل دیکھ لیے تھے، لیکن محل کا گرجا دیکھنے کے لائق تھا۔ وہاں کے فانوس، شمعدان اور سونے کے کام کا منبر قابلِ دید تھے واپسی پر بس کے ذریعے ہم نے کچھ راستہ طے کیا۔ پھر ٹرین کے ذریعے کوپن ہیگن واپس لوٹے۔ بھائی مسعود سارا راستہ امّی کو مختلف جگہوں کے متعلق معلومات دیتے رہے کوپن ہیگن پہنچ کر بہت تھکے ہوتے تھے لیکن بھائی مسعود امّی کا شوق دیکھ کر ان کو ایک اور محل " روزن برگ" دکھانا چاہتے تھے جو سٹیشن کے قریب ہی تھا۔ عمارت تو اس محل کی بھی کوئی خاص نہ تھی۔ لیکن اندر سے بہت سجا ہوا تھا۔ یہ مکمل طور پر آراستہ تھا اور بادشاہ اور ملکہ کی ذاتی اشیاء کی بھی نمائش کی گئی تھی پُرانی پچی کاری کی سجاوٹیں بڑی بڑی گھڑیاں اور تصاویر قابلِ ستائش تھیں اور اس کے بعد ہم پارلیمنٹ ہاؤس ٹاؤن ہال وغیرہ دیکھنے چلے گئے پارلیمنٹ ہاؤس کے استقبالیہ کمروں تک پہنچ کر ہم اتنا تھکن سے چُور تھے کہ بھائی مسعود امّی کے لیے چائے اور میرے لیے گرم دودھ بستر میں ہی دے گئے تھوڑی دیر کے بعد ہم پھر تروتازہ ہو گئے۔ بھائی مسعود کا دل چاہتا تھا کہ ہم زیادہ سے

زیادہ جگہیں دیکھ لیں اس لیے پھر ساحل پر لے گئے وہاں کمال صاحب نے بہت زور لگایا کہ سویڈن بھی ہو آئیں امّی تو راضی بھی ہو گئیں، لیکن میں نے امّی کو جانے سے روک دیا۔ میں بھی تھکی ہوئی تھی اور مجھے ڈر تھا کہ امّی اپنی طاقت سے بڑھ کر نہ ہمت کر لیں اور ہمارا بعد کا سفر خراب ہو۔ یہ ہمارا آخری دن کوپن ہیگن میں تھا۔ واپسی پر بھائی مسعود نے بادشاہ کا محل دکھایا جس میں وہ آج کل رہائش پذیر ہے اس کو دیکھ کر ہم کافی مایوس ہوئے۔

سوئٹزر لینڈ

۲۴ راگست کو ہم صبح ۹ بجے کوپن ہیگن سے سوئٹزر لینڈ کے لیے روانہ ہوئے جاتے ہوئے بھائی مسعود نے مجھے اینڈرسن کی FAIRY-TALES تحفہ دی جو مجھے بہت پسند آئی۔ زیورک کے ایئرپورٹ پر بھائی موجی آپا قدسیہ اور باجوہ صاحب ہمیں لینے آئے ہوئے تھے۔ سامان نکلوانے کے بعد ہم ایئرپورٹ سے باجوہ صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے زیورک بہت صاف ستھرا لگا۔ گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغیچے پھلوں کے درختوں سے لدے ہوئے تھے۔ باجوہ صاحب کے فلیٹ کے ساتھ ہی ایک بہت خوبصورت کاٹج تھی جو پھلوں اور پھولوں سے بھری ہوئی تھی۔ زیورک کو جیسا سُنا تھا ویسا ہی خوبصورت پایا۔ باجوہ صاحب کا اپنا فلیٹ بہت صاف ستھرا تھا۔ دونوں میاں بیوی

صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے اپنے چھوٹے سے فلیٹ کو انڈے کی طرح صاف رکھا ہوا تھا۔ سب سے بڑا کمرہ امی کے لیے تیار کیا گیا تھا جس میں ایک ڈبل بیڈ تھا۔ ساتھ ہی ایک دیوان پر میں سو جاتی تھی۔ ایک اور چھوٹا سا بیڈ روم تھا جس میں باجوہ صاحب آپا کلثوم (بیگم باجوہ صاحب) ان کا بیٹا یحییٰ اور موجن لطیف صاحب مبلغ جرمنی کی بیٹی رہتے تھے اس کے علاوہ صرف ایک چھوٹی سی بیٹھک تھی جس میں بعد میں لطیف صاحب رہتے تھے۔ باجوہ صاحب تو گویا امی کے انتظار ہی میں تھے۔ کھانے کے فوراً بعد باجوہ صاحب نے بتایا کہ ایک اخبار نویس امیّ کا انٹرویو لینے آرہے ہیں اور وہ ٹیپ کیا جائے گا۔ انہوں نے کچھ سوالات دیئے جو پوچھے جانے تھے۔ امیّ لکھواتی جاتی تھیں اور بھائی موجی ان جوابات کو اردو اور انگریزی میں لکھتے جاتے تھے۔ اخبار نویس ایک نوجوان لڑکی تھی۔ وہ جرمن زبان میں سوال کرتی تھی۔ اور موجن (لطیف صاحب کی بیٹی) اس کا اُردو میں ترجمہ کر کے امیّ کو بتاتی جاتی تھی۔ امیّ اُردو ہی میں جواب دیتی تھیں اور موجن پھر دوبارہ جرمن میں ترجمہ کرتی جاتی تھی انٹرویو کوئی ایک گھنٹہ جاری رہا وہ اخبار نویسہ ہم سے بے تکلفی سے بولتی رہی۔ ہم نے تنگ پاجامے پہنے ہوئے تھے وہ اس کو بہت پسند آئے۔ بہت خوشگوار ماحول میں انٹرویو ختم ہوا اور دوسرے دن اخبارات میں بیت کے سنگِ بنیاد کی تقریب کے ساتھ شائع ہوا۔ سفر کی کوفت پھر آتے ہی انٹرویو نے امیّ کو تھکا دیا۔ اس لیے کچھ دیر آرام کیا۔ مجھے

بھی گلے اور جسم میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ شام تک بخار بھی ہوگیا امی بہت پریشان تھیں۔ پل پل پر ڈاکٹر کو دکھانے کی عادت یہاں یہ سہولت کہاں تھی۔ گھر میں جو دوائیں تھیں وہ کھائیں اور شام کو زیورک کی جھیل دیکھنے چلے گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور ایک خوش مزاج آدمی تھا سارا راستہ وہ مختلف مقامات کے متعلق بتاتا رہا۔ زیورک کی جھیل پر پہنچنے کے بعد بھائی موجی نے شاید اس کی خوش مزاجی کی یادگار کے طور پر اس کی "مووی" بنائی جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ اور دو گھنٹہ بعد دوبارہ ہمیں واپس لے جانے کے لیے آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ زیورک کی جھیل سرسبز پہاڑوں میں گھری ہوئی بے انتہا خوبصورت لگی۔ لوگ اپنی ذاتی چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلا رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ہم نے بجلی کی تار پر چلنے والے کیبن دیکھے جو جھیل کے پار لے جا کر واپس آتے تھے امی کو بجلی کے تاروں پر چلنے والے ان کیبنوں سے بہت خوف آتا تھا اس لیے انہوں نے مجھے اور بھائی موجی کو آپا قدسیہ کے ساتھ بھیج دیا بلندی سے زیورک کا نظارہ بہت بھلا لگتا تھا جھیل کے دوسری طرف ایک خوبصورت پارک تھا۔ جو پھولوں اور فواروں سے بھرا ہوا تھا۔ بھائی موجی نے سارے نظارے کی مووی بنائی اور امی کو چونکہ اکیلا چھوڑ آئے تھے اس لیے بہت جلد واپس آ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ہمارا ٹیکسی ڈرائیور آگیا اور ہم واپس لوٹ آئے۔

☆

ایک یادگار دن

۲۵ راگست کا دن تاریخ احمدیت کے لیے ایک یادگار دن تھا۔ آج کے دن عیسائیت کے گڑھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی کے ہاتھوں خانۂ خدا کی نبیاد رکھی جانی تھی۔ ساری رات میں بخار میں پھنکتی رہی۔ صبح اُٹھی تو اتنی کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور ساتھ ہی بخار بھی اب تک تیز تھا کہ اُٹھنے کی ہمت نہ پاتی تھی، لیکن امّی نے زبردستی اُٹھایا کہ کپڑے بھی بے شک نہ بدلو۔ برقعے میں چھپ جائیں گے آج کا دن واپس نہیں آئے گا۔ ٹیکسی پر ہم سب یعنی امّی۔ بیگم کلثوم باجوہ آپا قدسیہ۔ موجن بیت کی جائے وقوع پر پہنچ گئے۔ کافی تعداد میں کیمرہ مین اخبار نویس اور دیگر مہمان وہاں پہلے سے موجود تھے۔ جونہی امّی کار سے اُتریں ان کی پیشوائی کے لیے باجوہ صاحب آگے بڑھے کیمرہ مین تصاویر کھینچنے میں مشغول ہوگئے اور اخبار نویس لکھنے لگے۔ بھائی موجی بھی کچھ فاصلے پر کھڑے سارے ماحول کی مووی بنا رہے تھے۔ ہم سب عورتوں نے بُرقعے پہن رکھے تھے اور صرف ہماری آنکھیں نظر آتی تھیں سیڑھیوں سے نیچے بیت کی زمین پر اُترے تو دو "سویس" (SWISS) لڑکیوں نے آگے بڑھ کر امّی کو گلدستے پیش کیے۔ سارے ماحول پر ایک سناٹا سا تھا گویا اس تقریب کی اہمیت کا احساس ہر شخص کو ہو رہا تھا۔ ہم احمدیوں کے دل تو اس اُمید سے پُر تھے کہ

عیسائیت کے اس گڑھ میں بیت کی تعمیر انشاء اللہ ..... اور احمدیت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرے گی۔ امی پر بھی غیر معمولی اثر تھا۔ باجوہ صاحب امی کو سنگِ بنیاد کی جگہ کی طرف لے گئے۔ امی کو اینٹ پکڑائی۔ امی نے اس پر سیمنٹ اچھی طرح لگا کر اس کو اپنی جگہ پر نصب کر دیا۔ باجوہ صاحب نے اوپر سے اور سیمنٹ اچھی طرح لگا کر اس کو ہموار کر دیا۔ سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد رپورٹروں نے امی سے درخواست کی کہ ریڈیو پر آپ SWISS لوگوں کے لیے کوئی پیغام دیں امی اس کے لیے تیار نہیں تھیں نہ ہی آپ کو بولنے کی عادت تھی طبیعت میں جھجک بھی بہت تھی، لیکن اس موقع پر بہت ہمت کر کے مان گئیں یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ میں نے امی کو خود بولتے سنا ورنہ تقریبات میں اپنا پیغام لکھ کر کسی سے پڑھوا دیا کرتی تھیں۔ امی نے SWISS لوگوں کا اس موقع پر تعاون اور دلچسپی کا مظاہرہ کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ اور ان کو نصیحت کی کہ اسلام کو بغیر کسی تعصب کے پڑھیں اور اس کی دعوت پر غور کریں لطیف صاحب امام جرمنی نے اس پیغام کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد امی نے دعا کرائی اور یوں یہ یادگار تقریب کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔ اس ساری تقریب کے دوران ابا کی یاد بُری طرح ستاتی رہی اس سارے سفر میں شاید ہی کوئی لمحہ گذرا ہو جو ابا نہ یاد آتے ہوں لیکن آج کے دن جب امی کے ہاتھوں یہ عظیم الشان کام ہوتے دیکھا تو ان کی یاد ایک

مستقل سین بن گئی یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا ابّا محبت اور پیار اور فخر سے امّی کو دیکھ رہے ہوں امّی اور آپا قدسیہ کی بھی یہی کیفیت ہو گی، لیکن ہمارے یہاں جذبوں کی زبان نہیں وہ محسوس تو کیئے جاتے ہیں۔ پر زبان پر نہیں آتے۔

۲۶ راگست کو صبح باجوہ صاحب، بیگم باجوہ، موجن اور لطیف صاحب کے ساتھ "لوسرن" کی سیر کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ جگہ زیورچ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے سارا رستہ خوبصورت تھا۔ سرسبز پہاڑ۔ جھیلیں۔ پھلدار درخت نظارے کو اور بھی دیدہ زیب بنا رہے تھے "لوسرن" کا باغ بہت خوبصورت ہے۔ یہاں پر ایسے کھنڈرات بھی تھے جو STONE AGE سے تعلق رکھتے تھے اور ایسے ایسے جانور جن کی نسل ختم ہو چکی ہے۔ وہاں سے ہم لوسرن کی جھیل پر گئے جو اپنی خوبصورتی میں خاص سمجھی جاتی ہے چھوٹی چھوٹی کشتیوں نے جھیل میں جال سا بنا رکھا تھا۔ چاروں طرف سرسبز پہاڑ تہہ در تہہ دکھائی دے رہے تھے بھائی موجی نے خوب تصاویر لیں۔ اس کے بعد ہم پہاڑوں کے اُوپر گئے باجوہ صاحب کا بیٹا بہت خوش ہوا اور چاروں طرف دوڑنے لگا۔

۲۷ راگست کو ہم لندن کے لیے روانہ ہوئے ارادہ تو پہلے پیرس جانے کا تھا۔ لیکن آپا قدسیہ اپنے بچے لندن چھوڑ آئی تھیں اور سیمیں کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ رفیق صاحب نے لندن سے فون پر مشورہ دیا کہ ہمیں واپس آجانا چاہیئے اس لیے اسی دن سیٹیں بک کروا کر ہم

لندن کے لیے روانہ ہوتے اور یوں یہ سفر دین و دُنیا کے لحاظ سے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی سے اختتام پذیر ہوا۔

(ماہنامہ مصباح بابت جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

حضرت سیّدہ دُختِ کرام کی المناک وفات

چھ مئی ۱۹۸۷ء بروز بدھ بوقت پونے تین بجے سہ پہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ قریباً تراسی سال کی عمر میں عالم فانی سے رحلت فرما کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے کسی کو رستگاری نہیں ایسے مواقع پر رنج والم ایک طبعی تقاضا ہے اپنے پیاروں کی وفات پر دل اُمڈ آتا ہے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور انسان صبر و ضبط کے باوجود جذبات کی شدّت سے مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے بسا اوقات یہ حالت بھی ہو جاتی ہے کہ ؎

جذبۂ صبر و تحمل تھا کہ خوفِ معصیت
سینکڑوں شکوے زبان پر آئے آ کر رہ گئے

لیکن ایک مومن کا یہی شعار ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں نہ تو مایوس ہوتا ہے نہ شکوہ بہ لب ہمیشہ رضائے الٰہی پر راضی اور صابر وشاکر رہتا ہے اور اس المناک سانحہ پر خاندان مسیح موعودؑ کے ہر ایک فرد اور جماعت احمدیہ کے ہر ایک رُکن نے صبر و شکیبائی کا مثالی مظاہرہ کیا اور رَضِینَا بِاللّٰہِ رَبًّا کا عملی کردار ادا کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہر لمحہ ان کے سامنے رہا کہ حضور کا لختِ جگر وفات پا گیا۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ روتے ہیں؟ فرمایا اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا۔ یعنی بے شک آنکھ اشکبار ہے اور دل ملول وحزیں ہے مگر اس حال میں بھی ہم وہی کہتے ہیں کہ جس سے ہمارا رب راضی ہو۔

سو غم تو ایک طبعی تقاضا ہے جو اس قسم کے مواقع پر ہر انسان محسوس کرتا ہے اس سے کسی طور مفر نہیں، لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت کے خلاف کوئی ایک لفظ بھی منہ سے نکالنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے ؏

کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا

پس اس طبعی تقاضا کے تحت دل مغموم ہوتے اور آنکھیں اشکبار کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر۔ نورِ چشم حضرت سیّدہ نصرت جہاں۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی سب سے چھوٹی پیاری اور دلاری ہمشیرہ

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کی پیاری پھوپھی (بلکہ حضور نے فرمایا۔ "آپ میری والدہ کی طرح تھیں جو مجھ سے جُدا ہوگئیں") آج ہم میں موجود نہیں۔ آپ کا وجود ایک نادر وجود تھا۔ مقدس بابرکت نابغۂ روزگار۔ آپ حسب بشاراتِ الٰہیہ مبشر اولاد کا ایک فرد تھیں۔ افسوس مبشر اولاد کا آخری فرد بھی راہی ملک بقا ہوگیا اور آپ کی وفات سے مبشر اولاد کا عہدِ زریں ختم ہوا۔ ایک ایسے بابرکت یادگاری دور کا اختتام ہوا جو کم و بیش ایک صدی پر محیط ہے اور جسے انشاء اللہ رہتی دُنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

آپ ۲۵ جون ۱۹۰۴ء کو حضرت سیدہ نصرت جہاں کے بطن سے تولد ہوئیں ولادت سے قبل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت کی خبر دی اور آپ کو "دُختِ کرام" کے لقب سے نوازا (یعنی ایک لڑکی ہوگی جو ہر جہت سے کریموں کی دختر ہوگی (البدر ۳ والحکم ۸۔ تذکرہ ص ۴۷۵) اور یہ کریمانہ اخلاق سے متصف کریموں کی دختر ۶ مئی ۱۹۸۷ء کو بروز بدھ بوقت پونے تین بجے سہ پہر بیت الکرام ربوہ میں وفات پاگئیں اور اس طرح عمر عزیز کے کم و بیش ۸۳ سال آپ نے اس دنیائے فانی میں گذارے اور اس شان سے کہ ؏

نظارہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

والی کیفیت تھی۔ ساری عمر قال اللہ اور قال الرسول پر عمل پیرا رہیں۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ہمیشہ کوشاں رہیں۔

لاریب ایسی بزرگ و برتر ہستیاں افضال و برکاتِ الٰہی کا مَورد ہوتی ہیں آلام و مصائب میں ان کا وجود قلعہ نما ہوتا ہے۔ حصنِ حصین۔ عافیت کا حصار۔ خُدا تعالیٰ کو ان کا اکرام منظور ہوتا ہے وہ مستجاب الدعوات ہوتی ہیں مخلوقِ خدا ان کی وجہ سے ابتلاء و آفات میں امن و عافیت میں رہتی ہے۔ ان کی دُعاؤں سے ایک عالم فیض یاب ہوتا ہے اور بہت سی بلائیں ٹل جاتی ہیں دُنیا کی تقدیریں بدل جاتی ہیں اور آج —— ان جیسی مبارک اور فیض رساں ہستیوں میں سے ایک ہمیں ملول و مخروں بنا کر بلکتا چھوڑ کر عالمِ بالا کو سدھار گئیں ؎

دنیا بھی اک سرا ہے بچھڑے گا جو ملا ہے ٭ گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جُدا ہے
شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے

حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے وہ تو مجسمۂ حسن و خوبی تھیں۔ سراپا شفقت اور آپ کی شفقت و رأفت ہر ایک کے لیے تھی خصوصاً بچوں کے ساتھ آپ کا سلوک انتہائی مشفقانہ تھا آپ سب کی ہمدرد و غمگسار اور مونس و ہمدم تھیں۔ خاندان کے کسی بھی فرد کی ذراسی تکلیف پر بے چین ہو جاتیں۔ جماعت کے ہر فرد کا آپ کو خیال تھا اپنے ذی وقار شوہر کی دل و جان سے خدمت کرنے والی مطیع و فرمانبردار اور اپنے بچوں اور عزیزوں پر جان چھڑکنے والی۔ شیریں کلام ایسی کہ ان کے دو بول ہی دلوں کے لیے ڈھارس بن جاتے۔ وہ جس لقب سے ملقب تھیں انہوں نے اپنے آپ کو ویسا ثابت کر دکھایا۔ کیونکہ وہ بلاشبہ اخلاقِ

کریمانہ سے متصف۔ صفاتِ حسنہ سے مزین اوصافِ حمیدہ کی امین۔ انتہائی جاذبِ نظر پُرکشش اور باوقار صورت وسیرت کی مالک تھیں اور ان کے مبارک وجود سے بہت سی برکات وابستہ تھیں ہمارے دل فگار ہیں لبوں پر آہ ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں کیونکہ ایک ایسا قیمتی اور بابرکت وجود ہم میں نہیں ہے جو ہمارے ٹوٹے ہوتے دلوں کو ڈھارس بندھانے اور غم واندوہ میں ہماری اشک شوئی کرنے اور حوصلہ و ہمت دلانے والا تھا جو اپنی نیم شبانہ دُعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے حضور متضرعانہ التجاؤں سے ہمارے لیے دین و دُنیا کی راحتیں طلب کیا کرتا تھا۔ وہ جو ہمارے لیے ایک ٹھنڈی میٹھی پُرسکون چھاؤں تھا جس کو دیکھ کر دل اطمینان پاتا تھا اور جس کا دل ہر ایک کے لیے دھڑکتا تھا اسے ہمارے پیارے خدا اپنے پیارے کی اس لاڈلی کو جو عمر بھر نازونعم میں پلنے کے باوجود تیرے آستانہ پر سجدہ ریز رہی اور جس نے ہم سب کے لیے ان گنت دُعائیں کیں جو جماعت کی محسنہ تھیں۔ اپنی رضا کی جنت عطا فرما اور ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھیو ان کی یاد ہمارے لیے حرزِ جان ہے اور ہم سب ان کے بغیر افسردہ دل ملول ومحزون تو ہیں لیکن راضی برضا ہیں۔

وہ جو اپنی ساری زندگی دوسروں کے لیے بے چین رہیں آج اپنے پیاروں کو چھوڑ کر راہیٔ ملکِ بقا ہو گئیں۔ غالب کے الفاظ میں یہ پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

اے رہ نوردِ عالمِ بالا چگونہ ای

مابے تو درہمیم تو بے ماچگونہ ای

(اے عالم بالا کو جانے والے آپ کس حال میں ہیں ۔ ہم تو آپ کے بغیر ہم وغم میں ہیں، لیکن آپ ہمارے بغیر کس حال میں ہیں)

لیکن وہ راہ نوردانِ عالم بالا تو خوش وخرم کامیاب وکامران اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنّت کی طرف محوِ خرام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یہ مسحور کُن ندا ان کے لیے سامعہ نواز ہے کہ

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

(از اداریہ ماہنامہ مصباح ربوہ بابت ماہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء جو مرتب کتاب ہذا سیّد سجاد احمد نے تحریر کیا)

نمازِ جنازہ و تدفین

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا جسدِ خاکی ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں جمعرات ۷ مئی ۱۹۸۷ء بوقت ساڑھے چھ بجے شام بہشتی مقبرہ ربوہ کی اندرونی چار دیواری میں سُپردِ خاک کر دیا گیا ۔ نمازِ جنازہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ امام جماعت کی ہدایت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفیق حضرت مولوی محمد حسین صاحب نے بیت اقصیٰ میں ۵ بجے شام پڑھائی ۔ تدفین مکمل ہونے پر حضرت مولوی صاحب موصوف ہی نے دُعا کرائی ۔ ایک محتاط اندازہ کے

مطابق نمازِ جنازہ اور تدفین میں شامل ہونے والے مرد و زن کی تعداد تیس[۳۰] ہزار سے متجاوز تھی۔ ان میں اہلِ ربوہ کے علاوہ ملک کے کونے کونے سے آتے ہوتے احمدی احباب و خواتین شامل تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اور حضور کی صلبی اولاد کی آخری نشانی اور ایک بابرکت و مقدس وجود کے جنازہ میں شرکت اور محبت و عقیدت کے اظہار کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔

آخری دیدار

حضرت سیّدہ موصوفہ کے انتقال کے دو گھنٹہ بعد ۶ مئی ۱۹۸۷ء شام ۵ بجے سیّدہ موصوفہ کا جسدِ خاکی عورتوں کی آخری زیارت کے لیے حضرت سیّدہ مرحومہ کی رہائش گاہ بیت الکرام واقع دارالصدر جنوبی کے بڑے کمرہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ حضرت سیّدہ مرحومہ کے انتقال کی خبر سارے ربوہ میں پھیل گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد مرد و خواتین جوق در جوق سیّدہ مرحومہ کے گھر آنے لگیں۔ چنانچہ ۵ بجے شام خواتین کی بہت بڑی تعداد نے حضرت سیدہ مرحومہ کا آخری دیدار کیا یہ سلسلہ ۶½ بجے شام تک جاری رہا اگلے روز صبح ۶ بجے پھر آخری دیدار کا سلسلہ شروع ہوا خواتین لمبی قطاروں میں اپنی باری کے انتظار میں کھڑی تھیں وقت کی تنگی اور خواتین کی بھاری تعداد کے پیش نظر خواتین کو ہدایت کی جاتی رہی کہ وہ تیزی سے دیدار کر کے گذرتی چلی جائیں تاکہ سب موجود خواتین دیدار کر سکیں۔ اس طرح ہزاروں

خواتین نے حضرت سیّدہ مرحومہ کا آخری دیدار کیا۔

جنازہ کی بیتِ اقصیٰ روانگی

اگرچہ پہلے یہ پروگرام تھا کہ نماز جنازہ زنانہ جلسہ گاہ کے احاطہ میں ادا کی جائے گی، لیکن رات کو بارش ہو جانے کی وجہ سے نماز جنازہ بیت اقصیٰ میں ادا کئے جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت مرحومہ کا جسدِ خاکی ۷، مئی شام پونے پانچ بجے سفید رنگ کے لکڑی کے تابوت میں جس کے اندر اور باہر جست کی چادر لگی ہوئی تھی بیت اقصیٰ لے جایا گیا۔ تابوت فضل عمر ہسپتال کی ایمبولینس میں رکھا ہوا تھا۔ جسے مکرم عبد الشکور صاحب ڈرائیو کر رہے تھے اور اس میں حضرت سیّدہ مرحومہ کے تینوں صاحبزادگان مکرم نواب زادہ عباس احمد خان صاحب ۔مکرم نواب زادہ شاہد احمد خان صاحب اور مکرم نواب زادہ مصطفیٰ احمد خان صاحب کے علاوہ محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ۔ محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد (مقامی) اور صاحبزادہ مرزا مجیب احمد صاحب بھی موجود تھے۔ جنازہ کے آگے دو مستعد خدام موٹر سائیکلوں پر بطور پائلٹ چل رہے تھے اس کے بعد ایک مجلس خدام الاحمدیہ کی گاڑی اور دو گاڑیاں فلم بنانے والے مووی کیمرہ والوں کی تھیں۔ ایک فلم مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب بنا رہے تھے اور دوسری فلم مکرم ملک نسیم احمد صاحب۔ ایک گاڑی حفاظت کی غرض سے ایمبولینس

کے پیچھے تھی اور اس کے بعد کم و بیش پچاس گاڑیاں جنازہ کے ساتھ بیت اقصیٰ کی جانب رواں دواں تھیں جن میں افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ اہالیانِ ربوہ اور باہر سے آئے ہوئے متعدد احمدی احباب اور عہدیدارانِ جماعت کی گاڑیاں شامل تھیں۔ بیت الکرام سے جنازہ روانہ ہوا اور دارالصدر کی درمیانی سڑک سے ہوتا ہوا۔ فیکٹری ایریا کے ریلوے کراسنگ والی سڑک کو عبور کر کے چمن عباس کے سامنے والی سڑک سے گذرتا ہوا بیت اقصیٰ پہنچا اور ٹھیک ۵ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بیت اقصیٰ کے اندرونی حصہ اور صحن کے علاوہ سالانہ جلسہ گاہ کا ایک حصہ بھی نماز جنازہ ادا کرنے والوں سے پُر تھا۔

بہشتی مقبرہ روانگی

نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد تابوت کو چارپائی پر منتقل کر دیا گیا جس کے ساتھ دونوں طرف لمبے بانس موجود تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ احباب کو کندھا دینے کا موقع مل سکے اور ساتھ مضبوط خدام کا ایک حلقہ اس کے اردگرد موجود تھا۔ تاکہ ہزار ہا نفوس پر مشتمل اژدہام کو کنٹرول کیا جا سکے۔ اس حلقہ کے اندر خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے افراد۔ ناظر و وکلاء صاحبان حضرت سیدہ مرحومہ کے بعض غیر از جماعت سسرالی رشتہ دار وغیرہ موجود تھے۔ راستہ بھر میت کو کندھا دینے والے احباب بدلتے رہتے تھے۔ جنازہ بیت اقصیٰ سے اقصیٰ روڈ پر ریلوے پھاٹک سے گذرتا ہوا ایوانِ

محمود کے سامنے والی سڑک پر آیا۔ اور چوک یادگار والی سڑک سے ہوتا ہوا دارالضیافت کے سامنے سے گذر کر بیت مبارک والی سڑک پر لایا گیا۔ اور سرگودھا روڈ سے گذر کر بہشتی مقبرہ کے مغربی گیٹ سے داخل ہو کر چار دیواری میں پہنچایا گیا۔ اس سارے راستہ پر بھی دو موٹر سائیکل سوار خدام الاحمدیہ کی گاڑیاں اور ڈیوٹی دینے والے خدام ہمراہ رہے مجموعی طور پر ۳۰۰ کے قریب خدام جنازہ کے انتظامات میں شریک تھے۔ چار دیواری کے اردگرد بھی خدام کا ایک حلقہ موجود تھا۔ اور چار دیواری کے اندر محدود گنجائش کے پیش نظر محدود افراد ہی کو اندر جانے کی اجازت تھی۔

آخری آرام گاہ

صدر انجمن احمدیہ نے حضرت سیدہ مرحومہ کے مزار کی جگہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کے پہلو میں متعین کی تھی، لیکن اس مزار کے پہلو میں مطلوبہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ سے لندن رابطہ قائم کیا گیا اور حضور کے ارشاد کے مطابق چار دیواری میں شرقی سمت توسیع کی گئی اور وہاں تدفین ہوئی۔

حضرت سیدہ مرحومہ کی نماز جنازہ اور تدفین میں شامل ہونے کے لیے پاکستان کے دور دراز علاقوں سے بھی احمدی مرد و خواتین طویل سفر کر کے آئے۔ کراچی۔ کوئٹہ۔ پشاور کے علاوہ اندرونِ سندھ کے دیہات بہاولنگر کے دور دراز کے دیہات اور پنجاب کے دیہاتی اور شہری علاقوں

سے احباب تشریف لاتے تھے۔ دارالضیافت (لنگر خانہ حضرت مسیح موعودؑ) کے علاوہ ربوہ کے سارے گیسٹ ہاؤسز باہر سے آنے والے مہمانوں سے پُر تھے۔ بے شمار لوگ کاروں بسوں اور ویگنوں وغیرہ پر بھی آتے۔

لندن سے امیر جماعت احمدیہ برطانیہ محترم آفتاب احمد صاحب جماعتِ برطانیہ کے نمائندہ کے طور پر آئے ہوئے تھے مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کی طرف سے مکرم مرزا عبدالرشید صاحب۔ مجلس انصاراللہ یوکے کے نمائندہ مکرم مجیب اللہ صادق صاحب اور لجنہ اماء اللہ انگلستان کی نمائندہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ بھی تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ ربوہ اور باہر سے آنے والے ہزاروں مرد و خواتین نے بیت الکرام ربوہ جاکر حضرت سیدہ مرحومہ کے صاحبزدگان اور دیگر عزیز واقارب سے اظہارِ تعزیت کیا ...... كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

(ملخص از ضمیمہ ماہنامہ انصاراللہ بابت ماہ مئی ۱۹۸۷ء)

٭٭٭٭٭

دُختِ کرام حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی وفات اور ذرائع ابلاغ

۶ مئی ۱۹۸۷ء بوقت پونے تین بجے سہ پہر حضرت سیّدہ کی وفات کے معاً بعد ملک کے امراء اضلاع کو بذریعہ فون اس المناک سانحہ کی اطلاع دے دی گئی جہاں سے مختلف ذرائع سے ملک کے کونے کونے میں یہ خبر پہنچا دی گئی۔ بیرونی ممالک میں لندن کے مرکز کے ذریعہ ساری دُنیا کے ممالک میں آناً فاناً یہ خبر پھیل گئی۔ علاوہ بریں قومی اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا۔ ربوہ کے رسائل وجرائد نے تعزیتی نوٹ لکھے بیرونِ ملک سے شائع ہونے والے مختلف براعظموں کے احمدی اخبارات نے آپ کے سانحہ ارتحال پر اپنے اپنے انداز میں حضرت سیّدہ مرحومہ کو خراجِ عقیدت وتحسین پیش کیا۔ دُنیا بھر کی احمدی جماعتوں کے افرادِ جماعت نے ہزاروں خطوط۔ ٹیلیفونز۔ فیکس اور تاروں کے ذریعہ حضرت سیّدہ مرحومہ کی وفات پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت سیّدہ مرحومہ کے صاحبزادگان۔ صاحبزادیوں اور دیگر عزیز و اقارب سے اظہارِ تعزیت و افسوس کیا۔

ہفت روزہ "لاہور" لاہور میں جناب ثاقب زیروی نے ۱۶ مئی

۱۹۸۷ء کے شمارہ میں لکھا:

نواب امۃ الحفیظ بیگم کی وفات

گزشتہ بُدھ کو عالمگیر جماعت احمدیہ کے مرکز ربوہ میں دو بجکر پینتالیس ۴۵ منٹ پر (بعد دوپہر) حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی مبشر اولاد۔ جماعت کے موجودہ امام کی پھوپھی اور نواب محمد عبداللہ خان آف مالیرکوٹلہ کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وفات کے وقت موصوفہ کی عمر ۸۳ برس تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نمازِ جنازہ اگلے دن (جمعرات کو) نمازِ عصر کے بعد بیت الاقصیٰ میں ادا ہوئی جس میں ہزارہا افراد نے شرکت کی۔

ایک عبادت گزار اور شب زندہ دار خاتون۔ شفقت و مروت کا مجسمہ۔ محبت و رأفت کی چلتی پھرتی تصویر جس کا دلدار و غمگسار اور خوش اطوار وجود دکھی اور مفلوک الحال انسانیت کے لیے اُمید و تسکین کا پیغام تھا جس کا در بے سہاروں اور ضرورت مندوں کے لیے ہر وقت کُھلا رہتا تھا اور جس کی اپنے خالقِ حقیقی کے دین سے والہانہ شیفتگی و وارفتگی ایک ایمان افروز و لائق صد تقلید نمونے کا حکم رکھتی تھی۔ اللہ ان کی بال بال مغفرت فرماتے اور اپنی قربت خاص سے نوازے۔ آمین ——— موت سے کسے مفر ہے۔ جو آیا ہے وہ جاتے گا۔ جو بنا ہے وہ ایک روز ٹوٹے گا۔ قلق ہے تو اس امر کا کہ جُوں جُوں محبت و رأفت اور دلداری و مروت کے یہ مجسمے نگاہوں سے اوجھل ہوتے جاتے

ہیں ۔فضائے روحانی سے ایک خاص قسم کی طمانیت بخش خوشبو ماند پڑتی جاتی ہے۔

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ نے اپنی اشاعت مئی ۱۹۸۷ء میں تحریر کیا۔

رہے برکت ہمارے آشیاں میں

خوشا قسمت! کہ عصر حاضر میں الٰہی نوشتوں کے مطابق مامورِ زمانہ کی بعثت ہوئی۔ وہ پیاری ہستی جس کو پیارے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے "سلام" کا تحفہ بھیجا اور جس کے ورودِ مسعود پر اہلِ بصیرت کے دل کی کلی کھل اُٹھی اور جھوم کر یہ سُر الاپنے لگی ؎

اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

واقعی باغ احمد میں بہار آئی۔ گلشن کی رعنائیاں بکھریں اور بکھرتی چلی گئیں۔ فضا مہک اُٹھی اور مہکتی چلی گئی۔

بوستانِ احمد کے بنیادی گل ہائے رعنا کی ایک خاص خوشبو تھی۔ ایک خاص رنگ تھا۔ ایک خاص تاثیر و برکت تھی ــــــ ان گلوں نے اپنے اپنے رنگ بکھیرے۔ مہک پھیلائی اور اپنے اپنے نقطہ نفسی آسمان کی طرف اُٹھائے گئے۔ ایک آخری پھول تھا جس کا نام نامی "دختِ کرام" تھا اور جو ۶؍ مئی ۱۹۸۷ء کو ایک لمبے عرصہ تک فضاؤں کو معطر کر کے ہزاروں محبت کے مارے سوگواروں کے ہاتھوں رُخصت ہوا۔

حضرت نواب سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کی ذاتِ گرامی۔

- آخری نشانی تھی بابرکت اولاد کی کہ جس کے ساتھ براہ راست وعدوں کا خزانہ تھا۔
- آخری تبرک تھا اس پیارے امام کا، کہ جس کے شیدائی برکت کے حصول کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔
- آخری کرن تھی اُس جلیل القدر ہستی کی، جس کی ایک جھلک پاکر لاکھوں پروانے قربان ہو ہو جاتے تھے۔

اے قلبِ حزیں! اب اس قسم کی بہار کا دَور ختم ہوا۔ اب یہ واپس نہیں لوٹ سکتی۔ یہ پیاری بہار انگ انگ میں سما جانے والی بہار۔ سانسوں میں بس جانے والی بہار، قلوب کو مدہوش کرنے والی بہار۔ یہ بہار آفریں اب رخصت ہوتی۔ لیکن اس کی ٹھنڈی ہوا کی لپٹیں اور معطر برکات کی لہریں ابھی زندہ ہیں۔ اور وہ اسی طرح تاثیر بخش ہیں جیسے پہلے تھیں۔ ان برکات کو ذخیرہ کرنے کے لیے ظرف کی ضرورت ہے۔ ان کو سمیٹنے کے لیے وسیع دامن کی ضرورت ہے۔ اس دُعا کی ضرورت ہے جو زندہ خدا کے آستانے پر ایسے دستک دیکر فرشتے بیقرار ہوکر برکات کے تمام دروازے کھول دیں اور حضرت مصلح موعود کی اس دُعا کو تعبیر ملے ع

رہے برکت ہمارے آشیاں میں

ماہنامہ تحریک جدید ربوہ نے جون ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں حضرت سیدہ دختِ کرام کی وفات پر یہ تعزیتی نوٹ شائع کیا۔

HAZRAT SAYYEDA NAWAB AMATUL HAFEEZ BEGUM PASSES AWAY

It is announced with great regret that Hazrat Sayyeda Nawab Amatul Hafeez Begum, daughter of the Holy Founder of the Ahmadiyya Jamaat, passed away on the 6th of May, 1987 at the age of 83. Her Janaza was led by Hazrat Maulvi Mohammad Hussain, who had the good opportunity of being with the Holy Founder for some time. The Janaza was offered at the Baitul Aqsa; it was attended by a large number of Ahmadis from Rabwah and from all the parts of the country. Hazrat Mirza Tahir Ahmad, Imam of the Jamaat was represented by a member of the Jamaat in London.

She was buried within the four walls of the Enclosure at the Bahisnti Maqbara which is mostly reserved for the members of the family of the Holy Founder.

Nawab Amatul Hafeez Begum was born on the 25th of June 1904 in accordance with the Good news received by the Holy Founder from God the Almighty This fact has been mentioned by him in his Book Haqiqatul Wahy as the fortieth Sign of God. She was married to Nawab Mohammad Abdullah Khan. The Nikah was performed on the 7th of June 1915 while the Rukhsati (departure to the house of the bridegroom) took place on the 22nd of February 1917.

She was a very pious and blessed lady. She leaves behind three sons and six daughters; her husband had passed away in 1961.

Our heartfelt condolences go to the entire family of the Holy Founder and to every member of the Ahmadiyya Jamaat all over the world.

We pray to God that He may grant His nearness to her and continue exalting her ranks in the Paradise. Ameen.

Tahrik-i-Jadid

اظہارِ تعزیت

حضرت دختِ کرام کی وفات پر دُنیا بھر کے احمدیوں نے اس صدمۂ عظیمہ کو محسوس کیا اور پاکستان اور بیرونی ممالک کے احمدیوں نے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی تعزیت کی احمدی اخبارات و جرائد نے بھی اظہار تعزیت کیا۔ ان سب کا احاطہ کرنا تو ممکن نہیں۔ ان میں سے بعض قابل ذکر خطوط اور قرار دادوں وغیرہ کا تذکرہ حسب گنجائش کر دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ انصار اللہ ربوہ نے اپنی مئی ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں لکھا:

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صلبی اولاد مبارکہ کی آخری نشانی۔ پیارے آقا کی دُختِ کرام۔ حضرت اماں جان کی لختِ جگر حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا مورخہ ۶ مئی ۱۹۸۷ء بوقت تین بجے بعد دوپہر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ ماہنامہ انصار اللہ اس غیر معمولی غمناک اور اشد ترین المناک سانحہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پسران اور دختران کرام اور دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احباب جماعت سے دلی ہمدردی اور گہرے قلبی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔"

●

چند تعزیتی خطوط

(بنام مکرم میاں عباس احمد خان صاحب)

۱۔ مکرم مولانا بشیر احمد خان صاحب رفیق (سابق امام بیت لندن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم محترم حضرت میاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

حضرت بیگم صاحبہ کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کا وجود جماعت کے لیے تعویذ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ان کے بابرکت وجود کی وجہ سے بہت ساری ابتلاؤں اور مصائب سے اللہ تعالیٰ نے جماعت کو محفوظ رکھا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اور بابرکت اولاد کی آخری کڑی جاتی رہیں۔ مجھے حضرت بیگم صاحبہ کی شفقتوں کے مورد ہونے کا موقع اُس وقت ملا۔ جب آپ انگلستان

تشریف لائی تھیں۔ میں آپ کو سیر کرانے کے لیے روزانہ لے جانے کا شرف حاصل کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب میں انہیں LUD GATE لے گیا۔ اور میں نے عرض کیا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مسیح اور دجّال کی آخری جنگ باب اللّٰہ میں ہو گی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے LUD GATE کو باب اللّٰہ قرار دیا ہے تو آپ نے بے ساختہ فرمایا۔ کہ ہاں یہیں وہ جنگ لڑی جاتے گی۔ پھر فرمایا۔ تم نے غور کیا کہ اس جگہ جنگ سے کیا مراد ہے، میں نے عرض کیا مجھے تو معلوم نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ دیکھو۔ عین LUD GATE کے ساتھ والی بلڈنگ پر لکھا ہے۔ THE INTERNATIONAL BIBLE SOCIETY OF GREAT BRITAIN پھر فرمایا کہ ہماری آخری جنگ عیسائیت سے ہونی تھی اور بائبل سوسائٹی کا کام عیسائیت کی اشاعت ہے اس لیے اس میں اس طرف اشارہ تھا۔ حضرت بیگم صاحبہ کو سلیمہ اور میرے تمام بچوں سے بے حد محبّت تھی۔ سلیمہ سے بہت شفقت اور پیار سے ملتیں تھیں۔

آپ ایک مادرِ مہربان سے محروم ہو گئے ہیں، لیکن ان کی دُعائیں آپ کے لیے انشاء اللہ ایک ذخیرہ کا کام دیں گی۔ سلیمہ بھی السلام علیکم عرض کر رہی ہے۔ میرے ساتھ اظہارِ افسوس میں شریک ہیں۔ محترمہ بیگم صاحبہ عزیزان فاروق اور فرخ کو ہمارا اسلام دیں۔۔۔

والسلام خاکسار۔ خادم

بشیر احمد رفیق

52, SMEATON RD. LONDON S.W.18

۲۔ مکرم محترم سردار مصباح الدین صاحب سابق مبلغ انگلستان کراچی سے تحریر فرماتے ہیں :۔

کراچی ۹ رمئی ۱۹۸۰ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُحبّی عزیزی میاں عباس احمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

پیارے۔ جس قضا کے کسی وقت آوارد ہونے کا دلوں کو دھڑکا لگا چلا آرہا تھا وہ قضائے الٰہی تھی۔ نہ ٹلنے والی تھی نہ ٹلی اور وارد ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عزیزم! جس دل توڑ صدمہ اور الم جان پر آوارد ہونے پر آپ سے مخاطب ہوں۔ پیارے۔ اس صدمہ اس غم والم کا اثر آپ کی جانِ حزیں تک ہی نہیں۔ اِک جہان آپ کا شریکِ حال ہے۔ فرشتے شریک حال ہیں۔ عزیزم میں بتلاؤں کہ شراکت کے لیے مدارج ہوتے ہیں۔ اسی نسبت سے رنج وراحت میں شراکت ہوتی ہے۔ ایک شریک حال ایسا بھی ہوتا ہے۔ جو کہ خون کے رشتہ کے دائرہ سے باہر کا ہوتا ہے، لیکن رنج وغم رسیدہ جانتے ہیں کہ وہ بھی صدمہ اور غم والم میں یکساں شریکِ حال ہے۔ پیارے! خود ہی جانتے ہو کہ آپ کے گھرانے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے نسبت غلامی اور روحانی کی بناء پر شراکتِ رنج وراحت ہے، لیکن ان لاکھوں میں بعض نفوس کی خوش نصیبی میں یہ سعادت بھی آئی۔ کہ آپ کے گھرانے سے ذاتی تعلق بھی حاصل رہا۔ اور

آپ خود جانتے ہیں۔ کہ آپ کے ابا جان سے نہ صرف مجھے ہی اپنی ذات میں کسی آن بھی مدھم نہ ہونے والی اُلفت اور محبت تھی بلکہ بحمد للہ انہیں بھی مجھ سے یکساں درجہ کی اُنس و محبت۔ رغبت تھی۔ اس درجہ کہ آپ کے بھی علم اور احساس میں بھی جگہ پا چکی ہوئی تھی۔ عزیزم! اس بارے میں ذکر کروں کہ آپ کے ابا جان کی رحلت ہو جانے پر جب میں ان کی قبر پر مٹی دے رہا تھا تو آپ نے مجھ سے کہا۔ ابا جان کو آپ سے بہت محبّت تھی۔ اور آپ کی امّی جان جن کی اس وقت رحلت پر صدمہ رسیدہ ہونے پر آپ سے مخاطب ہوں۔ میرے علم میں یہ بات آتی رہی کہ کسی کی زبان سے میرا ذکر بھی کسی وقت ان کے سامنے ہو جاتا۔ تو آپ فرماتیں۔ "میرے میاں کے وہ بڑے پیارے اور محبّ اور رفیق رہے ہیں"۔ اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی شادی کی عمر کو جب پہنچ گئی تھی۔ تو مجھے گرامی نامہ لکھا کہ "آپ کے بھائی کی یہ بی بی میرے پاس امانت ہے دعا کریں کہ میں اس امانت سے سبکدوش ہو جاؤں"۔ اللہ اللہ! خدا نے انہیں "دُختِ کرام" قرار دیا۔ ان کے وجود سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول رحمت و برکات کا سلسلہ جاری تھا۔ آہ۔ حضرت اقدس علیہ السلام کے وجود کا ایک لخت ہمارے اندر موجود تھا۔ آج اسے بھی اللہ تعالیٰ نے بُلا لیا ہے۔ اچھا۔ بُلانے والا۔ خالق و مالک۔ طوعاً کرہاً اس سے موافقت ہی ہمارا شیوہ بنتا ہے۔ وما توفیقی الاّ باللہ

جب کبھی ربوہ آنے پر پسر عزیز عبدالقادر سے بھی ملنا ہوا۔ تو اس

نے آپ کے دل میں مجھ فقیر کی یاد کا اظہار کرنے کی مجھے اطلاع دی اور گو جسماً آپ سے فاصلہ پر رہنا ہی مقدر ہوتا تھا، لیکن دل میں ہمیشہ آپ کو اپنے دل اور نظر میں سامنے ہی پاتے رکھا ہے۔ آپ کے لیے دُعا کی توفیق بھی پائی۔ جلد آرہا ہوں۔ اچھا خدا حافظ

والسلام خاکسار شفیق دُعاگو

مصباح الدین

نوٹ:۔ آپ کے بنگلہ کی روڈ کا نام ذہن سے اُتر چکا ہے۔ عزیز میاں مبارک کے خط میں یہ خط بھیج رہا ہوں۔ کہ وہ آپ کو پہنچا دیں۔

مکرّر۔ آپ کو عزیز عبدالقادر سے میرا حال معلوم ہو چکا ہے۔ بس صاحبِ فراش ہوں دُعا کریں۔

☆

۳۔ محترم مکرم مولوی عبدالمنان صاحب شاہد مربی سلسلہ احمدیہ کراچی نے لکھا۔

کراچی ۱۴/۵/۸۷

بخدمت مکرم جناب نواب صاحب۔ طال عمرکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

عرض ہے کہ سیدہ حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نوراللہ مرقدہا کی وفات سے ازحد صدمہ ہوا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

ہمارے پیارے آقا بانیٔ جماعت احمدیہ کی پاک و مطہر "دختِ کرام" ساری جماعت احمدیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت برکت کے نازل ہونے کا باعث

تھیں۔ سب جماعت احمدیہ کے افراد ان کی دُعاؤں سے الٰہی برکات پاتے تھے۔ ہماری عاجزانہ دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت سیّدہ کو جنّت الفردوس میں سیّدنا حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک قدموں میں جگہ عطا فرماتے اور اپنی کامل رضا کی جنتوں سے نوازتا رہے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور سب کا حافظ و ناصر ہو اور سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کی دُعائیں جماعت کے حق میں مقبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

براہ کرم دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خاکسار کو مع اہل و عیال مقبول دینی خدمات کی توفیق بخشے اور بچوں کو نیک قسمت کرے اور خادم دین بناتے آمین فجزاکم اللہ تعالیٰ

والسلام عاجز خاکسار عبدالمنان شاہد و زہرہ بیگم اہلیہ
مربی سلسلہ کراچی

☆

۴۔ مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب نے کراچی سے لکھا۔

۲۵ رمئی ۱۹۸۷ئ

محترم نوابزادہ عباس احمد خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘!

محترمہ سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی رحلت کی خبر اخبارات سے معلوم ہو کر مبشر دخت کرام کے بابرکت وجود سے جماعت کے محروم ہو جانے

کا دلی رنج ہوا۔ مزید رنج اپنی محرومی پر ہوا کہ بوجہ پیرانہ سالی اور علالت میں سیدہ مرحومہ کی نماز جنازہ اور تدفین میں شمولیت کی سعادت حاصل نہ کر سکا...... سیدہ مرحومہ کی رحلت جماعت کے لیے تو ناقابلِ تلافی نقصان ہے ہی لیکن آپ کا تو ذاتی نقصان بھی ہے۔ مَیں اس صدمۂ عظیم پر آپ سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔ والسلام

اعجاز احمد

☆

۵۔ مکرم چوہدری محمد عبد اللہ صاحب باجوہ ظفروال سیالکوٹ سے لکھتے ہیں۔
بخدمت مکرم و محترم جناب حضرت صاحبزادہ نواب عباس احمد خانصاحب
مدّظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کی طرف سے اخبار نوائے وقت میں (جس کا ہر احمدی مشکور ہے) شائع شدہ خبر جو تمام ترغموں الموں دُکھوں کو مزید گھاؤ گہرا لگانے کا موجب ہوئی۔ وفات حسرت آیات حضرت صاحبزادی نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا پڑھی۔ اسی وقت تیاری کر کے شام ربوہ میں اس وجود اقدس کے جنازہ میں شمولیت کی توفیق پائی۔

صاحبزادہ صاحب مکرم۔ موت تو ہر فرد کے لیے چاہے جس شان کا ہو مقرر اور مقدر ہے۔ لیکن اس وجود اقدس کی وفات حسرت آیات سے بہت

سے مصائب و آلام کے بادلوں اور جھکڑوں کو اور تیز کر گئی۔ ہمارے پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ کا غریب الوطنی کی حالت میں ہونا جماعت کو پراگندہ کرنے کے ہر حیلے ہر سطح پر استعمال کرنا اور پوری بے بسی اور بے کسی کا وارد ہونا غرض ایسی حالت ہونا کہ بجز فضل خداوندی کے ان انتہائی دُکھ و درد سے پُر حالات کو گذارنے کے لیے اور کچھ باقی نہ رہ جانا مشیتِ ایزدی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

سو جس حال میں رکھے ہم اپنے مولا کی رضا پر راضی ہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں آخری پاکیزہ نشانی بھی اپنے مولا کے حضور جا حاضر ہوئیں إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُون۔

بُلانے والا ہے سب سے پیارا ٭ اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

حضور پُر نور۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ اور جماعت کے اس عظیم صدمہ میں ہر احمدی برابر کا شریک ہے۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب میں جگہ دے اور ہر آن آپ کے درجات کو اپنی شان کے مطابق بلند فرماتا رہے اور آپ کی رُوح اور مرقد پر سدا اپنے انوار و برکات کی بارشیں برساتا رہے آمین یارب العالمین

والسلام خادم سلسلہ عالیہ احمدیہ

محمد عبد اللہ باجوہ عفی عنہ

سیکرٹری مال جماعت احمدیہ ظفروال ضلع سیالکوٹ

۱۳/۵/۸۷

۶۔ مکرم محمد عبداللہ صاحب نے قادیان سے لکھا:۔

بخدمت مکرم نوابزادہ میاں عباس احمد خان صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

بڑے دُکھ اور دلی رنج کے ساتھ حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کرتا ہوں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ رَاجِعون۔ آنمکرم کے توسط سے اپنے بھائیوں اور بہنوں سے بھی اس خاکسار کی طرف سے تعزیت فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ سب بھائی بہنوں کو۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اپنے قربِ خاص میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری نشانی سے ہم سب ہی محروم ہو گئے ہیں۔ پنجلڑی کا آخری وجود اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق بخشے۔

اپنے سب بہن بھائیوں کو خاکسار کا سلام و درخواست دُعا۔

والسلام خاکسار

محمد عبداللہ از قادیان ۹/۵/۸۷

۷۔ مکرم رانا ناصر احمد صاحب باب الابواب ربوہ سے لکھتے ہیں:۔

مکرم محترم نواب عباس احمد خان صاحب لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

حضرت بیگم نواب امۃ الحفیظ صاحبہ کی اچانک وفات سے احباب جماعت اور افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کے بیان

کے لیے مَیں کوئی الفاظ نہیں پاتا ۔ ہمارے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نشانی تھیں جن کے ذریعہ ہر قسم کی برکات جماعت پر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان پر نازل ہو رہی تھیں ۔

ہر احمدی کے دل سے یہ دُعا اُٹھ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت بیگم صاحبہ کے درجات بلند فرماتے اور اعلیٰ علیّین میں جگہ دے ۔ اور تمام احباب جماعت اور حضرت بیگم صاحبہ کی اولاد کو صبرِ جمیل عطا فرماتے آمین ۔

آپ کے اس عظیم صدمہ میں خاکسار اور میرا خاندان آپ کے برابر کا شریک ہے اور آپ سب کے لیے دُعاگو ہے ۔ حضرت بیگم صاحبہ سے خاکسار کا ایک خاص پیار کا تعلق تھا جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوا کبھی مشروب کے بغیر جانے نہیں دیتی تھیں اور کوئی نہ کوئی تحفہ دیتی تھیں اور خط وکتابت بھی تھی ۔ خاکسار اب بھی آپ کی دُعاؤں کا محتاج ہے ۔

خاکسار رانا ناصر احمد باب الابواب ۔ ربوہ

☆

سپاس تعزیت

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی وفات پر مکرم میاں عباس احمد خان صاحب کے نام آنے والے تعزیتی خطوط کے جواب میں مکرم میاں صاحب نے مندرجہ ذیل خط لکھا :۔

۵ ڈیوس روڈ لاہور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی / مکرمہ ....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

آپ کا تعزیت نامہ ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

ہماری والدہ ماجدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو باری تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے نشانوں میں سے ایک نشان تھیں۔ جو اس بات کا حتمی ثبوت ہیں کہ مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے تمام دعاوی برحق ہیں۔ اور یہ کہ فیوض خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صرف مذہب اسلام ہی میں جاری ہیں۔

کیا ہی غمناک اور دل گداز یہ منظر ہے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے لامتناہی سلسلۂ نشانات دیکھنے کے باوجود حضرت مسیح موعود کو بھی گالیوں کی بوچھاڑ میں رخصت کیا اور اب تقریباً اسّی سال بعد آپ کی جسمانی اولاد میں سے جو آخری بیٹی تھیں۔ ان ہی گالیوں کی بوچھاڑ میں اس جہانِ فانی سے چلی گئیں۔ اور زبانِ حال سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ نوحہ پڑھتی ہوئی گئیں کہ ؏

کربلائیست سیر ہر آنم ....

وہ دن بھی اب قریب ہیں۔ جب یہی قوم "بگریہ یاد کُنند وقتِ خوش زم" کی کیفیت کی حامل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کے نفوس و اموال میں برکت ڈالے اور آپ کی تمام دُعاؤں۔ نیک تمناؤں اور مقاصدِ حسنہ میں آپ کو کامیاب

کرے آمین ثم آمین

والسلام

آپ کی دُعاؤں کا محتاج

خاکسار عباس احمد خان

حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ ایک بہت ہی بابرکت وجود تھیں اور متعدد نشانوں کی مورد

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ ۸ رمئی ۱۹۸۷ء بمقام بیت الفضل لندن کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"......گذشتہ جمعہ میں نے تقویٰ کے ایک بہت ہی اہم پہلو یعنی صبر کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اسی مضمون کے متعلق آج بھی کچھ مزید باتیں کہوں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں اور جماعت کو اس سے پہلے یہ علم ہو بھی چکا ہے کہ اس ہفتہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے صبر کا اس رنگ میں بھی امتحان لیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی جو جماعت کے لیے ایک بہت ہی بابرکت وجود تھیں ہم سے جُدا ہوگئیں۔ آپ سے بڑے بھائی صاحبزادہ مرزا مبارک احمد

صاحب کے وصال پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ آپ کی وفات پر بھی اسی رنگ میں پورا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ؎

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خُو تھا
وہ آج ہم سے جُدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ بھی بہت پاک خُو اور پاک شکل تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد میں سے آپ کو اپنا ایک رنگ عطا ہوا تھا جس میں بہت ہی جاذبیت تھی بہت ہی پیار کرنے والی طبیعت تھی عمر کے ہر طبقہ کے لوگوں سے آپ کے حُسنِ سلوک کا دائرہ آپ کی محبت اور رحمت اور شفقت کے نتیجہ میں بہت ہی وسیع تھا۔ بچپن سے ہم آپ کو چھوٹی پھوپھی جان ہی کہتے رہے۔ چھوٹی پھوپھی جان سے بچوں کو خصوصیت سے بڑا لگاؤ تھا۔ حضرت بڑی پھوپھی جان اور بچوں کے درمیان ایک رُعب کا پردہ حائل رہتا تھا۔ حضرت بڑی پھوپھی جان کو اللہ تعالیٰ نے ایک غیر معمولی رُعب بھی عطا فرمایا تھا۔ بعض طبیعتوں میں بچوں کے ساتھ ملنے جلنے کا جو غیر معمولی مادہ پایا جاتا ہے وہ حضرت چھوٹی پھوپھی جان میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ تھا۔ اس لیے بچے طبعاً آپ کے ساتھ بہت جلد مانوس ہو جایا کرتے تھے پھر آپ کو عادت تھی کہ بچوں کو بلا کے ان سے کھیلنا چھوٹی چھوٹی باتیں کرنا اور

ان کو چھیڑنا۔ اس میں ان کی بچیاں بھی شامل ہو جایا کرتی تھیں اس لیے سیدنا حضرت فضل عمر کے بچوں کا حضرت پھوپھی جان کے ساتھ بچپن ہی سے غیر معمولی تعلق رہا ہے اور ہمارے باقی بچاؤں کی اولاد کو بھی اس پہلو سے بہت تعلق تھا۔

حضرت سیدہ مرحومہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی بار ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کے بارہ میں جو یہ بحث چل رہی ہے کہ آپ کو بچپن میں مہد اور کہل میں خدا تعالےٰ نے بولنے کی طاقت بخشی اس مضمون میں آپ فرماتے ہیں کہ مہد کا زمانہ جو ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلے چھ مہینے کا ہو یہ تو دودھ کا زمانہ کہلاتا ہے مہد کا زمانہ تو تین چار سال پر ممتد ہوتا ہے اور اس عمر میں بعض بچے بہت باتیں کرتے ہیں چنانچہ میری بیٹی امۃ الحفیظ بیگم بھی جو کم و بیش اسی عمر کی ہے بہت باتیں کرنے والی ہے اور بڑی ذہین بچی ہے۔"

(ملفوظات جلد نہم صـ ۲۳۵ ، الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء مفہوماً)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اور بھی کئی مرتبہ آپ کا ذکر فرمایا ایک موقع پر فرماتے ہیں :۔

"چالیسواں نشان یہ ہے کہ اس لڑکی کے بعد ایک اور لڑکی کی بشارت دی گئی جس کے الفاظ یہ تھے کہ "دُختِ کرام" چنانچہ وہ الہام الحکم اور البدر اخباروں میں اور شاید اِن

دونوں میں سے ایک میں شائع کیا گیا اور پھر اس کے بعد لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام امۃ الحفیظ رکھا گیا اور وہ اب تک زندہ ہے۔"
(حقیقۃ الوحی ص ۲۱۸)

"دخت کرام" کے نام کا مطلب ہے کہ کریم النفس لوگوں کی اولاد ایسے بزرگوں کی اولاد جو اخلاقِ کریمانہ پر فائز ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح ہم دوسرے محاورے میں کہتے ہیں کہ اس کے خون میں شرافت اور نجابت ہے تو ان معنوں میں کریم لوگوں کی اخلاق والے لوگوں کی بزرگوں کی اولاد سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسی بچی جس کے خون میں ہی کریمانہ اخلاق شامل ہونگے۔ اور جو بھی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کو جانتے تھے یا جو جانتے ہیں وہ خوب گواہی دیں گے کہ آپ کے خون اور مزاج میں کریمانہ اخلاق شامل تھے اس سے پہلے جس بچی کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے اس کا نام امۃ النصیر تھا اور حضور کو امۃ الحفیظ کا یعنی "دخت کرام" کا جو تحفہ عطا ہوا۔ وہ دراصل اس پہلی بچی کی وفات پر صبر کرنے کے نتیجہ میں ایک خاص پھل تھا اور ایک خاص انعام چنانچہ حضور نے اس بچی کا بھی انتالیسویں نشان کے طور پر ذکر فرمایا ہے چونکہ ان دونوں کی ولادت کا ایک روحانی تعلق ہے اس لیے میں اس بچی کے متعلق بھی اور خاص نشان کے متعلق بھی احباب جماعت کو مطلع کرنا چاہتا ہوں۔

اس بچی کی پیدائش ۲۸ر جنوری ۱۹۰۳ء کو چار بجے صبح ہوئی جس کا نام امۃ النصیر رکھا اس کی پیدائش سے بہت تھوڑا عرصہ یعنی قریباً چار گھنٹے

پیشتر حضرت صاحب کو الہام ہوا "غَاسَقَ اللّٰہُ" اور اس الہام کے نتیجہ میں اور ایک کشف کے نتیجہ میں آپ کے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی آپ اسی وقت اُٹھ کر (یعنی رات کے تقریباً بارہ بجے تھے) مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کی کوٹھڑی میں تشریف لے گئے۔ آپ نے دروازے پر دستک دی۔ مولوی صاحب نے پوچھا کون ہے۔ حضرت صاحب نے جواباً فرمایا۔ غلام احمد۔ مولوی محمد احسن صاحب نے دروازہ کھولا تو حضور نے فرمایا:۔

"اس وقت مجھے ایک کشفی صورت میں خواب کے ذریعہ سے دکھلایا گیا ہے کہ میرے گھر سے (یعنی حضرت اماں جان) کہتی ہیں کہ اگر مَیں فوت ہو جاؤں تو میری تجہیز و تکفین آپ خود اپنے ہاتھ سے کرنا۔ اس کے بعد مجھے ایک بڑا منذر الہام ہوا "غَاسَقَ اللّٰہُ" مجھے اس کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ جو بچہ میرے ہاں پیدا ہونے والا ہے وہ زندہ نہ رہے گا اس لیے آپ بھی دعا میں مشغول ہوں اور باقی احباب کو بھی اطلاع دے دیں کہ دُعاؤں میں مشغول ہوں۔"

(بدر ۲/۱ نمبر ۳ مورخہ ۲۳-۳۰ جنوری ۱۹۰۷ء)

پس ان دُعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اماں جان کی زندگی بچا لی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لمبا عرصہ زندگی عطا فرمائی اور انکی برکتوں کو ساری جماعت نے مشاہدہ کیا۔ جہاں تک اس بچی کے متعلق یہ خبر تھی کہ وہ

فوت ہو جائے گی یہ بچی ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئی اور اسی سال ۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو یہ بچی انتقال کر گئی اور حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کشفی خبر اور الہام کو پورا فرمایا۔ دُعا کے نتیجہ میں ایک خطرے کو ٹال دیا اور دوسرے حصے کو پورا فرما دیا اسی صبر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے جو جزا حضرت صاحب اور حضرت اماں جان کو عطا فرمائی وہ حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ تھیں۔

چنانچہ آپ کے متعلق دخت کرام کا الہام تسلی اور محبت کے اظہار کے علاوہ یہ بتاتا ہے کہ آپ کے کریمانہ اخلاق کا لوگ مشاہدہ کریں گے اور اس کے گواہ ٹھہریں گے کیونکہ دختِ کرام کا یہ مطلب تو نہیں کہ کریمانہ اخلاق والوں کی بچی تھی یا نہیں بس اس میں ایک لمبی عمر کی پیشگوئی شامل تھی مطلب یہ تھا۔ کہ ایک ایسی بچی جو اپنے اخلاق سے ثابت کرے گی۔ کہ وہ کریمانہ اخلاق والوں کی بیٹی ہے اور یہ ایک عام محاورہ ہے جو کسی اچھے بزرگ کی اولاد کے ساتھ وابستہ ہے یعنی ایسے بزرگ کی اولاد سے اچھے اخلاق کی توقع کی جاتی ہے اور جب اس سے اچھے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں تو سب کہنے والے دادِ تحسین دیتے ہوتے اس شخص کے بزرگوں اور آباؤاجداد کو بھی یاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں تم نے حق ادا کر دیا۔ آخر کن لوگوں کی اولاد تھے۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ دخت کرام میں حضرت پھوپھی جان کی لمبی عمر کی پیشگوئی تھی۔ کیونکہ پہلی بیٹی چھوٹی عمر میں فوت ہو گئی تھی۔ اس کے جواب میں دخت کرام کے اندر ہی یہ بتا دیا گیا کہ یہ اخلاقِ کریمانہ رکھنے والی

بیٹی ہو گی۔ لوگ اس کو دیکھیں گے اور یہ کہیں گے کہ ہاں صاحبِ اخلاق کی بچی ہے۔ اس پہلو سے امر واقعہ یہ ہے کہ یہ الہام بڑی شان کے ساتھ حضرت پھوپھی جان کے حق میں پورا ہوا اور عورتیں کیا اور بچے کیا اور بزرگان کیا جن کو کسی رنگ میں بھی حضرت پھوپھی جان کے ساتھ کسی نوع کا معاملہ پیش آیا۔ سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے فضل سے بہت ہی کریمانہ اخلاق کی مالک تھیں۔

مئی ۱۹۰۴ء میں آپ کے متعلق الہام ہوا۔ آپ کی پیدائش ۲۵ جون ۱۹۰۴ء کو ہوئی۔ اور آپ کا وصال ۶ مئی ۱۹۸۷ء کو تقریباً ۳½ بجے ہوا۔ پونے تین بجے آپ کی حالت اچانک بگڑی اور جب ڈاکٹر پہنچے ہیں تو اس وقت تک معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ چنانچہ فون پر مجھے بہت جلد اس بارہ میں اطلاع ملی۔ آپ نے نزع کی کوئی لمبی تکلیف نہیں اُٹھائی یعنی ساڑھے تین بجے تک آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ میرے لیے بطورِ خاص یہ ایک بہت ہی صبر آزما خبر تھی۔ اس لیے کہ حضرت پھوپھی جان کی یہ خواہش تھی اور میں جانتا ہوں کہ میری خواہش کے جواب میں تھی۔ یعنی جو مجھے ان سے محبت تھی تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا فرمائی کہ وہ مجھے دوبارہ دیکھیں اور گلے لگائیں۔ چنانچہ اپنے خطوں میں جو انہوں نے لکھوائے ان میں اس خواہش کا ذکر بھی کیا کہ میں دوبارہ تمہیں دیکھوں اور خود گلے لگا سکوں یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات خدا تعالیٰ ان خواہشوں کو خاص رنگ میں پورا فرما دیتا ہے دنیا والوں کو اس

بات کا پوری طرح احساس نہیں ہو سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کے رنگ نرالے ہوتے ہیں بعض دفعہ روحانی طور پر خواہشات کو اس طرح حیرت انگیز طریقے سے پورا فرماتا ہے کہ جس کو تجربہ ہو وہی جانتے ہیں کہ یہ کس دنیا کی باتیں ہیں۔

چند روز پہلے مَیں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت بُو زینب چچی جان حضرت چھوٹے چچا جان کی بیگم صاحبہ مرحومہ جو صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی والدہ صاحبہ تھیں وہ تشریف لائی ہیں۔ ان کو مَیں نے پہلے تو کبھی خواب میں نہ دیکھا تھا۔ شاید ایک آدھ مرتبہ دیکھا ہو۔ بہر حال دیکھا کہ وہ آتی ہیں اور قد بھی بڑا ہے جس حالت میں جسم تھا۔ اس کے مقابل پر زیادہ پُرشوکت نظر آتی ہیں آپ آکے مجھے گلے لگتی ہیں، لیکن گلے لگ کر پیچھے ہٹ جاتی ہیں اور بغیر الفاظ کے مجھ تک ان کا یہ مضمون پہنچتا ہے کہ مَیں خود نہیں ملنے آئی۔ بلکہ ملانے آئی ہوں۔ اس کے معاً بعد ایک خیمہ سے حضرت پھوپھی جان نکلتی ہیں گویا کہ وہ ان کو ملانے کی خاطر تشریف لائی تھیں خواب میں ایسا منظر ہے کہ نہ کوئی بات ہوتی ہے نہ کوئی اور نظارہ ہے دائیں بائیں صرف خیمہ سے آپ کا نکلنا ہے اور بہت ہی خوش لباس ہیں۔ اچھی صحت ہے آپ جب گلے لگتی ہیں تو اس قدر محبت اور پیار سے گلے لگتی ہیں اور اتنی دیر تک گلے لگائے رکھتی ہیں کہ اس خواب میں حقیقت کا اظہار ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ جب میری آنکھ کھلی تو لذت سے میرا سینہ بھرا ہوا تھا۔ اور بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ابھی مل کے گئی ہیں، لیکن اس میں ایک غم کے پہلو کی طرف توجہ گئی کہ زینب نام میں ایک غم کا پہلو پایا جاتا ہے، لیکن اس وقت یہ خیال

نہیں آیا کہ یہ الوداعی معانقہ ہے۔ میرا دل اس طرف گیا کہ شاید جماعت پر کوئی اور ابتلاء آنے والا ہے ایک غم کی خبر ہوگی اس سے فکر پیدا ہو گئی لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کو حفاظت میں رکھے گا۔ چنانچہ ایک ملک کے امیر صاحب کو میں نے اسی تعبیر کے ساتھ خط میں یہ خواب لکھی کہ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کے ملک میں یہ واقعہ ہونیوالا ہے، لیکن اطمینان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ حفاظت فرمائے گا، لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ واقعتہً یہ اسی خواہش کا جواب تھا جو میرے دل میں بھی بہت شدید تھی اور حضرت پھوپھی جان کے دل میں بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے وصال سے پہلے ملا دے اور معانقہ ہو جاتے اور یہ معانقہ اتنا حقیقی تھا کہ جیسے کسی جاگتے ہوئے انسان کو مل رہا ہو اور اس کا اتنا گہرا اثر اور لذت تھی کہ خواب کے اندر یہ احساس نہ ہوا کہ خواب تھی اور گذر گئی بلکہ یوں معلوم ہوا جیسے حقیقی چیز کوئی واقعہ کے بعد پیچھے رہ جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں ہماری ملاقات کا انتظام فرما دیا اور یہ الوداعی معانقہ تھا جو مجھے دکھایا گیا۔

حضرت پھوپھی جان کی شادی بہت بچپن میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب جو نواب مالیر کوٹلہ یعنی مالیر کوٹلہ کے نواب خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت مسیح موعود کے صحابی تھے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے بڑے بیٹے تھے کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خلافت کے ابتدائی دور میں ہوئی آپ کا نکاح گیارہ

سال کی عمر میں پڑھا دیا گیا تھا، لیکن رخصتانہ تیرہ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کے تین بیٹے بقید حیات ہیں چھ بیٹیاں ہیں اور چھ ہی خُدا کے فضل سے زندہ ہیں۔ ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر دُنیا اور آخرت کے لحاظ سے فضل فرمایا۔ نیکیوں اور خوشیوں سے معمور بہت ہی اچھی کامیاب لمبی زندگی عطا فرمائی آپ کی عمرِ وصال کے وقت تراسی سال اور کچھ مہینے بنتی ہے یا کم و بیش تراسی سال بنتی ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بعض وجودوں کے ساتھ برکتیں وابستہ ہوتی ہیں جو ان وجودوں کے چلے جانے کے ساتھ ہی چلی جاتی ہیں اور اس خیال سے طبیعتوں میں فکر پیدا ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض وجودوں کے ساتھ بعض برکتیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے جانے کے بعد اُس طرح دکھائی نہیں دیتیں اور ان کا خلا محسوس ہوتا ہے لیکن یہ کہہ دینا کہ ہر وجود گویا کہ اپنی ساری برکتیں ساتھ لے کے چلا جاتا ہے یہ بالکل غلط خیال ہے۔ سب سے زیادہ برکتوں والا وجود حضرت اقدس محمدؐ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود تھا آپؐ جو برکتیں لے کر آئے۔ آپؐ کے وصال کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے ساتھ ہی ان برکتوں کا ایک بہت سا حصہ جدا ہو گیا ہے ایک شدید بُحران کی سی کیفیت پیدا ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک صدیق کو کھڑا کر کے بہت حد تک اس بحران سے جماعت کو نکال لیا۔ لیکن تمام مؤرخین جانتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جو مسلمانوں کی حالت تھی جو اسلام کی حالت تھی وصال کے بعد ایک نمایاں فرق نظر

آتا ہے زندگی اور زندگی کے بعد کے حالات کو یکساں قرار نہیں دیا جاسکتا اس سے اور اس قسم کی دوسری مثالوں سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب برکت وجود جب جاتے ہیں تو گویا اپنی برکتیں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں البتہ ان برکتوں سے استفادہ کرنے والوں کی کیفیت میں کمی آجاتی ہے ورنہ وہ برکتیں تو اپنی ذات میں زندہ رہتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کو کون کہہ سکتا ہے کہ ختم ہوگئیں وہ تو اس دَور تک جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گی۔ بیچ کے دَور میں اگر اس سے استفادہ کم ہوگیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رُوحانی اولاد کے طور پر کھڑا فرما دیا۔ وہ ساری برکتیں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں دوبارہ جاری دکھائی گئیں۔ ایک برکت بھی ایسی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے علاوہ ہو۔ چنانچہ آپ کو الہاماً بتایا گیا "كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کہ ساری برکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا مختلف رنگ میں اقرار فرمایا آپ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

این چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ زِ بحرِ کمالِ محمدؐ است

پس اگر کوئی وجود اپنے ساتھ برکتیں ہی لے جاتے تو ایسا وجود تو برکتوں کے معاملہ میں بہت ہی کنجوس ہوگا۔ وقتی طور پر برکتیں دے کر

ساتھ لے جانے والا وجود حقیقی طور پر نافع الناس نہیں کہلا سکتا امر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں تا قیامت جاری ہیں۔۔۔۔حضرت اقدس محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو صحابہؓ آپؐ کی صحبت اور برکت سے غیر معمولی استفادہ کیا کرتے تھے وہ آپؐ کے وصال کے بعد بعض پہلوؤں کے لحاظ سے وقتی طور پر کمزور دکھائی دینے لگے استفادہ کی وہ طاقت اگر کسی میں موجود ہو (خواہ وہ سینکڑوں سال کے بعد بھی پیدا ہو) تو وہ لوگ جو زندہ برکتیں رکھتے ہیں وہ پھر بھی ان برکتوں کا فیض دوسروں تک پہنچا سکتے اور حاصل کرنے والے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں نہ صرف یہ کہ جاری تھیں جاری رہیں بلکہ قیامت تک جاری رہیں گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہی مفہوم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر بہت روشنی ڈالی اور مختلف رنگ میں توجہ دلائی کہ ہمارا ایک زندہ خدا ہے اور ایک زندہ رسولؐ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برکتوں کے معاملہ میں جیسے پہلے زندہ رسولؐ تھے آج بھی ویسے ہی زندہ رسولؐ ہیں اگر زندگی کے خواہاں لوگ اس زندگی بخش وجود سے تعلق جوڑیں تو اب بھی ویسی ہی زندگی پا سکتے ہیں اور قیامت تک یہ زندگی اسی طرح جاری رہے گی۔ اس لیے کسی با برکت وجود کے چلے جانے سے طبیعت میں جو مایوسی پیدا ہوتی ہے کہ گویا برکتیں اُٹھ گئیں اس کا ایک بہت حد تک برکتیں لینے والوں سے تعلق ہے۔۔۔۔ برکت کے مفہوم پر اگر آپ غور کریں تو دراصل برکت نیکی اخلاقِ کریمانہ اور قربِ الٰہی

کا نام ہے.... پس سب سے پہلا اور سب سے اہم فریضہ اولاد کا یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی برکتوں کو جاری رکھیں وہ لوگ جو اپنے بزرگوں کی برکتوں کا نوحہ کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ بزرگوں کے ساتھ ہی اُٹھ گئیں وہ اپنے ہاتھ سے ان برکتوں کو ہلاک کرنے والے ہوتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ کسی بزرگ کے وصال کے بعد خدا تعالیٰ کبھی اس کی برکتوں کو ختم نہیں فرماتا۔ یہ لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ اس کی برکتوں سے قطع تعلق کر لیں۔ یا اس تعلق کو جاری رکھیں اور برکتوں کو اپنے اندر ہمیشہ کے لیے زندہ رکھیں.... اس لیے اس مضمون کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ صاحب برکت وجودوں کی برکتوں کو زندہ رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو ان برکتوں کو ایک دفعہ اس کی زندگی میں حاصل کر چکے ہیں یہ ان کے اختیار میں ہے کہ چاہیں تو ان برکتوں کو ختم کر دیں اور انہیں پیچھے ماضی میں چھوڑ جائیں۔ اسی لیے جب بھی کوئی با برکت وجود گذرتا ہے تو جماعت احمدیہ کو یہ عہد کرنا چاہیئے کہ ہم اس کی برکتوں سے بفضلہٖ تعالیٰ مضبوطی کیساتھ چمٹے رہیں گے اور کسی برکت کو بھی اس وجود کے جانے کے نتیجہ میں اپنے ہاتھ سے ضائع نہیں کریں گے۔ اگر جماعت یہ عزم کرتی ہے تو کوئی بھی آئے اور چلا جائے اس کے نتیجہ میں جماعت کو کوئی دائمی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہر آنے والا اپنی خاص برکتیں چھوڑ کر جایا کرے گا اور ہمیشہ کے لیے وہ برکتیں جماعت کی امانت بنتی چلی جائیں گی اور جماعت ہمیشہ ہی اپنے پہلے حال کی نسبت بہتر حال میں منتقل ہوتی چلی جائے گی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے

دَور میں حضرت مسیح موعودؑ کی چھوڑی ہوئی برکتیں ختم تو نہیں ہوگئی تھیں۔ وہ جاری رہیں بلکہ نشوونما پاتی رہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اپنی شخصیت کی جو خصوصی برکتیں تھیں وہ ان میں شامل ہوتی چلی گئیں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے وصال کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دَور میں بھی یہی ہوا۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت احمدیہ پر ایک عرب شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ ؎

اِذَا سَیِّدٌ مِنَّا خَلَا قَامَ سَیِّدٌ
قَؤُوْلٌ لِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلٌ

کہ جب ہم میں سے کوئی بزرگ سردار گذرتا ہے تو اپنی بزرگیاں ساتھ نہیں لے جایا کرتا اور قوم کو اپنی سیادتوں سے محروم نہیں کر دیا جایا کرتا قَامَ سَیِّدٌ ایک اور سید ایک اور سردار اس کی جگہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ قَؤُوْلٌ لِمَا قَالَ الْکِرَام صاحب کرام (جیسا کہ الہام میں ذکر ہے) اور صاحب کرامت لوگوں کی باتوں کو وہ اسی طرح کہتا ہے جس طرح پہلے کرام لوگ کہا کرتے تھے اور فَعُوْلٌ اور ان باتوں پر اسی طرح عمل کر کے دکھاتا ہے جس طرح اس سے پہلے کرام لوگ ان باتوں پر نیک عمل کر کے دکھایا کرتے تھے تو یہ ہے برکت کی حقیقت۔ اور جماعت کو یہ مضمون خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اگر وہ برکتوں سے چمٹنے کی عادت ڈالے اور ایک صاحب برکت وجود کے بعد اس وجود کی جُدائی کا

غم تو کرے، لیکن برکتوں پر نوحہ نہ کرے تو یہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے زندگی کی ہر علامت میں ترقی کرتی چلی جائے گی اور ہر لحاظ سے اس کی برکتیں نشوو نما پاتی رہیں گی۔ اور بڑھتی رہیں گی ہر آنے والا وجود ضرور نئی برکتیں لے کر آئے گا۔ اور ہر جانے والا وجود نئی برکتیں پیچھے چھوڑ کر جایا کرے گا۔ اور جماعت کو برکتوں کے لحاظ سے کبھی نوحہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

پس حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی جُدائی اگرچہ بہت ہی شاق ہے اور جذباتی لحاظ سے ایک بڑی آزمائش ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ایک صاحبِ برکت وجود تھا جو چلا گیا اب ہم یہ برکتیں کہاں سے ڈھونڈیں گے۔ تو یہ کہنے والا جھوٹا ہے خدا تعالیٰ وہ برکتیں جماعت کو ورثہ کے طور پر عطا فرماتا چلا جاتا ہے ہاں اگر ورثہ پانے والے اس ورثے کو ضائع کر دیں ان برکتوں سے منہ موڑ لیں ان نیکیوں کو الوداع کہہ دیں تو پھر لازماً مرنے والا اپنی نیکیوں کے ساتھ پیچھے رہنے والوں کو الوداع کہہ دیا کرتا ہے اور خود ہی جُدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی برکتیں بھی جُدا ہو جایا کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ کا ہمیشہ صاحبِ برکت وجودوں سے وفا کا ایسا گہرا تعلق پیدا فرمائے کہ افرادِ جماعت ان سے ہی نہیں ان کی برکتوں سے بھی چمٹ جائیں ...... میں احبابِ جماعت کو خصوصیت کے ساتھ تلقین کرتا ہوں کہ وہ صبر کے اس مضمون کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اس کو اپنے پلّے باندھ لیں کہ اچھی باتوں کو پکڑ لینا ان پر قائم رہنا

ان کو کسی حالت میں نہ چھوڑنا خواہ کیسی ہی بڑی آزمائش ہو نیکیوں سے وفا کرنا یہی دراصل نیکیوں سے وفا کرنے کی دوسری صورت ہے وہ لوگ جو نیکیوں سے وفا نہیں کرتے وہ نیکوں کے بھی بے وفا ہوتے ہیں۔ اور آپ وفادار ہیں تو ان کے جانے کے بعد اپنی وفا کو اس طرح ثابت کریں کہ انکی نیکیوں سے چمٹ جائیں اور کسی قیمت پر ان سے جُدا نہ ہوں حضرت اماں جان نے یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی اولاد کو ایک بہت ہی سادہ لیکن بہت ہی پیارے فقرے میں سمجھائی آپ نے اپنی اولاد کو اکٹھا کیا اور فرمایا دیکھو تم بظاہر یہ دیکھو گے کہ اس گھر میں کچھ بھی نہیں کوئی مال دولت نہیں کچھ دنیا کی جائیدادیں نہیں ہیں۔ کچھ آرام کے سامان نہیں ہیں تمہیں یوں محسوس ہوگا کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجھے اور اپنی پیاری اولاد کو خالی ہاتھ چھوڑ گئے اور اپنے گھر میں پیچھے کچھ بھی باقی نہ رکھا لیکن ایسا سمجھنا غلط ہوگا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے پیچھے اللہ کو ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں اور اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں پس صاحب برکت وجود سب سے بڑی برکت یعنی اللہ کو پیچھے چھوڑ جایا کرتے ہیں اور کبھی بھی ان کی برکتیں بے وفائی نہیں کرتیں ہاں لوگ ہیں جو برکتوں سے بے وفائی کیا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جماعت کو بھی توفیق عطا فرماتے اور حضرت سیدہ مرحومہ کی اولاد کو خصوصیت کے ساتھ یہ توفیق عطا فرماتے کہ گو آپ تو جُدا ہوگئیں لیکن آپ کی اولاد اور جماعت آپ کی برکتوں سے بے وفائی نہ کرے۔ تاکہ ہمیشہ ہمیش کے

لیے یہ برکتیں ہمارے اندر زندہ اور پائندہ رہیں۔

خطبہ ثانیہ کے دَوران حضور نے فرمایا۔ ابھی نماز جمعہ کے بعد حضرت پھوپھی جان کی نماز جنازہ غائب ہوگی آپ کے ذکر کے سلسلہ میں مَیں یہ بات بھی بتانا چاہتا تھا کہ حضرت پھوپھا جان یعنی حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کو خدا تعالیٰ نے ایک بہت ہی پیار کرنے والی شخصیت عطا فرمائی تھی۔ آپ بہت ہی مہمان نواز اور بہت ہی خلیق انسان تھے۔ اور اس لحاظ سے یہ جوڑا بہت ہی مناسب تھا ان کی طبیعت میں سادگی تھی البتہ سادگی کے ساتھ حضرت پھوپھی جان کی بعض خاص ایسی خوبیاں تھیں جن تک ان کی رسائی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود ایک انتہائی اعلیٰ ایک مثالی نمونے کا جوڑا تھا۔ جن خوبیوں کا مَیں نے ذکر کیا اس میں مثلاً ادب اور شعری ذوق بھی ہے۔ حضرت پھوپھا جان کو یہ شعری ذوق ملا ہی نہیں تھا۔ اور اگر بعض دفعہ شعر پڑھتے بھی تھے تو صحیح وزن کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے اس کے مقابل پر حضرت پھوپھی جان کو نہایت ہی لطیف شعری ذوق عطا ہوا تھا۔ خود بہت ہی صاحب کمال شاعرہ تھیں لیکن اپنے کلام کو لوگوں سے چھپاتی تھیں۔ اکثر چند سطور لکھیں اور ایک طرف پھینک دیں اور پھر وہ کلام نظر سے غائب ہو گیا۔ چونکہ مجھے بچپن سے ہی شعر کا ذوق رہا ہے اس لیے حضرت پھوپھی جان کے ساتھ میرا ایک خاص تعلق اس وجہ سے بھی تھا۔ میری ان تک رسائی تھی اور وہ بعض دفعہ بڑے پیار کے ساتھ مجھے اپنا کلام سنا بھی دیا

کرتی تھیں ابھی کچھ عرصہ پہلے جب میں ملاقات کے لیے گیا تو ایک بہت ہی پُرانی نظم جو حضرت پھوپھی جان نے مجھے قادیان کے زمانے میں سنائی تھی اس کے ایک دو شعر سُنانے کو کہے تو ان کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ پیدا ہوئی کہ تم اب تک وہ باتیں یاد رکھتے ہو۔ حضرت پھوپھا جان کے ساتھ اگرچہ اس لحاظ سے طبیعتوں کا جوڑ طبعی نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپس میں ایسی محبت اور ایسا غیر معمولی تعلق تھا اور ایسی وفا تھی جو ہر لحاظ سے مثالی تھی۔ اس کا میں خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جی طبیعتوں کا جوڑ نہیں ہے جو صاحب کرام لوگ ہوں۔ وہ طبیعتوں کا جوڑ نہ بھی ہو تو وہ اچھی باتیں نکال کر ان کی قدر کر کے ان سے جوڑ پیدا کر لیا کرتے ہیں اور جو صاحب کرام نہ ہوں ان کو بے جوڑ باتیں زیادہ دکھائی دیتی ہیں اور جہاں جوڑ ہو سکتا ہے انہیں وہ نظر انداز کر دیا کرتے ہیں اس لیے خصوصیت سے میں خطبہ میں اس کا ذکر کرنا چاہتا تھا۔ کہ آپ کی زندگی اس لحاظ سے بھی نمونہ تھی۔ آپ کا کرام کی اولاد ہونا یعنی ان لوگوں کی اولاد ہونا جن کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی کریمانہ اخلاق بخشے ہوں اس بات سے بھی ثابت تھا کہ آپ کے اندر یہ کریمانہ صفت موجود تھی کہ اگر کوئی طبیعت کا اختلاف بھی ہے تو اسے نظر انداز کر کے جو خوبیاں اور نیکیاں ہیں ان سے تعلق جوڑ لیں۔ چنانچہ آپ کی ساری زندگی کے تعلقات میں یہ بات ہمیشہ غالب رہی کہ خوبیوں پر نظر رکھ کر ان سے آپ تعلق جوڑا کرتی

تھیں۔ جہاں تک حضرت پھوپھا جان کا تعلق ہے ان کے اندر خدا تعالیٰ نے بڑی خوبیاں رکھی تھیں خصوصیت کے ساتھ ان کی مہمان نوازی ضرب المثل تھی۔ پھر عبادت سے ان کا تعلق پنج وقتہ نماز اور باجماعت نماز کا شوق و ذوق ایسا تھا کہ بہت کم لوگوں میں ایسا دیکھنے میں آتا ہے اس لیے آپ بھی کرام لوگوں کی اولاد تھے اگرچہ الہاماً یہ ذکر موجود نہیں لیکن ان کے اندر بھی بڑی خوبیاں تھیں ان دونوں کی اولاد کے لیے خاص طور پر دُعا کرنی چاہیئے کہ خصوصی خوبیاں جو حضرت پھوپھا جان کی تھیں یا حضرت پھوپھی جان کی تھیں وہ باہم مل کر ان کی اولاد میں اور بھی بڑھ جائیں نہ یہ کہ ان کے اندر کمی محسوس ہو اسی رنگ میں قومیں ترقی کیا کرتی ہیں والدین کی اچھی چیزیں اگر وہ اپنانے لگ جائیں اور کمزوریوں سے صرفِ نظر کریں تو اس طرح قومیں ہر لحاظ سے آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ جماعت کو اس رنگ میں ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی خوبیوں کو زندہ رکھنے بلکہ انہیں باہم جمع کرنے اور بڑھانے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ حضرت پھوپھی جان کے ساتھ میرا ایک اور تعلق یہ بھی تھا کہ میری والدہ کو ان سے بہت پیار تھا۔ بچپن سے آنکھ کھلتے ہی جب سے ہوش آتی ہے ہم نے اپنی والدہ کو پھوپھی جان کے لیے غیر معمولی محبت کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے پایا اور پھوپھی جان کو بھی جواباً آپ سے بہت تعلق تھا۔ اس لیے حضرت پھوپھی جان میرے لیے تو ایک طرح سے والدہ ہی تھیں جو فوت ہو گئیں۔ مگر ایسے واقعات دُنیا میں ہوتے رہتے ہیں صاحبِ حوصلہ لوگوں کو انہیں حوصلے کے ساتھ برداشت کرنا چاہیئے اور

خدا تعالیٰ سے صبر مانگنا چاہیئے صبر مانگنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ صبر عطا فرما دیا کرتا ہے پس جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرماتے۔

(ماہنامہ مصباح جنوری، فروری ۱۹۸۸ء)

٭٭٭

علمی ذوق

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"عورتوں کو اپنے اندر علمی ذوق بھی پیدا کرنے چاہئیں جو اس کا لطف ہے ڈرامے دیکھنے فضول کہانیاں سننے اور اس قسم کی چیزوں میں وقت ضائع کرنے میں نہیں آسکتا۔ ہم نے اپنے گھر میں دیکھا ہے کہ حضرت چھوٹی پھوپھی جان (حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ) اور حضرت بڑی پھوپھی جان کی دنیا کے لحاظ سے بہت معمولی تعلیم تھی، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں پرورش کا ایک یہ فیض بھی تھا۔ کہ علم سے بڑی دلچسپی تھی اور ظاہری تعلیم نہ ہونے کے باوجود ایسی روشن دماغ تھیں ایسا وسیع مطالعہ تھا کہ اکثر مجھے یاد ہے جب بھی گئے ہیں ان کے ہاتھوں میں کتابیں ہی دیکھیں بات کرنے لگے ہیں تو کتاب دہری کر کے رکھ دی تاکہ جب باتیں ختم ہوں تو پھر کتاب اٹھائیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی زبان

میں جِلا تھی ان کو ادب کا ایسا پیارا ذوق تھا کہ حضرت بڑی پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نظمیں آپ پڑھ کر دیکھیں آپ حیران ہونگی کہ اس دَور کے بڑے بڑے شاعر بھی فصاحت و بلاغت میں آپ کا مقابلہ نہیں کرتے۔ ذہن بھی روشن دل بھی روشن اور سکینت بھی۔ ہر ابتلاء میں بھی ایک سکینت تھی کہ جو کبھی زندگی کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی جو اس زندگی میں مزا ہے وہ مزا ہر وقت متحرک رہنے بے چین رہنے میں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔"

{خطاب حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع بر موقعہ جلسہ سالانہ کینیڈا و جرمنی۔ بحوالہ حوّا کی بیٹیاں اور جنت نظیر معاشرہ صفحہ ۱۵۰}

○

حضرت سیّدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شفقت کا دائرہ بہت وسیع تھا

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ رمئی ۱۹۸۷ء بمقام بیت الفضل لندن سے چند اقتباسات:-

"قوموں کی زندگی میں وہ دَور بہت ہی اہم ہوتا ہے جب ایک نسل دوسری نسل سے جُدا ہو رہی ہوتی ہے اسے ہم دونسلوں کا جوڑ یا سنگھم کا زمانہ کہہ سکتے ہیں یہ جُدائی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے نتیجہ میں یک لخت واقع نہیں ہوتی بلکہ تدریجی لمبا سلسلہ ہے جو کافی مدّت تک دراز رہتا ہے لیکن بالآخر اسے آخری دموں تک پہنچنا ہوتا ہے صحابہ کی نسل سے تابعین کی نسل کی جُدائی کا یہ دَور بھی ایک لمبا تدریجی عمل ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے لمحہ سے شروع ہوا۔ اور تقریباً نوّے برس ہو گئے ابھی تک جاری ہے آج بھی ہم میں صحابہ تو موجود ہیں لیکن بہت شاذ ...... حضرت سیّدہ امتہ الحفیظ صاحبہ ..... بطور رفیقہ بھی ایک برکت رکھتی تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد کی حیثیت سے (جن کے متعلق

الہاماً پہلے خبر دی گئی تھی ، بھی ایک خاص اہمیت رکھتی تھیں۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں توہمات پیدا کرنے والے یا توہمات میں بسنے والے لوگ اس قسم کی افواہیں نہ پھیلانی شروع کر دیں کہ گویا یہ جماعت کے لیے ایک بد شگون ہے وہ بزرگ جو دُنیا سے اُٹھ رہے ہیں ان کی برکتیں ان کے ساتھ چلی جائیں گی۔ اور ہم بے سہارا رہ جائیں گے۔ اس خطرے کی پیش بندی کے لیے میں نے مضمون کا ایک پہلو غیر معمولی زور کے ساتھ بیان کیا اور آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ برکتوں کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کریں ان کی حقیقت سے آشنا ہوں پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ حقیقی برکتیں اخلاقِ حسنہ میں ہیں حقیقی برکتیں نیکیوں میں ہیں حقیقی برکتیں تعلق باللہ میں ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکی اخلاقِ حسنہ اور تعلق باللہ کے مضمون میں بہت نمایاں نشان اختیار کرنے والا کوئی بزرگ ہم سے جدا ہو رہا ہو تو اس کی جدائی کا احساس تو ضرور رہے گا اس کا خلا تو ضرور محسوس ہوگا مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ گویا یہ برکتیں جو ایک ابدی نوعیت کی برکتیں ہیں یہ ہم سے جُدا ہو جائیں گی۔ یہ نتیجہ درست نہیں اور اگر خلاء زیادہ محسوس ہو تو پھر یہ فکر کی ضرورت ہے کہ ہمارا قصور ہے یہ خلاء کیوں محسوس ہوتا ہے یا خلاء کیوں پیدا ہوا جو ہم نے محسوس

کیا ..... پس فی الحقیقت جو خلاء کا احساس ہے وہ اپنی جگہ ایک الگ ایک آزاد حقیقت ہے، لیکن خلاء کے مضمون کو سمجھنے کے بعد ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جتنا بڑا خلاء پیدا ہوتا ہے اس خلاء میں ہماری کمزوریوں کا بھی بہت بڑا دخل ہے اگر ہم برکتوں سے محبت کرنے والے ہوں اور حقیقتاً ان کی اہمیت کو سمجھنے والے ہوں تو ان برکتوں کو ہمیں اپنی ذات میں جاری کرنا چاہیئے تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے نور کے طور پر قرآن کریم نے پیش فرمایا جو خدا کے نور کی مثال ہے یہ نور اپنی پاکیزگی میں ایک حیرت انگیز استثنائی شان رکھتا ہے اپنی جلا میں اس کی کوئی دوسری مثال دکھائی نہیں دیتی .... وہ کسی قسم کے تعصبات یا نسلی رجحانات رکھنے والا نور نہیں ہے مشرق کے لیے بھی ہے مغرب کے لیے بھی ہے..... یہ نور پھیلنے والا نور تھا۔ یہ ایسی شمع تھی جو دوسری شمع کو روشن کر سکتی تھی چنانچہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اور بہت سے سینوں نے اپنے اندر اس نور کو مستعار لیا اور پھر اپنی شمعیں روشن کر لیں اور پھر جگہ جگہ مومنین کے سینہ میں اس نور کو چمکتا ہوا اور ارد گرد کے ماحول کو روشن کرتا ہوا پایا گیا۔ یہ وہ مضمون تھا جس کو میں جماعت کے

سامنے نمایاں طور پر لانا چاہتا تھا کہ نُور سے نُور لینا اور نُور بننا خلا کو محسوس کرنا لیکن دوسروں کے لیے ایسا نمونہ بن جانا کہ وہ خلا محسوس نہ کریں اور ایک نُور کو لے کر دوسروں تک پہنچانا اس کی طرف توجہ کریں اور بجائے اس کے کہ کھوتے ہوتے کی طرف اپنی ساری توجہ مبذول کریں جو حاصل ہو سکتا ہے اس کی طرف توجہ مبذول کریں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعض وجودوں کو آنکھیں ترسا کرتی ہیں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی شان تھی باوجود اس کے کہ آپ کو اسوہ قرار دیا گیا ۔ باوجود اس کے کہ یہ یقین دہانی کروائی گئی کہ یہ نُور باقی رہنے والا نور ہے اس کے ساتھ ساری روشنی نہیں چلی جائے گی تم جانتے ہو یہ نور تمہارے گھروں میں چمک رہا ہے تمہارے سینوں میں چمک رہا ہے اس یقین دہانی کے باوجود اسوہ قرار دینے کے باوجود جب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جدا ہوئے تو آنکھیں ویران ہو گئیں ایسے ایسے دردناک مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری دُنیا صحابہ پر اندھیر ہو گئی ۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انتہائی درد کی آواز بلند کی بے ساختہ ان کے سینے سے ایک ایسی چیخ نکلی جو اپنی ذات میں ایک دائمی چیخ بن گئی ؎

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

یہ صحابہ کے دل کی وہ کیفیت تھی جسے حضرت حسان بن ثابتؓ کی زبان نے بیان کر دیا کہ اے جُدا ہونے والے میرے محمدؐ میرے پیارے تُو وہ نُور تھا جس سے مَیں دیکھا کرتا تھا تو میری آنکھوں کی پُتلی تھا ہاں آج تُو جُدا ہوا ہے تو مَیں آنکھوں کے نُور سے محروم ہو گیا ہوں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ من شاء بعدک فلیمت اب جو چاہے تیرے بعد مرتا پھرے فعلیک کُنت احاذر مجھے تو صرف تیرا غم تھا کہ تو نہ ہاتھ سے جاتا رہے وہ صحابہؓ بھی برکتوں کے مفہوم کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برکتوں کو اپنے تک محدود رکھنے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ کل عالم میں پھیلانے کے لیے آئے تھے ایسا نُور لاتے تھے جو مشرق اور مغرب میں چمکنے والا ہے جو بادشاہوں کے محلوں اور فقیروں کی کٹیاؤں میں چمکنے والا تھا۔ جو کوئی تفریق نہیں کرنے والا تھا۔ اس کے باوجود جہاں تک ذاتی شان کا تعلق ہے اس کے جُدا ہونے سے لازماً اندھیرا دکھائی دینا چاہیئے تھا کیونکہ مقابل پر جو نُور تھے ان کی حیثیت آزادانہ طور پر اتنی نہیں تھی کہ ایک جانے والے

نُور کی کمی کو کوئی ایک دم پورا کر سکے۔ ستارے سورج کے غروب ہونے کے وقت فوراً تو روشنی نہیں دکھایا کرتے یعنی شام کے دھندلکے اور جھٹپٹے کا وقت کچھ دیر باقی رہتا ہے اور طبیعتوں میں اُداسی پیدا کر دیتا ہے۔ شام کی اُداسی کا فلسفہ دراصل یہی ہے روشنی غائب ہو چکی ہوتی ہے سورج جا چکا ہوتا ہے اور ستارے ابھی اپنی روشنی دینا شروع نہیں کرتے اس لیے کہ گئے ہوتے سورج کی روشنی میں بھی وہ ماند دکھائی دیتے ہیں۔ وہ روشنی ابھی باقی رہتی ہے یاد باقی رہتی ہے اسی طرح حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جُدائی کا احساس تو نمایاں کر دیا لیکن ستاروں کو ابھی یہ توفیق نہیں بخشی تھی کہ وہ فوراً مطلع پر ابھر کے اپنے آپ کو دکھانا شروع کریں اور اپنی روشنی کو پھیلانا شروع کریں اس لیے یہ جوڑ یا سنگھم کا زمانہ بڑے گہرے غم اور فکر کا زمانہ تھا اور حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جُدائی کا محسوس ہونا ایک طبعی امر تھا۔ اسی طرح ہر بزرگ کی جُدائی درجہ بدرجہ محسوس تو ہوتی ہے اور خلاء بھی پیدا ہوتے ہیں۔۔۔۔ اور ایک شدت کے ساتھ خلاء کا احساس ہوتا ہے، لیکن جب آپ تجزیہ کریں تو اس کے علاوہ اور بھی بہت سے پہلو ہیں جو اس عمل میں کارفرما دکھائی

دیتے ہیں اور محرکات بھی ہیں جو اپنا اپنا پارٹ پلے کرتے ہیں اپنا حصّہ ادا کر کے وہ جُدا ہو جاتے ہیں شخصیتوں پر غور کریں تو ہر شخصیت میں ہر خوبی کو اپنے اندر سمانے کی خاصیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے بعض لوگ ایک پہلو کے لحاظ سے حسُن اختیار کر جاتے ہیں بعض دوسرے پہلو کے لحاظ سے حسن اختیار کر جاتے ہیں بعضوں میں ایک بُرائی شامل رہتی ہے جن کے ساتھ بعضوں میں دوسری برائی باقی رہتی ہے اسی لیے ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ ؎

گلشن پرست ہوں مجھے گُل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

جو خوبیوں سے محبّت کرنے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بعض خوبیوں کے ساتھ بعض بُرائیاں بھی اکٹھی آئیں گی۔ گلدستے سے پیار ہے تو کانٹوں سے بھی نباہ کرنا ہی پڑے گا تو ایسے وجود جو سراسر فیض ہوں اور ساری خوبیوں کے مجمع بن جائیں سارے انوار کا مہبط ہو جائیں۔ سارے حسن کا گلدستہ بن جائیں ایسے وجود استثنائی شان رکھنے والے وجود ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہمیں دُنیا میں ملی جلی کیفیات کے لوگ نظر آتے ہیں ان میں کمزور بھی ہیں اور

طاقتور بھی ہیں زیادہ حسین بھی اور کم حسین بھی پھر ہر ایک کی صفت ایک الگ حیثیت رکھتی ہے کوئی کسی پہلو سے چمکتا ہے کوئی کسی دوسرے پہلو سے چمکتا ہے۔ اس لحاظ سے جب ایک شخص مر جاتا ہے ہم سے جُدا ہو جاتا ہے تو ہم بلاشبہ محسوس کرتے ہیں کہ بعض پہلوؤں سے وہ ہمیں ضرور یاد آئے گا اور لوگ چاہے کیسے بھی ہوں اس کے باوجود ہمیں بعض پہلوؤں سے اس کا خلا محسوس ہوگا......

.....حضرت صاحبزادی سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے متعلق جو خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ عورتوں کی طرف سے بھی اور مردوں کی طرف سے بھی ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شفقت کا دائرہ بہت ہی وسیع تھا۔ مدت تک یہ نسل ان شفقتوں کو یاد کریگی۔ اگر خلا نہ بھی پیدا ہو تب بھی ایسی شفقتیں ضرور یاد رہتی ہیں صرف خلا کی وجہ سے نہیں ویسے ایک اور مضمون بھی ہے جو اس میں اثر دکھاتا ہے وہ یہ کہ کسی کے احسان کے نتیجہ میں اس سے پیار پیدا ہو جاتا ہے اس کی محبّت دل میں پیدا ہو جاتی ہے ویسا اگر کوئی اَور ہو بھی تو ایک وفادار شخص ایک محسن کو بھلا تو نہیں دیا کرتا کہ اس کی بجائے اور محسن آگیا ہے محبت کا

مضمون ایک جُدا مضمون ہے اس شخص کی برکت اس شخص کی برکت کے طور پر پیاری ہو جاتی ہے۔ ویسی برکت باہر سے ملتی بھی ہو تب بھی اس جُدا ہونے والے کی جدائی کا احساس ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہے گا کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اَور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

تم جیسے ہونگے مگر ہمیں تم سے جو تعلق پیدا ہو چکا ہے ہمیں تمہاری جو ادا الگ دکھائی دیتی ہے اس سے انکار نہیں کہ عقلاً واقعۃً تم جیسے سینکڑوں ہزاروں اور ہونگے غیر جانبدار آنکھ دیکھے گی تو ہو سکتا ہے تم سے بہتر بھی قرار دے دے کسی کو مگر ہمیں تمہاری عادت پڑ گئی ہے ہمیں تم سے پیار ہو گیا ہے۔

پس ایک محسن اس لیے بھی خلا چھوڑ جاتا ہے کہ جو برکتیں انسان اس سے حاصل کرتا ہے اور اس کے احسان کا مورد بنتا ہے اس کے احسان کے نتیجہ میں اس کی جُدائی تکلیف دیتی ہے اس کے علاوہ بعض اَور قسم کی خصوصی برکتیں بھی ہوتی ہیں جن میں سے ایک بہت ہی اہم برکت دُعا کی برکت ہے یہ بھی ایسی چیز نہیں جسے کوئی جُدا ہونے والا اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ مذہب میں MONOPLY کا کوئی مضمون آپ کو دکھائی نہیں دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں

مقبول ہوتی تھیں آپؐ نے ان کے بارہ میں کوئی راز نہیں رکھا
اور نہ خدا نے کوئی راز رکھا یہ دُعائیں کیوں مقبول ہوتی تھیں۔
قرآن کریم نے وہ سارے نسخے سب کے لیے روشن کر دیئے۔
جن کو بعض دُنیادار لوگ پیٹنٹ کروا لیا کرتے ہیں اور بعض
چھوٹے درجہ کے بزرگ ان کو خاص نسخوں کے طور پر سینہ
بسینہ محفوظ کر کے آگے اپنے خاص مریدوں تک رازدارانہ
رنگ میں پہنچاتے ہیں کہ فلاں وظیفہ یوں کیا جائے فلاں
وظیفہ یوں کیا جائے، لیکن وہ عظیم الشان وجود جو رحمۃٌ للعالمین
بن کے آیا تھا اس نے دُنیا سے کوئی بات راز میں نہیں رکھی۔
سارے عالم پر سب نسخے ظاہر کر دیئے۔ قرآنِ کریم نے بھی
ظاہر کئے اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ نے بھی ظاہر کر دیئے۔ اس
لیے وہ برکتیں نہ صرف عام ہوئیں بلکہ لافانی ہو گئیں انہیں
لافانی بن جانا چاہیئے تھا، لیکن اس کے باوجود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں
تھیں دوسرے اس تک نہیں پہنچ سکے اور نہ آئندہ پہنچ سکتے
ہیں ..... کیسے ممکن ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی جُدائی کے بعد اچانک آپ کی دُعاؤں کا فقدان ان معنوں
میں محسوس نہ ہوا ہو کہ ہر ضرورت مند جس وقت ضرورت پیش
آتی ہے پہنچ جاتا ہے کہ جی اس بات کی دُعا کریں اس

بات کی دُعا کریں۔ اس بات کی دُعا کریں۔ کبھی نماز کے وقت پہنچ رہے ہیں کبھی نماز کے بعد اُٹھ کر یہ عرض کر دیا۔ یا رسول اللہؐ اس چیز کی ضرورت پیش آگئی ہے دُعا کریں وہیں ہاتھ اُٹھائے دُعا کر دی اور بعض دفعہ ایسے حیرت انگیز طور پر وہ دُعا قبول ہوتی تھی کہ دیکھنے والے حیران رہ جایا کرتے تھے.... غرض ایسے ایسے عجیب نظارے جن آنکھوں نے دیکھے ہوں کیسے ممکن ہے کہ ایسی بابرکت ہستی کی جُدائی کے بعد وہ صرف اس بات پر ہی اطمینان پکڑ جائیں کہ وہ برکتیں جاری رہنے والی برکتیں ہیں۔ دُعا کی برکتیں آپؐ نے سکھائیں جس طرح بچے کو پیار سے ماں سکھاتی ہے اس سے بھی زیادہ پیار اور توجہ سے آپؐ نے تربیت کی اور بڑے دُعا گو پیچھے چھوڑے لیکن وہ جو خود تھے وہ تو پیدا نہ ہوسکا۔ اس لیے وہ خلا ضرور محسوس ہوا اور دیر تک محسوس ہوتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا بھی ناجائز ہے کہ آپؐ کی دُعاؤں کی ساری برکتیں اُٹھ گئیں۔ آج بھی اُمتِ محمدیہ پر آپؐ کی دُعاؤں کی برکتیں برس رہی ہیں۔ دیکھنے والے جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں کہ ہزار خطروں کے ایسے لمحے آئے جن سے اُمتِ محمدیہ بچ کر گذر گئی اور ہلاک ہونے سے بچالی گئی۔ جو خالصتاً حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کی جاری برکات کے

نتیجہ میں تھا۔ پس مایوسی کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں اور وہ دُعا گو پیدا ہوئے جن کا زمانہ کے لحاظ سے تیرہ سو سال کا فرق تھا، لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں ہی کی برکتوں نے ایسے دُعا گو پیدا کر دیئے جنہوں نے پرانی دُعاؤں کی یادیں زندہ کر دیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کپورتھلہ کے دو رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب جُدا ہونے لگے تو ان میں سے ایک نے (منشی اروڑے خان صاحب نے) اپنے خاص پیار کے انداز میں بے تکلفی کے انداز میں یہ درخواست کی کہ بہت گرمی ہوگئی ہے ہم نے واپس جانا ہے اور موسم بڑا سخت ہے حضور دُعا کریں کہ ایسی بارش برسے کہ اوپر سے بھی بارش ہو اور نیچے سے بھی بارش۔ بارش ہی بارش ہو جائے۔ (اب یہ محاورہ ہے اوپر سے بھی بارش نیچے سے بھی بارش) منشی ظفر احمد صاحب بڑے ذہین اور فطین انسان تھے انہوں نے مسکرا کر عرض کی حضور میرے لیے اُوپر کی بارش کی دُعا کریں نیچے کی بارش کی نہ کریں وہ بتاتے ہیں کہ جب ہم روانہ ہوئے اور قادیان سے بٹالہ تک کا سفر ابھی آدھا طے نہیں کیا تھا کہ اس قدر کالی گھٹا اُٹھی ہے اور اس زور سے برسی ہے کہ ہم حیران

رہ گئے۔ بارش کے کوئی آثار نہیں تھے، لیکن اتنا مینہ برسا کہ جل تھل ہو گیا ڈڈالہ کے پاس یا اس سے کچھ آگے ایک پل آیا کرتا تھا جس کی وجہ سے سڑک میں کوہان کی طرح اونچا ایک بند سا بن گیا تھا جس سے ٹھوکر لگتی تھی۔ جب اس کوہان پر تانگہ پہنچا تو اتنی زور سے جھٹکا لگا کہ منشی اور بڑے خان صاحب اُچھل کر کیچڑ میں جا گرے۔ ان کے اوپر بھی بارش تھی اور نیچے بھی بارش تھی اور منشی ظفر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ان کو صرف اوپر کی بارش ملی نیچے کی بارش نہیں ملی وہ خدا جو غیر معمولی شان کے ساتھ دُعاؤں کی قبولیت کے نشان دکھایا کرتا تھا۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کی برکت سے ایسی دُعائیں کرنے والے پیدا ہو گئے کہ خدا نے دوبارہ ویسے ہی نشان دکھانے شروع کر دیئے اس لیے دُعاؤں کی برکتوں سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اس مایوسی کے خلاف ہوں میں نے پہلے بھی آپ کو نصیحت کی تھی اور اب بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ہرگز ایسی مایوسی کا شکار نہ ہوں آپ دُعا گو بنیں آپکو دعاؤں کی برکتیں ملیں گی اور آپ خود دُعا گو بن جائیں گے، لیکن ایک دُعا گو بزرگ کو اس کی رحمتوں اور شفقتوں اس کے احسان کے نتیجہ میں یاد رکھنا اور اس کی کمی محسوس کرنا یہ ایک

الگ مضمون ہے اس سے وفا کرنا اور خود جس سے دُعائیں لیتے رہے اُس کے لیے دُعائیں کرنا یہ بھی ایک الگ مضمون ہے جو پہلے مضمون کے منافی نہیں اس مضمون کو سمجھ کر اس کو اپنے طور پر یاد رکھیں اور اس پر بھی عمل کریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے جلدی بعد جو دردناک نظمیں کہیں ان میں سے ایک نظم کے چند شعر میں آپ کو سناتا ہوں اس وقت آپ کے دل کی جو کیفیت تھی وہ ان اشعار سے مترشح ہوتی ہے ؎

وہ نکاتِ معرفت بتلائے کون
جامِ وصلِ دِلربا پلوائے کون
ڈھونڈتی ہے جلوۂ جاناں کو آنکھ
چاند سا چہرہ ہمیں دکھلائے کون
کون دے دل کو تسلّی ہر گھڑی
اب آڑے وقتوں میں آڑے آئے کون
کون میرے واسطے زاری کرے
درگہِ ربّی میں میرا جائے کون
کس کی تقریروں سے اب دل شاد ہو
اپنی تحریروں سے اب پھڑکائے کون

جو درد کی یہ آواز بلند کر رہا تھا بعد میں وہ خود سب باتوں میں وہی کچھ ہو گیا وہی کچھ بن گیا معرفت کے نکات تبلانے لگا۔ وہ خود وہ ہو گیا یعنی جامِ وصل دلربا پلوانے لگا وہ خود وہ ہو گیا کہ بعد میں جس کے جلوۂ جاناں کو ترستی آنکھوں نے ڈھونڈا اور وہ اس کو نہ پا سکیں۔ وہ آڑے وقتوں میں آڑے آنے والا ہو گیا۔ پس برکتوں کے جانے سے اس کے خلا کا احساس بھی ایک زندہ حقیقت ہے۔ پس اگر آپ مضمون کو اس طرح سمجھیں تو آپ کے تصورات میں توازن کا کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہو گا۔"

دو احادیث

حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اخبرکم بِخیَارِ امرائکم وشرارھم۔ خیارھم الذین تحبونھُمْ ویحبونکم وتدعون لھم ویدعون لکم۔ وشرار امرائکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم۔

(ترمذی ابواب الفتن)

اے عمر بن خطابؓ کیا مَیں تمہیں تمہارے بہترین اور

بدترین اُمراء کے بارہ میں نہ بتلاؤں۔ تمہارے بہترین امیر وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ تم ان کے لیے دُعا کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے دُعا کرتے ہیں اور بدترین وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہیں ناپسند کریں اور جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:۔

اذا احب اللہ عبداً نادی جبریل ان اللہ یحب فلاناً فاحبہ فیحبہ جبریل فنادی جبریل فی اھل السماء ان اللہ یحب فلاناً فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی اھل الارض۔

(بخاری کتاب الادب باب المقۃ من اللہ)

جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے کہتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت کر اس پر جبرائیل اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جبرائیل ساکنانِ فلک میں اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے پس اے اہلِ سماء تم بھی اس سے محبت کرو پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اسکے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اہلِ زمین میں بھی اسے قبولیت عامہ کا شرف بخشتا ہے اور ہر ایک اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔

ایک مکتوب

حضرت سیّدہ مرحومہ کے دو شعر

پ

آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی عزیزہ فوزیہ شمیم صاحبہ نے مجھے ایک خط میں لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

مکرمی محترمی سجاد صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط ملا۔ بھائی جان عباس نے ذکر کیا تھا کہ آپ امّی کی سوانح لکھ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو احسن طور پر یہ کام کرنے کی توفیق دے اور اس راہ میں جو بھی پریشانیاں ہیں ان سے بچائے۔ سعدیہ کے بعد تو میرا یہ حال ہے کہ دماغ نے گویا کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے اپنی اس حالت پر ندامت بھی ہے اور پریشانی بھی۔ صبر کے جس مقام پر آپ مجھے کھڑا سمجھتے ہیں وہ مجھ میں نہیں۔ بہرحال میں ہر طرح سے کوشش کروں گی جب بھی میرے ذہن نے کام کیا۔ میں امی کے متعلق تأثرات جو لکھنے سے رہ گئے تھے آپ تک پہنچاتی رہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔ امّی کا کلام میرے پاس تو نہیں ہے کیونکہ میں بہت چھوٹی تھی جب امّی کو ابّا کی بیماری کی وجہ سے اتنا مصروف رہنا پڑا کہ شعر و شاعری کی ہوش ہی نہ رہی۔ ابا کی وفات کے بعد انہوں نے اپنی

ایک ڈائری مجھے دی تاکہ سفرِ یورپ کے واقعات اس میں لکھتی رہوں۔ اس ڈائری میں دو اشعار تھے جن کے بارے میں کبھی تصدیق نہ کر سکی کہ وہ امّی ہی کے تھے۔ شرم مانع رہی۔ لیکن میرا اغلب خیال یہی ہے کہ وہ امی کے اپنے شعر تھے۔ نیچے لکھے دیتی ہوں۔ حروف کے اِدھر اُدھر ہونے کی غلطی ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔

میری جُدائی گوارا ہوئی تمہیں کیونکر
تمہیں یہ ذکر بھی تھا ناگوار یاد کرو
کہاں ہے؟ کدھر ہے؟ قرار دل کا میرے
بنے نخے تم مرے دل کا قرار یاد کرو

۔۔۔۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا آپ سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں مجھے بھی اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام فقط

فوزیہ شمیم

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ایک خطاب

مرسلہ : محترمہ امۃ الہادی صاحبہ قیادت ۳ کراچی

۶ رجولائی ۱۹۷۵ء کو نور ہسپتال کراچی میں حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی آمد پر ایک استقبالیہ دیا گیا۔ جس جگہ تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ یہ ہال محترمہ ڈاکٹر زبیدہ طاہر صاحبہ نے تعمیر کروا کے جماعت احمدیہ کے لیے

وقف کیا ہے اور آج اس کی افتتاحی تقریب بھی تھی۔

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ سے درخواست کی گئی کہ وہ ممبرات سے خطاب فرمائیں اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ واقعات سنائیں جس پر آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت صرف چار سال کی تھی مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ لیکن آپ نے اپنے ہاتھ سے یہ پیغام لکھ کر دیا جو خاکسارہ نے پڑھ کر سُنایا:۔

السلام علیکم ! میں اپنی سب بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے میری خاطر بار بار تکلیف اُٹھا کر مجھے بُلایا۔ جماعت کراچی نے جس محبّت اور اخلاص کا اظہار کیا ہے میں اس کے لیے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے اَور کچھ نہیں کہتی البتہ حسبِ توفیق سب بہنوں اور بھائیوں کے لیے دُعا کرتی ہوں اور بفضلِ تعالیٰ دُعا کا موقعہ بھی ملتا رہتا ہے۔ میں بھی اپنی بہنوں سے یہ درخواست کروں گی کہ وہ بھی میرے لیے یہ خاص دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مرتبہ سے نوازا ہے میں اس کی اہل بھی ثابت ہوں میں اپنے کو اس قابل نہیں پاتی کہ میں حضرت مسیح موعود سے وابستہ ہوں۔ مگر یہ شرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے بے مانگے مجھے بخشا ہے خدا کرے میں خود کو اس قابل بھی بنا سکوں۔ میں مکرر اپنی بہنوں کا

شکریہ اس ہمدردی پر ادا کرتی ہوں جو انہوں نے میرے داماد عزیزم شمیم احمد کی بیماری میں کی سب نے میرے فکر اور غم کے ایّام میں میرا ساتھ دیا۔ دُعائیں کیں عیادت کو آئیں اب بھی میری بہنیں اپنی دُعاؤں میں میری بچی کو یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے شوہر کو صحت کامل عطا فرمائے اور آئندہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ و مامون رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔"

امۃ الحفیظ بیگم

(تقریب کے اختتام پر دُعا کے بعد آپ نے سب ممبرات سے مصافحہ کیا۔ گفتگو فرمائی اور بعض سے معانقہ بھی کیا)

☆

گلشن احمد کا حسین پھول

میری پیاری بہن حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

☆

(حضرت سیّدہ اُمّ متین مریم صدیقہ صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے تاثرات)

اس سال جماعت احمدیہ کو اور بالخصوص مستورات کو جو المناک صدمہ پہنچا وہ حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا وصال ہے جو اچانک ۶ رمئی ۱۹۸۷ء

کو ہوا۔۔۔۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری اولاد آپ کی صداقت کا عظیم الشان نشان تھی اور ہر ایک کے متعلق جو آپ کو خبر دی گئی وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ پوری ہوئی۔ جب حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ہوا۔ اس وقت آپ کے سبھی بچے چھوٹے تھے۔ حضرت فضل عمر ۱۹ سال کے اور حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ صرف چار سال کی۔ کون دعویٰ سے اپنی اولاد کے متعلق کہہ سکتا ہے کہ میری اولاد ایسی ہوگی سوائے ان کے جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی ہو۔ چنانچہ دُنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کی ساری اولاد کے متعلق وہ تمام پیشگوئیاں جو آپ نے کی تھیں نہایت شان و شوکت سے پوری ہوئیں۔

باوجود اس کے کہ حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کوئی تربیت حاصل نہیں کی بلکہ آپ اتنی چھوٹی تھیں کہ کوئی بات بھی یاد نہیں رہی پھر بھی آپ کی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں نمایاں طور پر اُبھریں جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی ولادت سے قبل خبر دی گئی تھی۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے اپنے بیٹوں میں سے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے لیے آپ کا انتخاب کیا اس سلسلہ میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے حالاتِ زندگی جو محترم ملک صلاح الدین صاحب نے اصحاب احمد کی بارہویں جلد میں مترتب کئے ہیں کا پیش لفظ تحریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"۱۴-۱۵ سال کی عمر سے ہی ان میں احمدیت کی پختگی اور سعادت دیکھ کر ان کے والد (نواب محمد علی خان مرحوم) نے ان کو چُن لیا تھا کہ عزیزہ امتہ الحفیظ بیگم کے لیے رشتہ کا پیغام دینے کو کہ میرا یہی لڑکا مناسب اور موزوں ہے فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُختر کا پیام اس کے لیے دینے کی جرأت کر سکتا ہوں جس کو ایمان و اخلاص اور احمدیت میں دوسروں سے بڑھ کر پاتا ہوں پھر یہ رشتہ ہو گیا اور مبارک ہوا۔"

خود حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کا بیان ہے کہ "جب میری شادی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر ہونے لگی تو حضرت والد صاحب نے مجھے تحریر فرمایا کہ اپنا رشتہ ہونے پر بھی میں کس طرح حضرت اماں جان اور حضرت صاحب کی اولاد در اولاد در اولاد کا احترام کرتا ہوں اور لکھا تھا کہ اگر یہی طرز تم بھی برت سکو تو پھر اگر تمہاری منشاء ہو تو میں اس کی تحریک اور استخارہ کروں ورنہ ایسے پاک وجودوں کی طرف خیال لے جانا بھی گناہ ہے۔

(اصحاب احمد جلد ۱۲)

.... حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے بارہا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹیوں کی زمین سنبھالنے کی وجہ سے میری آمد میں برکت ڈالی ہے ...... حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب دل کے شدید حملہ سے ایک لمبا عرصہ بیمار رہے آپ کی بیماری میں حضرت سیدہ

امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے بے مثال خدمت کا نمونہ دکھایا۔۔۔۔

۔۔۔۔۔آپ حضرت اماں جان کی بہت پیاری بیٹی اور سب بہن بھائیوں کی بہت لاڈلی بہن تھیں۔حضرت فضل عمر نے آپ سے بیٹیوں کی طرح محبت کی آپ نے قرآن مجید ختم کیا تو آپ کی آمین لکھی جس میں خدا تعالےٰ احسانوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے اپنے بہن بھائیوں کے لیے عظیم دُعائیں کیں۔۔۔۔

تاریخ گواہ ہے کہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری بشارتیں آپ کی اولاد کے متعلق بڑی شان سے پوری ہوئیں وہاں حضرت فضل عمر کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دُعائیں بھی مستجاب ہوئیں۔

حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ گو ایک لمبے عرصہ سے بیمار تھیں لیکن پھر بھی جماعت کی خواتین اور بچیاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور آپ کی دُعاؤں اور نصائح سے مستفیض ہوتیں جس سے اب ہم محروم ہو گئے ہیں۔

۔۔۔۔۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کی وفات کے بعد جب حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع منتخب ہوتے تو آپ نے اپنے متبرک ہاتھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی آپ کو پہنائی۔

آپ بہت خوش خلق بہت منکسر المزاج بہت ہمدرد بہت دُعائیں کرنے والی بہت برکتیں رکھنے والی ہستی تھیں جو ہم سے جُدا ہو گئیں، لیکن ہمارا خدا زندہ خدا ہے جو ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہے حضرت مرزا طاہر احمد

صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ کے فرمان کے مطابق ہمیں اپنی قربانیوں اور اخلاص سے ان برکتوں کا مورد بننا چاہیئے جو کبھی ختم نہ ہوں بلکہ ہمیشہ ہمیش جاری رہیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے آمین

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ میری پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ہم دونوں میں عمر کا بہت فرق تھا۔ ۱۹۳۲ء میں حضرت والد صاحب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم نے جو ان دنوں رہتک میں سول سرجن لگے ہوتے تھے مجھے تعلیم کے لیے قادیان بھجوا دیا۔ کچھ عرصہ تو میں اپنی نانی اماں کے گھر رہی پھر باقی بہن بھائی بھی پڑھنے کے لیے قادیان آگئے اور والدہ صاحبہ بھی آگئیں۔ ان دنوں حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ حضرت اماں جان کے پاس مقیم تھیں اور ایف اے انگریزی کے امتحان کی پرائیویٹ طور پر تیاری کر رہی تھیں میری اچھی طرح جان پہچان ان سے اس عرصہ میں ہوئی میں اکثر حضرت اماں جان کے ہاں جایا کرتی تھی آپ کی صحبت میں گذارے ہوتے وہ دن اب بھی بڑی شدت سے یاد آتے ہیں عمر کے فرق کے باوجود ہم دونوں بہت بے تکلف تھیں میری سلائی اچھی تھی آپ نے اپنی چھوٹی بچیوں کے کئی فراک مجھ سے سلواتے۔

پھر میری شادی ہوئی تو آپ سے نند کا رشتہ بھی ہو گیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ میرے دل میں آپ کی عزت اور احترام بڑھتا ہی چلا گیا۔

جب حضرت اماں جان بہت بیمار ہوئیں تو انہی دنوں لاہور میں حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب بھی بہت علیل تھے آپ کے لیے شوہر کو

چھوڑنا بھی مشکل تھا اور ادھر حضرت اماں جان کی طبیعت بھی دن بدن گر رہی تھی آخر اپنی بیٹی کو ان کے پاس چھوڑ کر آپ ربوہ آگئیں اور حضرت اماں جان کی خدمت کرتی رہیں۔ حضرت اماں جان کی وفات اور تدفین کے اگلے روز آپ لاہور واپس چلی گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میری تو تربیت ہی میرے سُسرال میں ہوئی اور حضرت اماں جان کی ذاتی توجہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سے بہت کچھ سیکھا۔ آپ بہت وسیع القلب۔ بہت خوش اخلاق۔ اور بہت وسیع النظر تھیں۔ ایک دفعہ بعض غلط فہمیوں کی بناء پر میرے اور میرے ایک عزیز کے درمیان کچھ کشیدگی ہوگئی آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنی خداداد فراست سے کام لیتے ہوئے وہ کشیدگی فوراً دُور کروا دی۔ آپ میں برداشت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے شوہر اور داماد کی المناک وفات کے دو بڑے صدمے زندگی میں برداشت کئے جس سے آپکی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔

خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بنیاد جن ستونوں پر رکھی گئی آپ کا وجود ان میں سے آخری ستون تھا۔ گلشنِ احمد کے یہ پھول اپنی اپنی مہک دکھلا کر رخصت ہوگئے۔ اب ہم سب نے اس مہک کو سدا قائم رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رُوح پر اپنے بے شمار فضل نازل کرے اور ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

حضرت باجی جان کی یادیں

حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ مہر آپا حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت سیدہ دختِ کرام کی حسین یادوں کو اس طرح سپردِ قلم فرمایا:۔

ہم لوگ حضرت اباجان کے ساتھ آپ کی سروس کے دوران عموماً قادیان سے باہر رہا کرتے تھے صرف جلسہ کے ایام میں دو چار روز گذار کر جلد واپس چلے جاتے۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے (جبکہ ہم صرف دونوں بہنیں ہی تھیں) جب پہلی دفعہ باجی جان کے دعوت نامے پر ہم آپ کے ہاں دارالسلام گئے تھے تو باجی جان نے حضرت پھوپھی جان مرحومہ (حضرت سیدہ اُم طاہر احمد صاحبہ) کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مریم یہ ہیں آپ کی دونوں بھتیجیاں جن کا ذکر آپ اکثر کیا کرتی تھیں؟ آپ نے مجھ سے کیوں نہ ملایا؟ اور یہ چھپا کر رکھی ہوئی تھیں۔ پھوپھی جان نے مسکرا کر فرمایا۔ میں نے نہیں چھپائی ہوتی تھیں۔ بھائی (میرے اباجان) سروس کی وجہ سے ہمیشہ باہر ہی ہوتے ہیں اور سروس بھی فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کی ہے ان کو جب دسمبر کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو جلسہ اٹینڈ کرنے آتے ہیں جلسہ کے معاً بعد واپسی ہو جاتی ہے اور جلسہ کے ایام میں مصروفیت ہوتی ہے اس لیے میرے لیے ان بچیوں کو ملانا یا متعارف کروانا ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ تو ہم دونوں بہنیں نماز کے لیے

تیار ہوتیں اور جاتے نماز اور کمرے کا پوچھا مجھے یاد ہے کہ آپ نے ہماری اس بات کو بہت پسند کیا اور فرمایا کہ اس قدر چھوٹی عمر میں اس قدر نماز کی باقاعدگی ؟ پھوپھی جان خوش ہوتیں اور انہوں نے وضاحت کی کہ اس بچی (خاکسارہ) نے صرف چار یا سوا چار سال کی عمر میں قرآن کریم ختم کیا ہے جبکہ فارسٹ والوں کو کوئی ٹیچر بھی میسر نہیں ہوتا یہ بھابی جان (میری والدہ) اور بڑے بھائی جان کی خاص توجہ کا ثبوت ہے اور پھر یہ بھی بتایا کہ دونوں بہنوں کا یہ حال ہے کہ جونہی بھائی اور بھابی جان (میرے اماں ابا) تہجّد کے لیے اُٹھتے یہ دونوں خواہ باہر برفباری ہو رہی ہو خواہ کس قدر موسم خراب ہو اسی وقت وضو کر کے ان کے کمرہ میں پہنچ کر ان کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں باجی جان کو یہ باتیں اس قدر پسند آتیں کہ جب کبھی ملنے کا اتفاق ہوتا آپ خاص طور پر ہم دونوں کو پیار کرتیں اور ارد گرد بیٹھے ہوتے افراد سے اس کا بڑے حسین پیرائے میں ذکر کرتیں۔ نہ صرف یہی باجی جان کو ہماری سادگی بھی اس قدر پسند آئی کہ ہمیشہ تعریفی کلمات میں ہماری مثال دیا کرتیں۔

جب دارالانوار میں ہماری کوٹھی بنی تو اتفاق سے ان دنوں باجی جان دارالحمد میں رہائش پذیر تھیں۔ ہم اتفاقاً چند دن کے لیے آتے ہوتے تھے میں نے بڑی منّت سماجت اور ضد کر کے اپنی اماں مرحومہ کو کہا کہ جتنے دن بھی ہم یہاں ہیں مجھے سکول جانے کی اجازت دیں اماں کا موقف یہ تھا کہ چند دنوں کے لیے سکول کا داخلہ بے معنی ہے اس لیے اس خیال کو چھوڑ

دو۔ لیکن آخر میری ضد غالب آئی اور سکول آمد و رفت کا انتظام بذریعہ تانگہ ہوا۔ جب حضرت باجی جان کو پتہ چلا تو فوراً میری اماں کو کہلا بھیجا کہ بچیوں کو دھوپ لگ جاتے گی ان کو ٹھنڈی جگہ کی عادت ہے۔ میری بیٹیاں کار میں سکول جاتی ہیں میرا اور آپ کا گھر ساتھ ساتھ ہے۔ آپ تکلف نہ کریں اور ہرگز کسی بات کا احساس یا فکر نہ کریں تو یہ کار آپ کی ان دونوں بچیوں کو بھی لے لے گی۔ اکٹھے سب کی آمد و رفت ہو گی۔ (یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ میں چوتھی اور ناصرہ میری بہن غالباً تیسری کلاس میں تھیں)، سو اس طرح چند روز ہوتا رہا۔ پھر ہم واپس چلے گئے۔ یہ آپ کی انتہائی نیکی و تقوٰی اور بے لوث ہمدردی کی زندہ مثال ہے بڑے خلوص سے ہمیں ٹانگے میں دھوپ کی کوفت سے بچانے کے لیے اپنی گاڑی کو OFFER کرنا۔

ہمارا جب کبھی بھی قادیان آنے کا اتفاق ہوتا اور آپ کو ہمارا پتہ چلتا تو اسی وقت آپ کا پیغام آ جاتا میری اماں مرحومہ کی طرف۔ کہ میں گاڑی بھجواؤں گی اور ساتھ خادمہ بھی ہو گی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ "بزرگ صاحبہ" میری بڑی پھوپھی جان بھی ساتھ ہی آ جائیں تاکہ آپ کو بچوں سے متعلق تسلّی رہے کیونکہ آپ نے یہ سُنا ہوا تھا کہ میرے ابا جان بیٹیوں کو ادھر اُدھر بغیر اماں کے بھجوانے کے خلاف تھے۔

حضرت باجی جان خود بڑی خاموش دُعاگو تھیں باوجود اپنے ایک خاص مقام کے سلسلہ کے بزرگوں کی بہت قدردان اور ان کو اکثر دُعاؤں

کی تاکید کے ساتھ پیغام بھجوایا کرتیں ۔ جیسے میرے دادا جان حضرت ڈاکٹر سیّد عبدالستار شاہ صاحب یا میری تمام پھوپھیاں ۔ اور جب کبھی خاص دُعاؤں کی ضرورت سمجھتیں آپ بڑی پھوپھی " بزرگ صاحبہ " کو گھر بُلا کر ان سے دُعائیں کرواتیں ۔ اسی طرح میرے چچاؤں کو بھی دُعاؤں کے خطوط یا پیغام آتے ۔ جو اپنے تئیں انتہائی انکساری کا اظہار کرتے اور یہ کہتے کہاں آپ کا اپنا مقام ! اور کہاں ہم ! اور یہ کہ ۔ یہ آپ کی محض حُسن ظنّی ہے ۔

رتن باغ (لاہور) میں ہم سب (پارٹیشن کے بعد) اکٹھے رہا کرتے تھے ان دنوں " نونو " کی آمد آمد تھی ۔ اصل میں اس بچّی کا نام عائشہ امۃ الباقی ہے اور یہ بچی آپ کی نواسی ہیں جو کہ عزیزہ محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ اور محترم مرزا مبارک احمد صاحب کی بیٹی ہیں ۔ اس بچّی سے پہلے سوائے ایک بیٹے " جیبی " کے غالباً تین یا چار بچے ضائع ہو چکے تھے ۔ باجی جان ۔ چلتے پھرتے جب مجھ سے ملتیں دُعا کی یاد دہانی کرواتیں ۔ مَیں اپنے دل میں عجیب طرح خفیف ہو کر رہ جاتی ۔ اس خیال سے کہ کیا مَیں اَور کیا میری دُعا ! یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے حضرت فضل عمر حضرت اماں جان اور حضرت بڑی بیگم صاحبہ سب کی دُعاؤں اور تضرعات کو قبول فرمایا ۔ ایک دن شام کے قریب مَیں نے ایسے ہی کچھ پھل اور تھوڑی سی مٹھائی باجی جان کو بھجوائی ۔ اور عجیب اتفاق کہ آپ نے ابھی اس میں سے کوئی چیز کھائی ہی نہ تھی کہ " نونو " کی پیدائش اور

دونوں ماں بیٹی کی خیریت کی خوش خبری بذریعہ تار آگئی (کیونکہ بیگم و مرزا مبارک احمد صاحب دونوں لاہور سے باہر تھے) باجی جان یہ خوشخبری سُنتے ہی مجھے خوشی خوشی ملیں اور دل کی گہرائیوں سے یہ بات کہی "بشریٰ تمہارا بھجوایا ہوا پھل اور میٹھی چیز کس قدر نیک شگون اور بھاگوان ثابت ہوا مجھے خدا نے خوشخبری سے نوازا۔"

اب غور کرنے کا مقام ہے ایسے اتفاقات ہو جاتے ہیں مگر باجی جان نے میری کس قدر دلداری کی اور در پردہ میری راہنمائی اس بات کی طرف کی کہ اگر خدا سے ڈھیٹ گداگر بن کر کچھ مانگا جاتے تو وہ ذات باری ایسے گداگر کا کشکول خالی نہیں لوٹاتا اور میرے ایمان ویقین کو اس طور پر پختہ کیا۔

پارٹیشن پر جب قادیان سے ہم نکلے ہیں تو ہمارا اس طرح غیر متوقع طور پر نکلنا بالکل بے سروسامانی کی حالت میں تھا۔ایک وہی جوڑا جو مَیں نے پہنا ہوا تھا۔یا پھر برقعہ اور اس کے سوا قطعاً کچھ نہ تھا کسی نہ کسی طرح لاہور جودھامل بلڈنگ پہنچے۔گرمی کے دن غسل کرنا اور پھر کپڑے بدلنے کا سوال۔عجیب تکلیف دہ تھا۔باجی جان نے جب مجھے سخت گھبراہٹ میں دیکھا تو مجھے مشورہ دیا۔نہالو۔اور پہنے ہوتے کپڑے دھوکر۔باہر لڑکیوں کو دو وہ باہر پنکھے کی ہوا میں سکھا کر تمہارے غسل تک تمہیں پکڑا دیں گی۔سو اسی طرح ہوتا رہا لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس سخت تکلیف دہ حالات و تفکرات میں آپ نے کس قدر گہری اور ہمدردانہ نظر مجھ پر رکھی اور پھر اس مسئلے کو اس طور حل کیا۔گو میں بظاہر کچھ نہ

کتنی تھی نہ ہی بولتی اور نہ ہی کبھی نہانے دھونے کپڑوں کے موضوع پر اظہار کرتی۔ کیونکہ وہ خوفناک پریشانی کے دن تھے۔ حضرت فضل عمر قادیان ان کی بخیریت واپسی کا سوال۔ پھر پورے قادیان کے احباب کی خیریت کا سوال اور اسی سے متعلق دوسرے بہت سے مسائل تھے۔ جن کی وجہ سے ایک ایک لمحہ بے کیف اور پریشان کُن تھا۔ مگر باجی جان کی ہمدردانہ نگاہوں نے باوجود ان تمام باتوں کے۔ پورے حوصلے اور ایمان ویقین پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوتے ہم لوگوں کی ان چھوٹی چھوٹی بے حقیقت باتوں کو خوب مدِّنظر رکھا اور حالات کے مطابق جو کر سکتی تھیں ہنستے مسکراتے کیا۔

لاہور جودھامل بلڈنگ پہنچنے پر۔ جب مغرب وعشاء کا وقت ہوا تو کسی نے باجی جان کو کہہ دیا کہ مہرآپا زمین پر بیٹھی ہوئی ہیں پتہ چلتے ہی آپ نے اسی وقت مجھے ایک چارپائی بھجوائی ......۔ اسی دوران یعنی قیام جودھامل بلڈنگ جمیل جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ بیمار ہو گئیں ان کے علاج معالجہ غذا کی طرف جہاں تک مجھ سے ممکن تھا میں خاصی توجہ دیتی رہی، لیکن جمیل کی یہ حالت تھی کہ جونہی ذرا طبیعت خراب ہوئی نہ غذا لیتیں نہ دوائی۔ ایک ٹانگ پر کھڑے کھڑے بُرا وقت گذر رہا تھا۔ آخر باجی جان کو میرا شدید احساس ہوا اور مجھے کہا تم اس کی تیمارداری وغیرہ سے ہٹ جاؤ۔ میں جمیل کو خود ہینڈل کرتی ہوں۔ باجی جان نے یہ پریشانی اور ذمہ داری کیوں مول لی ایک تو خیر بھتیجی ہونے کے ناطے سے ان کو

جمیل کا خود بہت احساس تھا۔ دوسرے میری ذات سے ان کو بہت تعلق اور ہمدردی تھی۔

سیدنا حضرت فضل عمر کے بخیریت قادیان سے آجانے کے بعد جب ہم لوگوں نے جودھامل بلڈنگ سے رتن باغ شفٹ کیا ہے تو اس وقت حالات اسی طرح مخدوش اور پریشان کُن نظنے کنواتے آرہے تھے۔ ریفیوجیز کے لانے اور منضبط کرنے اور پھر خورد و نوش کا مسئلہ ہنوز روز اوّل تھا۔ باجی جان کے پاس خدا معلوم کس طرح چندان کے اپنے پہننے کے عام مستعمل کپڑے جو کہ غالباً دو چار جوڑوں پر مشتمل ہونگے آگئے ان میں سے ایک جوڑا مجھے بھجوایا۔ ان کی گہری نظریں مجھ پر تھیں اور ایک مخلصانہ ہمدردی اندر اندر کام کر رہی تھی۔ کہ یہ تو بالکل خاموش ہے اور اس کے پاس ہے بھی کچھ نہیں اس لیے آپ نے اپنی کمال شفقت و پیار سے وہ کپڑے مجھے بھجوائے اور یہ پیغام ساتھ بھجوایا کہ اگر بُرا نہ مانو میرے یہ کپڑے اگرچہ پُرانے ہیں تم وقتی طور پر استعمال کر لو۔ مَیں نے کہلوایا۔ باجی جان۔ بُرا ماننے کا سوال؟ یہ تو میرے لیے تبرک بھی ہے۔ اور میری ضرورت بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے جس ہمدردی اور خلوص سے حالات کے تحت یہ تحفہ بھیجا ہے یہ تو میرا سرمایہ ہے۔

دوران قیام رتن باغ۔ ایک دفعہ کسی نے غلط فہمی کی بناء پر باجی جان کو یہ کہہ دیا کہ فلاں بات جو آپ نے کہی تھی۔ وہ مہر آپا نے ہی سیدنا حضرت فضل عمر کو بتائی ہے۔ مجھے اب نہ وہ بات یاد ہے نہ واقعہ اور یوں بھی کوئی

سرسری سی بات تھی ، باجی جان نے جبکہ میں اتفاقاً ایک دو دن کے لیے معمول کے مطابق اپنے ابا جان کو ملنے جا رہی تھی کسی کے ہاتھ ایک بند لفافہ بھجوایا جو میں نے چلتے چلتے پرس میں رکھ لیا۔ اور دورانِ سفر میں نے اسے پڑھا جس میں صرف یہ چند سطور تھیں۔ پیاری بشریٰ۔ السلام علیکم ! تم اباّ اماں کو ملنے جا رہی ہو ان کو میرا اسلام اور دُعا کا کہنا۔ اچھا جاؤ ع

بہ سلامت روی و باز آئی

ہاں ! یاد آیا کیا فلاں بات بڑے بھائی سے میرے متعلق تم نے کہی تھی ؟ مجھے اس کا قطعاً یقین نہیں میں ویسے ہی پوچھ رہی ہوں" یہ مختصر سا خط پڑھ کر سخت متعجب تھی کہ مجھے تو کسی بات کی نوعیت کا ہی سرے سے علم نہیں پھر مجھے خواہ مخواہ کیوں گھسیٹا گیا۔ خیر میں نے پہنچتے ہی پہلا کام یہی کیا کہ باجی جان کو نفی میں جواب دیدیا۔ اگر میں ایسی کوئی بات سُنتی بھی تو بھی ان سے یعنی سیّدنا حضرت فضل عمر سے اس کا ذکر نہ کرتی کیونکہ آپ دونوں بہن بھائی ہیں اور یہ رشتہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس پر باجی جان کا بہت پیارا جواب آیا کہ جزاک اللہ مجھے تو بفضلہٖ سو فیصدی یہی یقین تھا کہ تم ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔ جس کے مربّی تمہارے اماں ابا جیسے ہوں۔ تم نے اتنی اچھی بات کہی ہے کہ بہن بھائی کا رشتہ بہت اہم ہے اور ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہے۔

سیّدنا حضرت فضل عمر کے وصال پر جب میری عدت کے دن پورے ہوتے آپ اس سے ایک دن پہلے صبح ہی صبح میرے گھر آئیں میں ڈریسنگ

روم میں تھی آپ نے مجھے اپنے بیڈ روم میں نہ پاکر۔ ایک سینٹ کی شیشی میرے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھدی اور میری کارکنہ لڑکی کو یہ پیغام دیکر فوری طور پر چلی گئیں کہ مہر آپا کو کہنا کہ آج تمہاری عدت ختم ہے۔ نہاؤ کپڑے بدلو اور یہ سینٹ جو مَیں تمہارے لیے لائی ہوں یہ استعمال کرو اور آج کے دن سے مَیں تمہیں اچھے لباس میں دیکھوں۔ تم اسی طرح پہنو۔ اوڑھو۔ جہاں تک خدا تعالیٰ کا امتناعی حکم تھا وہ آج کے دن تک پورا ہوگیا اور بس۔

اور پھر اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر مجھے کہا۔ تم نے میری بات نہیں سُنی اور نہ اس پر پوری طرح عمل کر رہی ہو دیکھو! سب کچھ پہنو، اوڑھو۔ بیٹوں کی مائیں ہمیشہ سہاگنیں ہی ہوتی ہیں۔ اب دیکھئے! کسقدر کمال ہمدردی کے کلمات تھے اور جذبہ شفقت وخلوص سے بھرپور پہلے آکر نہانے دھونے کپڑے بدلنے کی تاکید کر جاتی ہیں اور پھر سینٹ دے کر اُسے استعمال کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ اس کے بعد جب بھی مجھے آپ نے اُداس و پژمردہ دیکھا۔ تو ایسے فقرے کہے جن کے انکار سے مجھے مفر ہی نہیں تھا۔ یہی ڈر اور خیال غالب آ گیا۔ کہ آپ کے دل میں یہ بات کہیں جڑ نہ پکڑ لے کہ مَیں اپنے تمام بچوں کو اپنے بچے نہیں سمجھتی۔ اس لیے آپ کی اتنی بڑی بات کی طرف توجہ نہیں دی اور میرا اغلب خیال اب یہی ہے کہ آپ نے مجھے راہِ راست پر لانے کے لیے اور پھر سے مجھ میں زندگی پیدا کرنے کے لیے یہ بات کہی۔ اور ایسی بات جب ہی ہو سکتی ہے جب کسی کے معصوم دل میں انتہائی خلوص وشفقت کے علاوہ اس کے لیے

شدید درد ہو اور یہ باجی جان ہی کی شان تھی جنہوں نے اپنے مقام کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہوتے میری اس طور دلداری کی۔

میں نے جب پہلے گھر سے اپنے اس موجودہ گھر میں شفٹ کیا۔ تو مجھے سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب عزیزہ محترمہ سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ یہاں آنسو بھری دُعاؤں کے ساتھ چھوڑ کر گئے۔ ان میں حضرت باجی جان بھی تھیں۔ اسی طرح محترمہ صاحبزادی سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ۔ صاحبزادی امۃ النصیر صاحبہ اور دیگر چند اور بچیاں بھی تھیں۔ میں دیکھ رہی تھیں کہ مجھے یہاں چھوڑتے ہوتے سب کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ باجی جان بڑے صبر وضبط والی تھیں بار بار مجھے پیار بھی کرتیں اور جس طرح کوئی کسی کو بہلا رہا ہوتا ہے اس قسم کے موضوعات پر تبصرہ کرتی رہیں۔ مثلاً یہی کہ بُشریٰ۔ تمہارا گھر مجھے بہت اچھا لگا۔ اس کا نقشہ بہت اچھا ہے۔ اس کے فانٹل ٹچز بہت اچھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیوں؟ اور کس لیے؟ اس لیے کہ زخمی دل پر سکون کے پھاہے اور توجہ اور احساس کی شدت کو ختم کرنے کے لیے ہو رہا تھا۔

باجی جان پر خود بڑی سے بڑی ٹریجڈی گذری مگر وہ اس قدر صبر وشکر۔ عزم واستقلال کی ایسی کوہ وقار تھیں کہ کیا مجال کہ زبان پر کوئی لفظ بھی ایسا آیا ہو۔ حضرت میاں عبداللہ خان صاحب کی وفات پر کامل خاموشی اپنی سب سے چھوٹی بیٹی جوان تھی انتہائی لاڈلی تھی ان کی اس چھوٹی سی عمر میں بیوگی پر بالکل چپ اور خاموش۔ ہاں سجدوں میں خدا کے

حضور گھنٹوں سر بسجود۔ بند دروازہ میں معلوم نہیں کیا مانگا جاتا رہا۔ ہم نے انہیں ہر قدم پر صابر و شاکر خاموش ہی پایا۔

اس چھ سالہ بیماری کے دوران (جب ذرا بہتر تھیں) کبھی کبھی مجھے فون خود کر دیتیں یا پھر کسی خادمہ کو بھجوا دیتیں اور کہتیں بشریٰ! میرا فون خراب ہے ذرا ایکسچینج کو کہہ کر ٹھیک کروا دو۔ یا کبھی کہتیں بشریٰ کمیٹی والوں کو فون کروا دو اور کہو کہ مجھے پانی کی تکلیف ہے۔ یا بارشوں کی وجہ سے میرے اور تمہارے گھر کی درمیانی سڑک نشیبی ہے۔ نہایت گندا پانی آرہا ہے جو تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی مضر ہے اس کا فوری انتظام کرواؤ وغیرہ۔ یا کبھی میرا حال پوچھ لیتیں۔ ابتداء میں جب تک چلنے پھرنے کے قابل تھیں میرے ہاں بھی چکر لگاتیں اور کہتیں تم کیا گھر میں بند ہو کر بیٹھ گئی ہو، نکلا کرو۔

میری اماں مرحومہ کی وفات ہوئی تو بڑے پر وقار انداز سے میری دلجوئی کرتی رہیں۔ برابر تین چار دن آتی رہیں۔ اور اس ٹریجڈی کے موضوع کو نہ چھیڑتیں۔ اس موضوع سے ہٹ کر ایسی باتیں کرتیں جن سے میرا خیال بٹ جاتے۔ ایک دفعہ اماں مرحومہ کی وفات کے غالباً ایک ماہ بعد میں آپ کے پاس گئی۔ مجھے دیکھتے ہی غیر ارادی طور پر بے ساختہ یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکل گئے۔ بشریٰ! تمہارا یہ کیا حال ہو رہا ہے۔ اماں کی جُدائی تم پر اس حد تک اثر انداز ہوئی ہے کہ تمہاری صحت بُری طرح گر گئی ہے اس طرح نہ کرو۔ باہر نکلو۔ ملو جلو۔ اس راستہ پر تو ہر ایک نے جانا ہی

جانا ہے۔

آج سے غالباً دو سال قبل جبکہ مجھے لاہور ڈاکٹرز کنسلٹ کرنے کے لیے جانا پڑا تو میں جاتے ہوتے آپ سے ملنے گئی۔ یوں تو آپ بہت دیر سے صاحبِ فراش تھیں، لیکن کوئی مزید غیر معمولی بات نہ تھی۔ جونہی میں لاہور پہنچی تین چار ڈاکٹرز سے APPOINTMENT لی۔ اور ابھی صرف ایک ہی ڈاکٹر کو دکھایا تھا کہ اچانک باجی جان کی غیر معمولی بیماری کے فون آنے لگ گئے۔ میں نے لاہور کے امیر صاحب سے آپ کی خیریت اور تفصیل پوچھی اور تاکید کر دی جب بھی جتنی دفعہ ربوہ سے اطلاع آئے مجھے فوری اطلاع کریں، لیکن آخر میں دوسرے دن ہی تمام ڈاکٹرز کی اپائنٹمنٹس کینسل کروا کر چل پڑی۔ شدید گرمی بمشکل تین بجے دوپہر ڈرتے ڈرتے سیدھی آپ کی کوٹھی کی طرف گاڑی لے گئی پوچھنے پر پتہ چلا کہ اب رات سے طبیعت بہتر ہے اور آپ اور دیگر گھر والے آرام کر رہے ہیں۔ میں پھر شام کے وقت باجی جان کو دیکھنے گئی تو خدا کے فضل سے بہتر پایا۔ مجھے دیکھتے ہی آپ کے بچوں نے جو اس وقت آپ کے پاس سارے جمع تھے بتایا حد ہو گئی جب پھوپھی جان کی طبیعت بحال ہوئی اور اپنے اردگرد اپنے بہو بیٹوں اور دیگر بچوں کو جمع دیکھا تو پہلے کچھ حیران سی ہوئیں کہ آپ لوگ سب کیسے آئے؟ پھر اپنی بیماری کی کیفیت کا پتہ چلنے پر اپنے بچوں کو مخاطب ہو کر بار بار یہ کہا کہ تم لوگ تو میری بیماری میں سب آگئے ہو۔ میری دیکھ بھال کر رہے ہو۔ مجھے بتاؤ بشریٰ کی دیکھ بھال کون کرے گا؟

عزیزہ امۃ الباری عباسں نے بتایا کہ مہر آپا۔ پھوپھی جان نے یہ بات اتنی دفعہ دہرائی کہ مَیں ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ اور مَیں نے کہا مہر آپا کی بھی خدمت اور دیکھ بھال وہی کریں گے جو اس وقت آپ کی کر رہے ہیں آپ تو اچھی ہو جائیں آپ فکر کیوں کر رہی ہیں۔ عزیزہ باری کہتی ہیں کہ یہ بات میں نے جب اچھی طرح ذہن نشین کر دی تو آپ خاموش ہو گئیں۔ مَیں نے باری سے کہا دیکھو بڑے بزرگوں کی باتیں یہی تو ہوتی ہیں جو امتیازی شان رکھتی ہیں ان کو ایسی تکلیف میں میرا خیال کس طرح آیا۔ اور پھر تمہارے جواب پر پُرسکون ہو گئیں۔ ظالم! یہ موقع تھا کہ تم بجائے اس کے کہ یہ بات کہتیں کہ پھوپھی جان اگر آپ کو ان کا اس قدر خیال اور فکر ہے تو آپ ان کے لیے یہ دعا کرتی رہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو اس قسم کی کسی آزمائش سے دوچار نہ کرے وہ چلتے پھرتے ہی خدا کے حضور پہنچے۔ باریؔ کسقدر یہ اہم موقع تھا اگر تم جواب میں میرے لیے دُعا کی یہ تحریک کر دیتیں۔

میری شومئ قسمت کہ جب آپ کی کوٹھی مکمل ہو گئی تو مَیں نے باجی جان سے کہا۔ مَیں بہت خوش اور مطمئن ہو گئی ہوں۔ آپ میرے پاس آ گئی ہیں۔ مجھے آپ کے پاس آنے میں کوئی دِقت نہ ہو گی۔ اس طرح ہم باہم آسانی سے ملتے رہیں گے، لیکن میری طبیعت ہائی بلڈ پریشر سے کچھ اس طرح مضمحل رہی کہ ایسا ممکن نہ ہو سکا اور باجی جان خود ایسی صاحبِ فراش ہوئیں کہ بالکل بستر ہی کی ہو گئیں اور آپ کی طبیعت ایسی کمزور ہوتی کہ بعض اوقات ہم لوگ۔ اگر میرا کبھی جانا ممکن ہو جاتا تو ان کی تکلیف

کے خیال سے صرف بات سلام تک محدود رہتی ۔آپ کی وفات کے صرف دو دن قبل مَیں نے آپ کی خادمہ سے آپ کی طبیعت پوچھی اس پر آپ نے کہا کہ مَیں خود مہر آپا سے بات کروں گی ۔ یہ سن کر میری خوشی وسکون کی انتہا تھی اور دل بھی چاہا کہ مَیں خود اس وقت چلی جاؤں اور بات کرلوں مگر وہ وقت بھی غالباً گیارہ بارہ بجے کے درمیان کا تھا اور مَیں آپ کے آرام کے خیال سے باوجود خواہش کے نہ گئی ۔اور اس طرح اگلے ہی دن اچانک دن کے تین بجے آپ کی وفات کی اطلاع ملی جس کا کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔کیونکہ اس سے قبل کسی قسم کی غیر معمولی طبیعت کی خرابی کا ہم سب میں سے کسی کو علم نہیں ۔

ایک دفعہ آپ مری میرے پاس جبکہ مَیں باقاعدہ ہر سال مری گرمیوں میں سیزن گذارنے جایا کرتی تھی صبح تقریباً ۹ ۔۱۰ بجے پہنچیں اور بمشکل شام تک ہی قیام کیا میرا اصرار تھا کہ آپ کم ازکم ہفتہ عشرہ تو ٹھہریں لیکن آپ نے ہر دفعہ مجھے یہی کہا ۔کہ مَیں پھر کبھی اپنا پروگرام بنا کر آؤں گی تو ضرور ٹھہروں گی مگر خیبر لاج میں اب تو اس قدر گنجائش بھی نہیں صبح سے شام تک جس قدر لمحات میرے پاس قیام کیا وہ لمحات کتنے قیمتی تھے میرے لیے ۔ سارا وقت ہنستی ہنساتی رہیں اور بار بار کہتیں ۔ بشریٰ تمہارے پاس میرا بہت دل لگا ہے تم نے اس ٹوٹی پھوٹی بلڈنگ کو اپنی رہائشی جگہ کو کس سلیقے کے ساتھ سیٹ کر رکھا ہے اور کتنی رونق لگا رکھی ہے کیونکہ مَیں جب مری جایا کرتی تو میرے ساتھ جانے والوں کے علاوہ

راولپنڈی کی جماعت کی اکثر خواتین اور مقامی لوگوں اور ملنے والوں کی آمد و رفت رہتی مری میں رہنے والے۔ اپنی جماعت کی خواتین کی بھی آمدورفت برابر رہتی اور باہر گاڑیاں بھی ان لوگوں کی پارک رہتیں۔

آپ سوچ سکتے ہیں کہ ان چند گھڑیوں کے قیام کے دوران حضرت باجی جان کی کتنی اور کس قدر تواضع کر سکتی تھی، مگر باجی جان تھیں کہ ہر بات پر میری تعریف کئے جاتی تھیں۔ جب واپس جانے لگیں تو بہت پیار سے مجھے گلے لگایا اور فرمایا۔ بشریٰ میں سچ کہتی ہوں تمہارے پاس آکر مجھے بڑا ہی لُطف آیا ہے۔ تم نے جنگل میں منگل بنا رکھا ہے لو اب خدا حافظ یہ کہہ کر آپ واپس چلی گئیں میں بہت دیر تک آپ کے جانے کے بعد سوچتی رہی کہ باجی جان کسقدر شفیق ہیں۔ کس طرح میری دلداری کی اور کس طور سے میرے مستقبل کی راہنمائی کرتی چلی گئیں۔ آپ کا یہ انداز کتنا خوبصورت تھا۔ پیار ہی پیار میں ہلکے پھلکے طریق پر آپ نے بھلائی کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے تعریفی کلمات سے اس طرح نوازا کہ وہ سب میرے لیے مشعل راہ اصل میں تھا۔ میرے سیزن گذار کر واپسی پر اکثر عزیزوں نے مجھے بتایا۔ کہ ربوہ آپا۔ باجی جان نے واپس آکر آپ کی اتنی تعریفیں کیں اور اس قدر آپ کا پیار سے ذکر کیا —— اور دورانِ قیام مری میں مجھے بعض عزیزوں کے خطوط ملے جن میں یہی ذکر تھا۔ میرے نزدیک بڑے بزرگ اور اہم شخصیتیں اپنے سے چھوٹے عزیز واقارب اور پھر پبلک کی اسی طریق پر تربیت کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے

ہیں اور یہ باجی جان کا خاص انداز تھا۔

لاہور پارٹیشن کے بعد کی بات ہے جب ہم لوگ بھی عام ریفیوجیز کی طرح رتن باغ میں مقیم تھے۔ سیدنا حضرت فضل عمر نے ان عام ریفیوجیز کی دیکھ بھال کے لیے اپنے افراد خاندان میں سے سب کی ڈیوٹیز مقرر کردی تھیں اسی طرح میرے گروپ میں اس کام کے لیے میرے ساتھ حضرت باجی جان کو بھی لگایا اور فرمایا کہ تم اور حفیظ (باجی جان) سامنے والی بلڈنگز یعنی سیمنٹ بلڈنگ اور جسونت بلڈنگ کا کام تم دونوں کے سپرد ہے ان لوگوں کی دیکھ بھال خوراک اور خاص طور پر صفائی کا خیال رکھنا ہوگا اور اس کے بعد مجھے رپورٹ دینی لازمی ہو گی۔ ہم دونوں ایک لڑکی کو ساتھ لے کر چل پڑے اور حضور کی ہدایت کے مطابق کام شروع کر دیا۔ ہم لوگ ان کی صفائی جھاڑو وغیرہ بھی کرتے سامان ترتیب دیتے معقول طریق سے بیٹھنے اور سونے کے لیے ان کے سامان وغیرہ کے ساتھ جگہ بناتے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو دوائی اور علاج کے لیے رپورٹ کرتے مگر اس کام میں جس قدر گالیوں اور مغلظات سے ہمیں نوازا گیا۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یوں لگتا کہ ہم تو چکنے گھڑے ہیں اور باوجود ان تمام کے ہمیں ان پر رحم آتا اور ان کی تکلیف کا احساس ہوتا۔ بہت پیار۔ نرمی اور منتوں سے ان کو بمشکل یقین دلاتے کہ ہم آپ کے خادم ہیں اور آپ کی خدمت کے لیے آتے ہیں جب تک ہم وہاں کام کرتے ریفیوجیز خواتین ہمیں خوفناک گندی گالیوں سے نوازتی رہتیں، لیکن جب انہوں نے باجی جان کی شان میں یہ صورت اختیار کی

تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہا آپ مجھے بے شک جو چاہیں کہہ لیں مگر ان کے (باجی جان کے) خلاف میں ایک بات بھی نہ سنوں گی بلکہ شروع میں میں نے باجی جان سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ چلا کریں۔ آپ انسپکشن کریں، ہدایات دیں مگر میں پریکٹیکلی آپ کو یہ جھاڑو بہارو وغیرہ نہیں کرنے دونگی آپ نے فرمایا نہیں بشریٰ بڑے بھائی کا حکم ہے۔ میں بھی یہ کام کروں گی جب ان مقیم خواتین کی بد کلامی پر میں نے ان سے یہ کہا آپ مجھے جو چاہیں کہیں مگر ان کو (باجی جان کو) کوئی بات نہیں کہہ سکتیں۔ تو باجی جان نے مجھے کہا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے برباد ہو کر دُکھ درد سے چور ہو کر نکلے ہیں ہر ایک کو خواہ کوئی ہمدردی کیوں نہ ہو اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور اس طرح یہ مجبور ہو کر اپنے غصے یا دُکھ درد کا اظہار اس طور پر کر رہی ہیں تم کچھ نہ میرے متعلق کہو۔ چُپکے سے ہم کام کئے جاتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ ان کو سکون دیگا تو خود ہی سب سمجھ آ جائے گا۔ اور دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بشریٰ ہم لوگ تو اس قسم کی گالی گلوچ کے عادی ہیں۔ ہمارے دل میں تو رحم ہی رحم ہے۔ میں نے کہا باجی جان مجھے اپنے لیے تو ایک فیصد بھی احساس نہیں ہوا بلکہ ہنستے مسکراتے ہوئے اور ان سب کو پیار کرتے ہوئے میں کام کر رہی ہوں۔ مجھے آپ کی شان میں اس قدر بے باکانہ کلام برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

یہاں بھی آپ کی ہمدردی اور اخلاص کی آئینہ داری کس شان سے نظر آتی ہے اور پھر امام وقت کے حکم کا احترام اس حد تک کہ میں بھی

اپنے ہاتھ سے وہی کام کروں گی جو تم کر رہی ہو۔ یہ ہے ایمانِ کامل کی خوبصورتی۔
ربوہ قیام کے دوران باجی جان کو کوئی ذاتی مسئلہ درپیش تھا۔ مجھے فرمایا بشریٰ میں تمہاری باری میں آؤں گی تم اِدھر اُدھر کے دروازے بند کر دینا میں یکسوئی سے بڑے بھائی (سیّدنا حضرت فضل عمر) سے کوئی بات کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے ایسا ہی کیا جب اوپر ہم دونوں صبح کے ناشتہ کی میز پر تھے یا غالباً کھانے کی میز پر۔ میں ان کو (سیّدنا حضرت فضل عمر کو) کہہ کر اور باجی جان کو آپ کے پاس بٹھا کر خود اپنے آپ ہی اِدھر اُدھر کام میں بہانے سے مصروف ہوگئی تاکہ جو بھی کوئی خاص بات آپ نے سیّدنا حضرت فضل عمر سے کرنی ہو سکون سے کرلیں انہوں نے مجھے خود ہی بلایا کہ آکر کھانا کھاؤ اور بیٹھو۔ باجی جان نے جو بھی اپنا مسئلہ تھا وہ من وعن آپ کو بتایا اور کہاکہ یہ سب اس کا پس منظر ہے۔ اب آپ بھائی کی حیثیت سے نہیں امامِ وقت کی حیثیت سے خود انصاف کریں چنانچہ وہ سب مسئلہ اسی وقت صاف ہوکر ختم ہوگیا۔

باجی جان نے مجھے بے حد پیار کیا۔ گلے لگایا۔ اور کہا تم نے کس قدر سمجھ بوجھ سے کام لیا اور بڑی ہمت وجرأت کے ساتھ دورانِ گفتگو بڑے بھائی کو بھی کچھ نہ کچھ کہتی رہیں۔ میں اس کی تمہیں داد دیتی ہوں کہ جو کچھ تمہیں حق بات پتہ تھی تم نے بھی یہی کہا کہ اس کی تحقیق لازمی ہے تاکہ پھر امام وقت کے پاس بیٹھ کر کوئی کسی کی ایسی بات نہ کرے جس سے

کسی کو اپنی پوزیشن بھی کلیر کرنی مشکل ہو جاتے۔ اور بہت بعد میں بھی اکثر باجی جان اس بات کا مجھ سے تذکرہ کر کے پھر تے سرے سے مجھے سراہتیں۔ حالانکہ یہ کوئی غیر معمولی چیز نہ تھی۔ میرا ایک فرض تھا جو میں نے جیسے بھی بن پڑا ادا کیا، لیکن قدر دان اور قدر شناس وہی ہوتے ہیں جو خود خدا تعالیٰ کے نزدیک اہم شخصیتیں ہوتی ہیں۔ اور پھر جیسا کہ میں نے بعد میں سُنا کہ باجی جان نے کئی دفعہ تعریفی کلمات میں اس کا تذکرہ کیا۔ اور یہ سب میں سمجھتی ہوں کہ چونکہ میں ناتجربہ کار تھی۔ اپنے ان تمام واقعات میں میری حوصلہ افزائی اعلیٰ طریق پر کرتے ہوتے میری دلجوئی بھی کی اور میری راہنمائی بھی کی۔ مگر کس قدر حسین طریق سے۔

اسی طرح ایک دفعہ رتن باغ لاہور قیام کے دوران کسی بچے کو کوئی معمولی سا زیور بنوانا تھا یا بنا بنایا خریدنا تھا اور وہ زیور ایک چین تک ہی محدود تھا۔ سیّدنا حضرت فضل عمر نے دفتر سے کہہ کر وہ لاکٹ منگوایا تاکہ خریدنے والے کو دکھا کر اس کی پسندیدگی پر اسے لے دیا جاتے۔ اب جب وہ ڈبے میں لگا ہوا لاکٹ آیا تو انہوں نے تو ڈبے ہی میں دیکھ کر مجھے اور باجی جان کو جو اتفاق سے وہیں کھڑی تھیں۔ فرمایا۔ تم لوگ دیکھو اگر خریدنے والے کے مناسب حال ہے تو لے لیا جاتے میں نے جو اس چین کو پوری احتیاط اور آرام سے ہاتھ میں پکڑا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس پر یہ ناراض ہوتے کہ بیگانی چیز توڑ دی۔ اور میں حیران تھی کہ یہ کس قسم کا زیور یا زنجیر ہے جو ہاتھ میں پکڑے

پکڑے دو ٹکڑے ہو گیا۔ یہ کافی برہم تھے۔ باجی جان نے کہا لاؤ میں دیکھتی ہوں اس میں ایسا کیا نقص ہے یا دکاندار ہی کا دھوکا ہے۔ ایسا تو کبھی ہوا نہیں باجی جان نے یہ کہتے ہی وہ چین ہاتھ میں پکڑی ہی تھی کہ پھر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب وہ چین چار ٹکڑوں میں ہو گئی۔ انہوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ زیور انہوں نے (یعنی میں نے) ہاتھ لگاتے ہی اس بری طرح توڑا ہے کہ اب ٹوٹتا ہی جا رہا ہے۔ میں خود بڑی متعجب اور متذبذب تھی کہ ایسا کیوں ہوا اور ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ آخر باجی جان نے کہا کہ بڑے بھائی۔ یہ قصور نہ تو ان کا ہے اور نہ ہی میرا۔ بلکہ اس جیولر کا ہے جس نے دھوکے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا تاکہ جس قدر ہو سکے ناجائز طور پر شور مچا کر اپنا الو سیدھا کرے۔ آپ اس زیور کو اسی وقت واپس کریں اور کسی دوسرے جیولر سے منگوائیں۔ آپ کو ایک حق بات صاف نظر آ رہی تھی آپ نے کس خوش اسلوبی سے اس بات کو ختم کروایا۔ اور ثابت کروایا کہ یہ اسی جیولر کی اپنی کوئی شعبدہ بازی تھی۔ ہم لوگ نئے نئے قادیان سے آتے ہوتے تھے اور رتن باغ میں پورا خاندان قیام پذیر تھا۔ اور باقی باہر کے تمام کوارٹرز اور رتن باغ کے کھلے وعریض میدان اور باغ میں ہمارے ساتھ ساتھ ہم لوگوں کی نگرانی میں قیام پذیر تھے۔

ہزاروں سلام اور رحمتیں آپ پر۔ ان شخصیتوں کے بابرکت وجودوں سے محرومی۔ ہمارے لیے یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ خدا کرے کہ ہم ان کی صفات سے رنگین ہوں۔ تاکہ برکات کا تسلسل مزید بڑھتا چلا جائے

ہم پر ذمہ داری ہے کہ ہم ان کے اوصاف سے متصف ہوں اس حد تک کہ آنے والی اور موجودہ نسلوں کے لیے نمونہ بنیں۔

اچھا باجی جان! میری محبوب آپ خدا تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں قیام پذیر ہوں۔ آپ کی ساری دُعائیں قبولیت کا شرف پائیں اور ہم لوگوں کو خدا تعالیٰ محض اپنے ہی فضل سے آپ کی صفات کا حامل بنائے آمین ۔

اے خدا بر تربتِ اُو ابرِ رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمالِ فضل در بیت النعیم

○

(ماہنامہ مصباح ماہ جنوری فروری ۱۹۵۸ء)

○

خُدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد ۔ بشارت تُو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہونگے یہ برباد ۔ بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد
خبر تُو نے یہ مجھ کو بارہا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(مسیح موعود)

پیکرِ اوصافِ حمیدہ

حضرت سیّدہ مرحومہ کی بڑی بیٹی محترمہ سیّدہ آمنہ طیبہ صاحبہ بیگم حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کی بابرکت زندگی کے بعض پہلوؤں کو اس طرح اُجاگر کیا :-

سب سے پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی یعنی حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کو ہماری ماں بنایا۔ اللہ تعالےٰ ہم سب بہن بھائیوں کو توفیق عطا فرماتے کہ ہم بھی اس احسان کے بدلے میں جو فرائض اور ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں ان کو پورا کرنے والے ہوں اور ہمارا کردار اور ہمارے افعال ان کے نیک نمونے کے مطابق ہوں۔ امّی جان کی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں، کہ مجھے اپنے خیالات اکٹھے کرنا مشکل لگ رہا ہے۔ شاید میں ان پر پوری طرح روشنی نہ ڈال سکوں۔

بحیثیت بیوی

سب سے پہلے تو میں امّی جان کے متعلق بحیثیت بیوی کچھ لکھنے کی کوشش کروں گی جہاں تک میں امّی جان، کو بحیثیت بیوی دیکھتی ہوں تو آپ نہایت ہی محبت کرنے والی۔ نہایت گہرا خیال رکھنے والی بیوی تھیں جو

بھی حالات پیش آئے آپ نے ان کو بشاشت کے ساتھ برداشت کیا اور ہر رنگ میں ابا جان کا ساتھ دیا اور باوجود اس کے کہ ابا جان جیسا محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا قدردان خاوند جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مگر پھر بھی اس سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ اپنے فرائض پوری طرح ادا کئے اور جو خدمت ابا جان کی تیرہ سال کی طویل علالت میں کی اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ شروع کے پانچ سال بیماری کے وہ تھے جو مسلسل بستر پر گذرے۔ اس عرصہ میں ابا جان کو شدید بیماریاں آئیں۔ امی جان نے ٹرینڈ نرسوں کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ابا جان کا خیال رکھا۔ ڈاکٹر یوسف صاحب جو کہ ابا جان کے مستقل معالج تھے ابا جان کو کہا کرتے تھے نواب صاحب ہم ڈاکٹر آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ آج تک کسی مریض کا ایسا علاج نہیں ہوا۔ اور نہ ایسی نرسنگ ہوئی ہے۔ اگر آپ دو نرسیں بھی رکھتے تو آپ کو ایسی نرسنگ نہیں مل سکتی تھی اتنا صاف اور اتنا باقاعدگی کا کام تھا کہ یوں لگتا تھا کہ کوئی ٹرینڈ نرس کر رہی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ بیماریوں کے دوران کئی دفعہ ابا جان کو ہسپتال بھی داخل ہونا پڑا۔ وہاں بھی امی جان کو نرسوں کا کام پسند نہیں آتا تھا۔ ڈاکٹر سے اجازت لیکر دوائیاں وغیرہ سب اپنے ذمہ لے لیتی تھیں۔ پارٹیشن کے فوراً بعد ۱۹۴۸ء میں ابا جان کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اس وقت ایک تو ویسے سب کے مالی حالات خراب تھے۔ اکثر جائیدادیں وغیرہ اُدھر رہ گئیں تھیں۔ گھر بار چھوڑ کر آئے تھے۔ ایک ایک کمرہ میں سب رہ رہے تھے اُوپر سے

بیماری اتنی سخت کہ بے حساب خرچ ہو رہا تھا۔ مردوں کی طرح امی جان نے اس وقت بڑا حوصلہ دکھایا۔ روپے کا انتظام کرنا اور پھر ابا جان کا بھی ہر طرح سے خیال رکھنا۔ تاکہ علاج میں کوئی کمی نہ رہ جائے بعض وقت لاہور کے چوٹی کے پانچ چھ ڈاکٹروں کا بورڈ بیٹھتا تھا۔ اخراجات بہت زیادہ تھے مگر امی نے ابا جان کو بالکل محسوس نہیں ہونے دیا۔ ہمیشہ اپنی بشاشت کو قائم رکھا۔ آپ کی صحت بہت کمزور تھی۔ مگر باوجود اس کے اتنی محنت کی کہ بعض وقت ابا جان کے پاٹ تک خود اٹھاتے کیونکہ پرانے نوکر تو پارٹیشن کے وقت اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے اور نئے نوکر اوّل تو ملتے نہیں تھے اور اگر ملتے بھی تھے تو اتنے بددماغ کہ ایسے کام کرنے سے انکاری۔ شروع بیماری میں تو ہم سب بہنیں پاس ہی رہیں دو دو تین تین گھنٹے سب باری باری دن اور رات ڈیوٹی دیتے تھے مگر کہاں تک ٹھہر سکتے تھے پھر سارا بوجھ اتنا عرصہ امی جان نے ہی اُٹھایا۔ مگر بہت بشاشت اور ہمت کے ساتھ اور ابا جان کو اپنی کسی تکلیف کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔

بحیثیت ماں

بحیثیت ماں جب میں امی جان کے متعلق سوچتی ہوں تو بہت ہی شفیق محبت کرنے والی اور بچوں کے لیے بہت ہی قربانی کرنے والی پاتی ہوں۔ امی جان کی شادی بہت ہی چھوٹی یعنی چودہ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ پندرہویں سال میں تھیں جب میری پیدائش ہوئی اور اُوپر تلے عزیزم

عباس احمد۔ عزیزہ طاہرہ (بیگم مرزا منیر احمد صاحب) کی پیدائش ہوئی بتایا کرتی تھیں کہ میں تین دُودھ کی بوتلیں۔ تم تینوں کے لیے اکٹھی بناتی تھیں۔ چھوٹی عمر کی شادی کے بہت خلاف تھیں کہ لڑکی پر بہت ذمہ داری اور بوجھ اتنی چھوٹی عمر میں پڑ جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ہمارا بچپن کا زمانہ اپنے دادا جان کے ساتھ گذرا زیادہ تر مالیر کوٹلہ میں۔ بعد میں جب مالیر کوٹلہ سے ہم یعنی ابا جان اور امی جان قادیان مستقل آ گئے تو پھر امی جان کا سمجھانا، نصیحت کرنا یاد ہے۔ اس وقت سمجھ کی عمر آ گئی تھی۔ اور ان کا کردار ہی نصیحت کا موجب بن گیا۔ نمازوں اور دُعاؤں کی بہت تاکید کرتی تھیں اور خاص طور پر جب بچہ ہونے والا ہوتا تھا تو خصوصیت سے سیرت حضرت خاتم النبیینؐ اور سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی کُتب پڑھنے پر بہت زور دیتی تھیں کہ بچے پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

ملازمین سے حُسن سلوک

سب ملازم امی جان کی بہت ہی محبت کے ساتھ خدمت کرتے تھے اگر کبھی کسی بات پر ناراض بھی ہوتیں تو بعد میں اس کی اتنی تلافی کرتی تھیں کہ دوسرا شرمندہ ہو جاتا تھا۔ باورچی جو کھانا پکاتا تھا۔ جب وہ آیا تھا۔ تو چھوٹا لڑکا تھا اس کو کھانا پکانا سکھایا اور آخر وقت تک اس نے بہت ہی خدمت کی اور خیال رکھا۔ اس کے بچے سے بہت پیار کرتیں امی جان کی

وفات کے بعد جب ایک دراز کھولا تو اس میں کچھ بسکٹ علیحدہ رکھے ہوئے تھے جب پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ امی جان باورچی کے بیٹے کے لیے منگوا کر رکھتی تھیں حالانکہ وہ احمدی نہ تھا۔ مگر جب امی جان کی وفات کے بعد یہاں سے لاہور میری بہن کے پاس رہنے کو جا رہا تھا تو اس طرح زار و قطار رو رہا تھا کہ میں سوچ رہی تھی کہ ہمیں زیادہ صدمہ ہے یا اس کو۔ اب تک یاد کرکے بہت روتا ہے۔

حصولِ علم کا شوق

امی جان کے متعلق میں اکثر سوچتی تھی کہ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی اس وقت تک کیا تعلیم ہو سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ قرآن شریف اُردو لکھنا پڑھنا یا کچھ دینی کتابیں حدیث وغیرہ پڑھنا جیسا کہ اس وقت کا زمانہ تھا مگر شادی کے بعد باوجود اس کے کہ چھوٹے چھوٹے اوپر تلے کئی بچے پیدا ہوتے آپ نے اپنے علم کو بڑھایا۔ پہلے ادیب کا امتحان دیا پھر میٹرک اور ایف۔ اے کا۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا اب تک لائبریری سے کتابیں منگوا کر پڑھتی رہتی تھیں۔ روزانہ کا معمول تھا کہ صبح ناشتہ کے ساتھ اخبار ضرور سُنتی تھیں اُردو کے اخبار کچھ زیادہ ہی خبریں دیتے ہیں اور مسالے لگاتے ہیں مجھے اکثر خبریں شام کو جب امی جان کے پاس جاتی تو ان سے معلوم ہوتی تھیں۔ رات کو نیند ٹھیک نہیں آتی تھی۔ روزانہ کا معمول تھا کہ لڑکیاں دبا رہی ہیں کہانیاں سُنا رہی ہیں تاکہ نیند آجاتے۔ ضرور

کہانی سن کر سوتی تھیں۔

حُسنِ انتظام

امّی جان میں غیر معمولی انتظامی قابلیت تھی۔ اب تو کئی سال سے ایک طرح سے بستر پر ہی تھیں۔ چلنا پھرنا بالکل ختم تھا۔ مگر بستر پر بیٹھے ہی سب انتظام اس طرح کرواتی تھیں کہ بیمار کا گھر نہیں لگتا تھا۔ جلسہ سالانہ جب ہوتا تھا۔ ربوہ والوں کو مہمانوں کے لیے بہت تیاری کرنا پڑتی تھی اچانک آنے والے مہمانوں کے لیے اکثر کھانے بھی کچے پکے پکا کر رکھنے ہوتے تھے۔ بستروں کا انتظام وغیرہ اور بھی بہت سے کام ہوتے تھے۔ مگر امی جان نے یہ سب کام ہمیشہ وقت سے پہلے تیار کروا کے رکھے ہوتے تھے۔ بہت دُوراندیش طبیعت تھی۔ امی جان کے پاس کھانا پکانے والی اگر عورت آتی ہے یا باورچی جس کو بھی تھوڑی بہت کھانا پکانے کی سُدھ بُدھ ہوتی وہ تھوڑے دنوں میں ایسا عمدہ کھانا پکانے لگ جاتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ کیونکہ امی جان کا یہ طریق تھا کہ اکثر کھانے کی ترکیب خود بتاتی تھیں۔ ویسے ہم نے کبھی امی جان کو ہاتھ میں چمچہ پکڑتے نہیں دیکھا۔ میں سوچا کرتی تھی کبھی خود پکایا یا نہیں مگر کس طرح سارے کھانوں کی ترکیب سمجھا دیتی تھیں۔

امی جان کو اس بات کا بے حد دُکھ تھا کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام یاد نہیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ ان کی وفات کے بعد حضرت اماں جان نے اس لیے

کہ مجھے یاد کر کے تکلیف ہو گی سب کو روک دیا تھا۔ کہ میرے سامنے کوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر نہ کرے۔ بتایا کرتی تھیں کہ مَیں بھی اتنا سہم گئی تھی کہ ایک دفعہ بچوں سے کھیلتے کھیلتے کسی بات پر میرے منہ سے ابّا نکل گیا تو میں نے ڈر کے مارے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں اماں جان نے سُن تو نہیں لیا۔ فرمایا کرتی تھیں اگر حضرت اماں جان اس طرح بھلانے کی کوشش نہ کرتیں تو چار سال کا بچہ اچھا بھلا یاد رکھ سکتا ہے امی جان میں غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔ مَیں اکثر سوچا کرتی تھی کہ حالات نے ان کو فرصت نہ دی ایک روز میری چھوٹی بہن فوزیہ نے مجھے بتایا کہ ایک دن مَیں نے امّی کو کہا "امّی میں اکثر سوچتی ہوں کہ آپ میں اتنی صلاحیتیں ہیں مگر وہ سب دبی ہوئی ہیں" (امی جان اور فوزیہ آپس میں دل کی بات کر لیتی تھیں) اس نے بتایا کہ میرا یہ کہنا تھا کہ امّی کے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

امی جان کو دیکھ کر مَیں اکثر سوچا کرتی تھی کہ جو بچے بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو جاتے ہیں وہ کبھی اُبھرتے نہیں۔ اس وقت جو سہم ہوتا ہے اس کا اثر ساری عمر ساری زندگی اور شخصیت پر ہمیشہ کے لیے پڑ جاتا ہے۔ حضرت اماں جان کی بے انتہا محبت ابا جان کی غیر معمولی محبت اور پیار اور ہر طرح کا خیال مگر امی جان کو دلیر نہ کر سکا۔

کہیں جانا ہوتا تھا تو ضرور چاہتی تھیں کہ میری بیٹیوں میں سے کوئی ساتھ ہو۔ ہمیشہ سہارا چاہتی تھیں۔ بیماری کے آخری ایک دو مہینے میں گذشتہ دنوں کی بہت باتیں کرتی تھیں اور طبیعت کمزور ہونے کی وجہ سے جب

کوئی تکلیف والی بات بتاتی تھیں تو سخت جذباتی ہو جاتی تھیں۔

ایک دفعہ بتایا کہ میری شادی کے شروع سالوں کا زمانہ تھا ایک دن بڑے بھائی (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ قادیان میں ہمارے دادا کی) کوٹھی دارالسلام آتے ہوتے تھے مجھے دیکھ کر فرمانے لگے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو کیا بات ہے۔ امی جان کہنے لگیں یہ سنتے ہی میری آنکھوں سے آنسو گرنے شروع ہو گئے۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ یاد رکھو بعض وقت RACE کا آخری گھوڑا سب سے آگے نکل جاتا ہے۔

صبر و ضبط

صبر جیسا کہ میں نے امی جان کو کرتے دیکھا ہے وہ بھی غیر معمولی ہے زندگی کے آخری سالوں میں ایک دو ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے توڑ کر رکھ دیا۔ سب سے پیاری اور سب سے چھوٹی بیٹی عزیزہ فوزیہ کے میاں عزیزم مرزا شمیم احمد صاحب کی وفات بظاہر تو لگتا تھا کہ برداشت کر گئی ہیں مگر اندر ہی اندر کھوکھلی ہو گئیں اور مختلف بیماریوں کا شکار ہو گئیں۔

یہ تو ان کی طبیعت تھی اور خدا کا فضل تھا کہ اپنی بشاشت اور ہر بات میں دلچسپی آخر وقت تک قائم رکھی۔ اتنی لمبی بیماری کے باوجود امی جان کے پاس بیٹھ کر کوئی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمارے بچے تک "بڑی امی" کی کمپنی میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔

اس بات سے بہت گھبراتی تھیں کہ میری وجہ سے کسی پر بوجھ نہ پڑے کوئی تکلیف نہ اُٹھاتے اپنے نفس پر تکلیف گوارا کر لیتی تھیں مگر حتی الوسع دوسرے پر کسی قسم کا بوجھ ڈالنے سے گھبراتی تھیں۔ ان کی اس طبیعت کی وجہ سے ہمیں ان کی بیماری میں بہت احساس رہتا تھا کہ امی جان ہماری تکلیف کے خیال سے اپنی تکلیف چھپائیں گی اور ہوا بھی اسی طرح کہ ایک گھنٹہ سے ہم باتیں کر رہی تھیں آنے والوں کو پانی وغیرہ پلوانے کو کہہ رہی تھیں باورچی کے بیٹے کو بلوا کر کچھ پھل وغیرہ دیا ہمیں کہا کہ اب جاؤ دوپہر ہو گئی ہے میں نے آرام کرنا ہے۔ ہم چار بہنیں وہاں موجود تھیں ہم لوگ باہر آ گئے فوزیہ کو ہم نے کہا تم سو جاؤ۔ تم ساری رات جاگتی رہی ہو مجھے کچھ گھر میں کام تھا۔ قریب ہی گھر تھا پھر بھی میں کار میں گئی کہ جلدی سے ہو کر آتی ہوں ابھی گھر میں آ کر پندرہ بیس منٹ ہوتے تھے کہ فون آ گیا کہ طبیعت یکدم خراب ہو گئی ہے جلدی آ جاؤ میرا لڑکا عزیز تسلیم احمد جو ڈاکٹر ہے ہمیں کار میں لے کر جلدی پہنچا ابھی دوسرے ڈاکٹر صاحب نہیں آتے تھے۔ عزیزم تسلیم احمد نے جلدی جلدی نبض دیکھی۔ مگر نبض نہ ملی۔ آنکھیں دیکھیں مصنوعی سانس دلانے کی کوشش کی مگر وہ تو اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری نشانی ہم سب اور ساری جماعت کو سوگوار چھوڑ کر اس دُنیا سے چلی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے حساب رحمتیں اور برکتیں ان پر ہمیشہ نازل ہوتی رہیں اور خدا تعالیٰ ہمیں ان کے نیک نمونہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے اور ان کی دُعاؤں کا فیض ہمیشہ ہمیں ملتا رہے۔ آمین

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

"دُختِ کرام"
جذبہ تسلیم و رضا کا پیکر

دختِ کرام حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ دخترِ نیک اختر سیدنا حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے مکرم نوابزادہ میاں عباس احمد خان صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کے متعلق اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا:۔

حضرت دختِ کرام سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی زندگی کا سرورق یا دوسرے الفاظ میں آپ کی سیرت کا نمایاں رنگ عشقِ الٰہی اور اس کے آگے تسلیم و رضا کا جذبہ تھا۔ یہ خاصہ صرف آپ ہی کا نہ تھا بلکہ آپ سمیت آپ کے پانچوں بہن بھائیوں جو کہ نسلِ سیدہ میں سے تھے کی سیرت کا نمایاں پہلو یہی عشق الٰہی اور جذبہ تسلیم و رضا تھا۔ ان پانچوں کے اندر اسمٰعیلی عبودیت نمایاں کردار ادا کرتی نظر آتی ہے یہ تمام اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کا نمونہ تھے۔ اور ان سب نے اپنی گردنیں آستانہ الٰہی کے سامنے ڈال دی ہوئی تھیں۔ سرِ تسلیم خم تھا کہ وہ جو چاہے کرے۔ یہ تمام راضی برضا تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فضلِ عمر زندگی بھر مصائب و مشکلات میں

گھرے رہے اور زندگی کے آخری دس سال شدید بیمار رہے۔ پانچ سال تو بالکل صاحب فراش رہے۔ مگر تمام مصائب اور مشکلات میں سرِ تسلیم و رضا کے ساتھ آستانۂ الٰہی کے آگے جھکا رہا۔ اس عاجز کی خالہ سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے مجھے سُنایا کہ انہوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے کہا کہ آپ اپنے لیے دُعا کریں۔ جواب میں فرمایا کہ مَیں کیوں کروں۔ کیا میرا مولا مجھے خود دیکھ نہیں رہا کہ مَیں کس حالت میں ہوں۔ یہ وہ والہانہ عشقیہ انداز تھا جو کم وبیش آپ کے تمام بہن بھائیوں میں نمایاں جھلک دیتا رہا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی رفیقۂ حیات حضرت اُمّ مظفر احمد صاحبہ کی لمبی تکلیف دہ بیماری کا مرحلہ صبر و رضا کے ساتھ گذارا۔ اور اسی حالتِ صبر و شکر میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب شدید دورانِ سر کی بیماری میں مبتلا تھے خود کہا کرتے تھے کہ یہ تکلیف اکثر ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ یہ تکلیف قریباً پچیس سال رہی اور اسی حالت میں وفات ہوئی۔ مگر کبھی ناشکری کا کلمہ زبان پر نہ لاتے۔

۱۹۵۳ء میں جب آپ کو مارشل لاء کے دَور میں قید کرلیا گیا۔ جیل میں یہ ایام نہایت سکون اور صبر و رضا کے ساتھ گذارے۔ ان دنوں صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے مجھے خود بتایا کہ وہ حضرت چچا جان کو ملنے گئے۔ تو انہوں نے آپ کو پورے سکون کے ساتھ مطمئن پایا۔ انہوں نے کہا کہ چچا جان نے یہ

پوچھا تک نہیں کہ قید کا زمانہ کتنا عرصہ رہے گا اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف کی شکایت کی۔ بھائی مظفر احمد صاحب حضرت ماموں جان مرزا شریف احمد صاحب کے نمونہ سے بہت متأثر نظر آتے تھے۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو بعض لوگوں سے بڑے دُکھ پہنچے۔ مگر آپ نے ضبط و تحمل کا دامن نہ چھوڑا۔

ایک دفعہ بیت مبارک میں درسِ حدیث دے رہے تھے۔ جب واقعۂ افک کی حدیث جس میں حضرت عائشہؓ پر اتہامات کا ذکر ہے سنانے لگے تو حدیث سنانے کے ساتھ ساتھ روتے بھی جاتے تھے۔

ہماری خالہ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اپنے شوہر اور ہمارے دادا حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کئی سال کی لمبی بیماری میں تیمارداری اور خدمت کا وہ نمونہ دکھایا کہ دیکھنے والے اور ہماری ریاست مالیرکوٹلہ کی برادری والے اس پاک نمونہ سے بہت متأثر نظر آتے تھے۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی وفات کے وقت ہماری خالہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی عمر ۴۸ سال تھی۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد ہماری خالہ کے ایام بیوگی کا زمانہ تیس سال سے زائد بنتا ہے اس عرصہ میں پارٹیشن کا زمانہ آیا اور آپ گھر سے بے گھر ہوئیں مگر یہ تمام عرصہ صبر و رضا کے ساتھ گذارا۔ انہی ایام میں آپ نے یہ اشعار کہے ؎

مولا سمومِ غم کے تھپیڑے پنہ، پنہ
اب انتظامِ دفعِ بلیات چاہیئے

مانا کہ بے عمل ہیں نہیں قابلِ نظر
ہیں "خانہ زاد" پھر بھی مراعات چاہیئے
جُھلسے گئے ہیں سینہ و دل جاں بلب ہیں ہم
جھڑیاں کرم کی فضل کی برسات چاہیئے
پل مارنے کی دیر ہے حاجت روائی ہیں
بس التفاتِ قاضیِ حاجات چاہیئے
اتنا نہ کھینچ کہ رشتۂ اُمید ٹوٹ جائے
بگڑے نہ جس سے بات وہی بات چاہیئے

(دُرِ عدن صفحہ ۵۸)

یہ تو عبودیت کی آواز تھی اور اس کیفیت کی حامل جس نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے یہ کہلوایا کہ "اے خُدا اے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" لیکن ساتھ ہی اپنی بندگی کے پیش نظر کہتے جاتے تھے۔ "تیری مرضی پوری ہو"۔

ہماری والدہ دُختِ کرام حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی بھی یہی کیفیت تھی حضرت والد صاحب مکرم کی لمبی بیماری میں ان کی خدمت اور پھر خود ہماری والدہ کی اپنی بیماری ان کی حالت صبر و رضا اور عشق الٰہی کی عکاس ہے .....

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی راقم الحروف کے استاد بھی تھے اور اس عاجز کا آپ کے ساتھ گہرا تعلق تھا کوئی دنیاوی معاملہ ایسا نہ ہوتا کہ میں انہیں دُعا کے لیے نہ لکھتا۔ آں محترم کے متعدد خطوط میرے

پاس محفوظ ہیں۔حضرت والد صاحب کی بیماری کے بارہ میں جس کا حملہ فروری ۱۹۴۹ءکو رتن باغ لاہور میں ہوا۔یہ عاجز حضرت مولانا کو دُعا کے لیے خط لکھتا رہتا تھا۔حضرت مولوی صاحب کے اس زمانہ کے خطوط بھی میرے پاس محفوظ ہیں جن میں حضرت والد صاحب کے بارہ میں منذر اور مبشر خوابیں درج ہیں جن میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ شفایابی غالباً پانچ سال میں ہو گی۔ان خوابوں میں آپ کی یہ خواب بھی تھی کہ اس بیماری کی علّت غائی یہ ہے کہ حضرت والد صاحب اور ہماری والدہ صاحبہ کو نوروں کے پانی سے غسل دیا جاتے۔

انہی دنوں حضرت مولوی صاحب نے ایک کشفی نظارہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ذاتِ غفور وودود سبّوح و قدوس بذاتِ خود رتن باغ لاہور میں (جہاں ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت والد صاحب اور حضرت والدہ صاحبہ رہائش پذیر تھے) تشریف لاتے ہیں۔رتن باغ میں خدائے ودود وغفور نے حضرت والدہ صاحبہ کو دیکھا اور بہت محبت کے ساتھ سر پر ہاتھ پھیرا۔اس کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نظر آتے اور ان کے سر پر بھی محبت و پیار کے ساتھ ہاتھ پھیرا۔بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نظر آتے تو اللہ تعالیٰ سبّوح و قدوس غفور و ودود نے فرمایا آپ تو ہمارے ہیں اور ہم آپ کے۔حضرت مولوی صاحب نے یہ کشف مجھے خود سُنایا۔رتن باغ میں اس تجلّی کے بعد خدائے غفور و ودود نے اپنی اس تجلّی کو کراچی میں ظاہر کیا اور

وہاں اپنی محبت اور پیار کا معاملہ مکرمی مخدومی چوہدری شاہ نواز صاحب سے کیا راقم الحروف کا چوہدری صاحب سے کوئی گہرا تعلق نہیں رہا لہٰذا یہ عاجز ان کی خوبیاں نہیں جانتا، لیکن ایک خوبی بہت ظاہر و باہر ہے اور وہ آپ کا کردار ایتائے ذی القربیٰ اور صلہ رحمی ہے یہ آپ کی سیرت کا نمایاں وصف تھا۔ یہی وصف ان پانچ اوصاف میں سے ایک ہے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں گنواتے تھے جبکہ نزولِ قرآنِ پاک کی ابتدائی وحی آپؐ پر نازل ہوئی۔ اس عاجز کے نزدیک یہ پیار جس کا حضرت مولوی صاحب کے کشف میں ذکر ہے غالباً مندرجہ بالا خوبی کا نتیجہ ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ دُعا کریں کہ اس عاجز کو بھی اور تمام مخلصین جماعت کو اللہ تعالیٰ اپنی خاص محبت کا مورد فرمائے۔ عشقِ الٰہی ہماری رگ رگ میں سرایت ہو جائے اور ہم اللہ تعالیٰ کے عاشق بن جائیں اور وہ غفور و ودود ذات ہمیں اپنے دامنِ محبت میں لے لے اور ہمارے تمام گناہوں سے درگذر کرے اور ستاری اور غفاری کا معاملہ ہمارے ساتھ روا رکھے آمین ..... حضرت والدہ ماجدہ کے نکاح کے موقع پر حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی مرحوم نے جو خطبہ نکاح پڑھا اس کا متن اس کتاب میں کسی اور جگہ آگیا ہے۔ اور وہ سارے کا سارا نکاتِ معرفت سے پُر ہے ....

حضرت والدہ صاحبہ کا رخصتانہ ۲۳ فروری ۱۹۱۷ء کو ہوا۔ اس وقت

آپ کی عمر بارہ سال دس ماہ تھی۔ اس عاجز سے پہلے میری بڑی بہن طیبہ بیگم زوجہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئیں اور یہ عاجز ۲۰ جون ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا۔ عمر میں میری والدہ مجھ سے صرف سولہ سال بڑی تھیں خاکسار کا بچپن کا زمانہ زیادہ تر اپنے دادا حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور خالہ سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ساتھ گذرا ہے۔ اس لیے عاجز اپنی والدہ کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہ تھا .... اپنی خالہ جو میری سوتیلی دادی بھی تھیں۔ ان سے زیادہ بے تکلف تھا۔ پارٹیشن کے بعد ہمیں رتن باغ سے جہاں ہم ابتدا میں پناہ گزین ہوتے تھے۔ حکومت کی طرف سے متبادل کوٹھیوں میں جانے کو کہا گیا۔ اس وقت حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو میرے والد محترم کے ساتھ ۱۰۸ اسی ماڈل ٹاؤن میں جگہ الاٹ کی گئی تھی اور اس عاجز کو اور میرے ماموں اور خسر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو ۵ ڈیوس روڈ پر کوٹھی پام ویلو الاٹ کی گئی، لیکن میری خالہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی خواہش تھی۔ کہ وہ میرے ساتھ رہیں۔ لہٰذا عاجز کی یہ خوش قسمتی تھی کہ وہ ۱۹۶۶ء تک ایک ہی جگہ ہمارے ساتھ رہیں۔ اس عاجز سے اور اپنی بھتیجی یعنی میری اہلیہ امۃ الباری بیگم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ اس لمبے عرصہ کی خوشگوار یادیں کبھی بھولتی نہیں۔

میری والدہ نہایت شفیق ماں تھیں اگرچہ میں ان سے زیادہ بے تکلف نہ تھا، لیکن انہوں نے میری عمر کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ جو محبت دے سکتی تھیں وہ دی۔ اپنے ایک خط میں وہ مجھے لکھتی ہیں :-

"میرے پیارے عباس سلمکم اللہ تعالیٰ - السلام علیکم!
ابھی ڈاک میں تمہارا خط ملا۔ میں تو ہمیشہ تمہارے لیے خصوصیت سے دعا کرتی ہوں اور پانچ چھ ماہ سے تو از خود کوئی غیبی تحریک ہے کہ خود بخود دعا تمہارے اور بچوں کے لیے نکلتی ہے...... مجھے تو ہر وقت تمہاری صحت کا فکر رہتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ جان و مال اولاد ہر لحاظ سے۔ تمہارا رویہ اپنے ابا کی وفات کے بعد جو میرے ساتھ رہا اور ہے اس سے میرے دل میں خود بخود تمہاری قدر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ پیسہ روپیہ سے میں کسی کی محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دیا ہے۔ الحمدللہ۔ مگر پیسہ ہی تو سرپرستی کے احساس کی کمی کو پورا نہیں کرسکتا۔ عورت خواہ کتنی بھی بوڑھی ہو جائے۔ قدرتاً ایک سرپرست نگران اپنے اوپر چاہتی ہے۔ اگر شوہر مشیت ایزدی سے نہ ساتھ دے سکے۔ تو عورت کی نظر لازماً اپنے بیٹوں کی طرف اٹھتی ہے اب اگر میں اپنی تنہائی کی حالت میں۔ بیماری یا کسی تکلیف کا سوچوں تو معاً مجھے تمہارا خیال آتا ہے۔ دل محسوس کرتا ہے کہ اس بیٹے کا سہارا اس سے لے سکتی ہوں۔ اسی لیے تمہارے سفر پر جانے سے مجھے گھبراہٹ سی ہو جاتی ہے۔ یہ سب میں نے اس لیے لکھا ہے کہ جب یہ کیفیت ایک ماں کے دل کی ہو

تو دُعا کیوں نہ نکلے گی .... بچوں کو پیار۔

امۃ الحفیظ"

میرے والد محترم بہت زُود رنج اور بہت زیادہ حسنِ ظنّی کی طبیعت کے مالک تھے زود رنجی کے باوجود بہت جلد دل صاف ہو جاتا تھا۔ کینہ تو سخت سے سخت دشمن کے خلاف بھی نہ تھا۔

آپ کی زود رنجی اور انتہائی حسنِ ظنّی سے فائدہ اُٹھاتے ہوتے بعض مفاد پرستوں نے انہیں اس عاجز سے ناراض بھی کیا، لیکن والد مرحوم وقتی جوش پر ناراض تو ہو گئے، لیکن بعد میں اپنے خطوں اور گفتگو میں میری بہت دلجوئی فرماتے تھے۔ بلکہ ایسے تعریفی کلمات کہہ جاتے تھے جن کا میں ہرگز اہل نہ تھا۔ اور یہ بات ان کی انتہائی حسنِ ظنّی کا خاصہ تھا۔ حضرت والد صاحب کی یہ ناراضگی مجھے بہت پریشان کر دیتی تھی۔ اس پریشانی میں ایک دفعہ میں اپنے محسن حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی تکلیف کا حال سُنایا۔ حضرت مولوی صاحب نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی اور دُعا کے بعد فرمایا کہ مجھے ابھی الہام ہوا ہے کہ لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ یعنی یہ عاجز ظالم نافرمانبردار نہیں ہے۔

اس عاجز نے یہ واقعہ محض اس لیے لکھ دیا ہے کہ میری والدہ مرحومہ کا خط حضرت مولوی صاحب کے الہام کی واضح تصدیق کرتا ہے۔ حضرت والدہ صاحبہ مرحومہ۔ حضرت والد صاحب کے دل میں اگر کبھی غلط فہمی پیدا ہوتی اسے دُور کرتی رہتی تھیں۔ اس کا اعتراف انہوں نے اپنے خطوں میں

بھی کیا ہے۔

والدہ محترمہ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ میں اپنی عاقبت کے بارہ میں بہت مشوش ہوگیا۔ یہ تشویش اس بناء پر پیدا ہوئی کہ ۳۵-۱۹۳۶ء کی بات ہے کہ مجھے مسجد دارالفضل قادیان میں سلسلہ کے ایک بزرگ خان الطاف خان صاحب جو بہت دُعاگو اور صاحبِ رؤیا وکشوف تھے۔ مجھے ایک طرف لے گئے اور فرمایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دائیں بائیں حضرت والد صاحب کے دو لڑکے کھڑے ہیں۔ مجھے یہ بات یاد نہیں رہی کہ ان میں سے ایک مَیں تھا یا نہیں۔ اُس وقت حضرت والد صاحب کا میں ہی ایک لڑکا تھا۔ اس خواب کے بعد ۱۹۳۵ء میں عزیز شاہد احمد خان پاشا پیدا ہوئے۔ عزیز پاشا کے بعد عزیز مصطفیٰ احمد خان ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ مجھے ایک دن یہ وہم سوار ہوگیا کہ حضرت خان الطاف خان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دائیں بائیں میرے والد صاحب کے دو لڑکے دیکھے تھے۔ ایسا تو نہیں کہ یہ عاجز ان میں سے نہ ہو۔ مَیں اس وہم میں مبتلا تھا اور اسی حالت میں اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میرے لیے دُعا کریں اور حضرت خان صاحب مرحوم کا خواب بیان کیا۔ حضرت والدہ صاحبہ نے بے ساختہ فرمایا۔ یہ یقین رکھو کہ ان دو میں سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ تم ان میں سے ایک ضرور تھے کیونکہ بہت عرصہ ہوا میری والدہ یہ خواب دیکھ چکی تھیں کہ حضرت اماں جان کے مکان واقع قادیان کے دالان

میں سے جو راستہ بیت مبارک کو جاتا ہے۔ حضور اس طرف سے بیت کو جا رہے ہیں اور یہ عاجز احقر العباد حضور کے پیچھے جا رہا ہے۔ اس لیے والدہ محترمہ نے فرمایا کہ وہ یقین رکھتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دائیں بائیں ان دو لڑکوں میں ایک ضرور یہ عاجز تھا۔ الحمد للہ۔ قارئین سے درخواستِ دعا کرتا ہوں کہ مولا کریم اپنی ستّاری اور غفاری کی چادر اس عاجز کو پہنا دے اور میری والدہ کی بشارت میرے حق میں پوری کر دے۔ اسی طرح میرے دوسرے دونوں بھائیوں کو اپنی ستاری اور مغفرت کی چادر پہنا دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قرابت رکھنے والوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ان کے نیک اعمال کا دوہرا اجر ہے اور بُرے اعمال کی سزا بھی دُگنی ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قرابت رکھنے والوں کے لیے بہت خوف کا مقام ہے احباب دُعا کریں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرابت داروں سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا باعث ہو۔ اور اپنے خاص فضل سے ہر قسم کے گناہ اور عیوب سے بچاتا رہے اور ان کی سیئات حسنات میں تبدیل ہوتی رہیں۔ آمین

حضرت والدہ صاحبہ کے اوصاف میں سے مہمان نوازی کا وصف بہت نمایاں تھا حتّٰی کہ ان کے اپنے بچّے کبھی ان کے ہاں مہمان ہوتے اس قدر احتیاط اور دلجمعی کے ساتھ ان کا خیال رکھا جاتا کہ خود ملازمین کو فکر رہتا کہ بیگم صاحبہ یعنی حضرت والدہ صاحبہ کی اس مہمان نوازی کے ضمن میں کسی

فروگذاشت کی وجہ سے کوئی گرفت نہ ہو جاتے یہ عاجز جب کبھی آپ کے پاس ٹھہرتا۔ یہی فکر میری والدہ کو لگی رہتی کہ میرے آرام اور مہمان داری میں کوئی کمی نہ رہ جاتے۔ شدید سر درد کے دوروں میں اور دوسری تکلیف میں بھی جب کچھ ہوش آتا ملازمین سے دریافت کرتیں کہ عباس کو کھانا ناشتہ ٹھیک ملا یا نہیں۔ فلاں فلاں چیز اسے دی گئی یا نہیں۔

حضرت والدہ صاحبہ ریا۔ خود نمائی۔ خود بینی۔ غرور۔ تکبر۔ بدظنی سے بالکل پاک تھیں۔ بہت فیاض تھیں صدقہ و خیرات بہت کرتی تھیں۔ بہت دُعاگو اور صاحبِ رؤیا و کشوف تھیں۔ لین دین کی بہت کھری۔ حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کے بعد اوّل فرصت میں اعلان اخبار الفضل میں کروایا کہ کسی کا کوئی حق حضرت والد صاحب مرحوم کے ذمہ ہو تو ان سے (یعنی حضرت والدہ صاحبہ سے) ثبوت مہیا کر کے لے لیا جاتے۔ اس کے بعد جس کا بھی کوئی حق ثابت ہوا دے دیا۔ بغیر جواز کے اپنا حق بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتی تھیں حتیٰ کہ بچوں پر زور دیتی تھیں کہ نہ ہی حق چھوڑو اور نہ ہی کسی کا حق غصب کرو۔ بچوں کو بار بار ٹوکنے کی عادت نہ تھی۔ بہت سلجھے طریق سے حق بات ان کے کان میں ڈال دیتی تھیں۔

ہماری والدہ کے نو بچے خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں۔ تین لڑکے اور چھ لڑکیاں۔ جن کی تاریخ ولادت کا ذکر کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے۔

حضرت والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد ان کے بکس میں سے ایک وصیّت ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ملی ہے جو آپ نے ۷ار اگست ۱۹۷۲ء

کو تحریر فرمائی تھی اس کے بعد اسی وصیت پر ۳ر اپریل ۱۹۷۷ء کا لکھا ہوا ایک نوٹ ہے۔ جو عزیز شمیم احمد صاحب شوہر عزیزہ فوزیہ بیگم کی وفات کے بعد لکھا گیا تھا۔ ۱۹۷۷ء کے بعد آپ کی کوئی وصیت نہیں حالانکہ اس کے بعد آپ دس سال زندہ رہیں۔ آپ کی مسلسل بیماری اور ضعف کچھ اور لکھنے میں شاید مانع رہا یہ وصیت ۸" × ۱۰" عام لکھنے والے پیڈ کے ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

دارالصدر ربوہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷.۸.۷۲

میرے پیارے بچوں کے نام! السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ تم سب کا ہمیشہ حافظ و ناصر رہے۔ اپنی امان اپنی پناہ میں رکھے۔ اسلام کے نام پر جان قربان کرنے والے احمدیت کے فدائی "امامت" کے محافظ رہو آمین۔ میری دُعا ہے جس جذبہ کے ماتحت تمہارے مرحوم باپ نے مجھ سے شادی کی تھی ان کے ان نیک جذبات اور توقعات پر پورے اُترو اور ہمیشہ نیکیوں میں بڑھنے کی کوشش کرتے رہو۔ جن میں یہ جذبہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نیک اعمال میں ترقی عطا فرماتے استقامت بخشے جو اپنی جہالت یا کم عمری کی وجہ سے کمزور ہیں انکی رُوح میں خود بخود جوش پیدا ہو جاتے اور انشاء اللہ امید ہے کہ سب کمزوریاں رفع ہو جائیں گی۔ جڑ مضبوط ہونی چاہیئے۔ اعتقاد

اللہ تعالیٰ کا خوف ۔محبت اور اس پر یقین کامل کمزور سے کمزور کی اصلاح کر دے گا .... میرے مرنے کے بعد میری تمام چابیاں عزیزہ طیبہ بیگم اور عزیز عباس احمد خان فوراً سنبھال لیں۔ یہ میری وصیت ہے ۔میرے اور ان کے ابا کے کاغذات وہ کمرہ بند کر کے اطمینان سے ایک ایک کاغذ چیک کریں ۔بے شک سب بہن بھائی اکٹھے بیٹھیں مگر یہ کام ان کے سپرد کرتی ہوں ....باقی سامان میرے پاس کوئی خاص نہیں ۔ٹوٹا پھوٹا سامان شاید نکلے جس کو ضرورت ہو لے ورنہ سب بانٹ لیں جیسا کہ اللہ کا حکم ہے .... تبرکات حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُوپر کے سٹور میں ایک سیاہ بکس میں ہیں پاس ہی سفید ٹرنک حضرت اماں جان کے چند پھٹے پُرانے کپڑوں کا ہے تبرکات بذریعہ قرعہ اندازی یا انصاف سے سب میں تقسیم ہوں ۔عزیزم عباس احمد خان اپنے حصہ سے ایک قمیص ٹھنڈے خاصے لٹھے کا لے چکے ہیں وہ وضع کر لیا جائے ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا کر کے دی ہوئی دوّنی میرے کیش بکس میں ایک گوٹہ کی تھیلی میں ٹین کی ڈبیہ اور اس ڈبیہ میں چمڑے میں سلی پڑی ہے ۔ یہ قرعہ اندازی پر دی جائے ۔میرا دل تو چاہتا تھا کہ حضرت

اماں جان کی طرح اپنی چھوٹی بیٹی کو دے دوں مگر نا انصافی سے ڈرتی ہوں .... خدا کرے اسے ملے جو میری طرح اس کی حفاظت کرے ۔ میں نہیں چاہتی میرے بچوں کو نادہندگی کی عادت پڑے اور لوگوں کا پیسہ لیکر ہضم کر جایا کریں مجھے سخت نفرت ہے اس بات سے ۔ اللہ تعالیٰ سب کو دیانت و امانت کی توفیق عطا فرماتے ...... میں نے حضرت بھائی صاحب سے خود سنا ہے کہ اپنا حق چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہے ۔ .... ۔ فوزیہ چھوٹی اور بزدل بھی ہے میں نے اس سے چھوٹے بچے کا سلوک کیا ہے اس کے لیے میرا دل گود کے بچہ والا ہے ۔ اسی طرح مصطفیٰ کے لیے بھی ۔ مگر خیر ...... میں اُمید کرتی ہوں کہ میرے بیٹے اپنی دو بہنوں (شاہدہ اور فوزیہ) کا خاص خیال رکھیں گے ۔ اگر ایسا میری خاطر کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بہت بڑی جزا دیگا خصوصاً عزیزم عباس اور امتہ الباری کو بطور فرض بھی کرنا چاہیئے وہ خاندان کے ہیڈ ہیں ۔ ان کی بھی بیٹی ہے اگر وہ اچھا نمونہ دکھائیں گے ۔ تو ان کے بیٹے بھی بہن کو اسی طرح جانیں گے ۔ ......

عباس احمد نے میری بہت خدمت کی ہے اور میری بہت دُعائیں لی ہیں ۔ اس کے گھر مجھے کسی پرائے کا احساس

نہیں ہوا۔ یہ مہمان رہی میرے دوسرے بچے مہمان رہے ہمیشہ نہایت خندہ پیشانی سے سب کی مہمان نوازی کی۔ اگر گذشتہ میں اس سے کوئی زیادتی بھی ہو گئی ہو تو اللہ تعالےٰ نے اُسے بھلائی کا نہایت اعلیٰ موقع دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اپنے پیاروں کے گناہ دھو ڈالتا ہے الحمدللہ۔ میری خدمت خاص خیال سے اس نے پچھلے سارے دھبے دھو دیئے اللہ تعالیٰ نے اُسے باپ کی آخری وقت کی خدمت کی توفیق بھی عطا کی ثم الحمدللہ۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اِن میاں بیوی کو اولاد کا سُکھ دکھائے۔ ان کی اکلوتی بچی بہترین قسمت کی مالک ہو۔۔۔۔

۷۷/۴/۳

اب نہ میرے دل میں طاقت ہے نہ دماغ میں۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۷۶ء کو جو قیامت گذر گئی اس نے مجھے دماغی طور پر مفلوج کر دیا ہے اب میری صرف یہی درخواست ہے کہ میری پیاری دُکھیا بچی کو اپنی دُعاؤں میں نہ بھُولیں جو سلوک اور ہمدردی اس مصیبت میں میرے بچوں نے کی ہے اس کا صلہ میں تو نہیں دے سکتی اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے ایک کا کیا نام لوں سب نے کیا اور حد سے زیادہ کیا۔ مصطفیٰ اور محمود داؤدی ابن نواب محمد احمد خان صاحب مرحوم۔ جو کہ کرنل داؤد احمد

صاحب کے داماد ہیں) نے تو حد ہی کر دی میں دونوں کو ہر وقت
دعائیں دیتی ہوں۔ مَیں کیا بتاؤں کیا کیا شاید ہی کسی بھائی
نے کبھی اتنا پیار دیا ہو جتنا انہوں نے دیا۔ ..... خُدا
کرے یہ سب بہن بھائی ہمیشہ اس کا خیال رکھیں سب
سے بڑھ کر یہ کہ اس کے لیے دُعا کریں۔ اللہ تعالیٰ غیب
سے کوئی سامان کرے یہ کسی کی محتاج نہ ہو اپنے گھر شاد باد
رہے۔ وہ چالاک نہیں، اسے دُنیا میں رہنا نہیں آتا۔ مجھے
خوف آتا ہے۔ یہ جوان لڑکی کیونکر تین بیٹیوں کے ساتھ پہاڑ
سی زندگی بسر کرے گی۔ اسے بھی کسی نگران کی ضرورت ہے
ہر وقت فکر رہتا ہے۔ بچیاں پیار میں بگڑ نہ جائیں یہ دُکھ مجھے
کھا رہا ہے۔ میرا دس پونڈ وزن ان دنوں کم ہوا ہے دماغی
ضعف از حد ہے۔ مَیں نے مشکل سے یہ سطور لکھی ہیں۔
اللہ تعالیٰ سب کا حافظ و ناصر ہو۔

امۃ الحفیظ"

میری والدہ نہایت ذہین تھیں اور بہت لطیف اور حساس طبیعت کی مالک تھیں ایسی افتادِ طبع اور طبیعت کی خدمت کوئی آسان کام نہیں اس لیے اس عاجز کی یہ حسرت رہی ہے کہ خاطر خواہ خدمت نہ کر سکا۔

۱۹۸۸ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ اور اشاعت کی تحریک کی تھی۔ اس

جلسہ میں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور عزیز مصطفےٰ اور یہ عاجز بھی شامل تھے۔ ہم نے حضور کی تقریر کے معاً بعد یہ فیصلہ کیا۔ کہ ہر دو کے والدین کے نام پر ایک قرآن شریف کے ترجمہ اور اشاعت کا وعدہ لکھوائیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس مد میں ساڑھے آٹھ لاکھ روپے جمع ہو چکے ہیں۔ اور ڈیڑھ لاکھ کے وعدے ابھی قابل ادا ہیں۔ غالباً دو لاکھ کی مزید ضرورت ہو گی۔ اس سلسلہ میں اس عاجز کی اہلیہ اور بچوں نے بھرپور حصہ لیا ہے۔ خدا کرے باقی رقم کی اگر کوئی کمی رہ جاتے تو وہ بھی پوری ہو جاتے تاکہ ہمارے والدین کے لیے یہ مستقل صدقہ جاریہ قیامت تک ان کے درجات کی بلندی کا موجب بنتا رہے اور اس سے افراد اور قومیں ہدایت پائیں۔ جو اسلام کی سربلندی کا موجب بنیں۔ اور ان کی رُوحیں آسمان پر ہم سے خوش ہوں اور جو خوشیاں اس دُنیا میں ہم دے سکتے ہیں آسمان پر انہیں مل جائیں۔

ہماری والدہ مرحومہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی انہوں نے آپ کے انتخاب ۔۔۔۔ کے بعد حضور کو پہنائی۔ جب حضور انتخاب اور بیعت لینے کے بعد گھر تشریف لائے تو خاندان کے مردوں میں سے کسی نے کہا کہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ یعنی حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث وہ انگوٹھی حضور کو پہنائیں۔ مگر حضور نے بے ساختہ فرمایا۔ نہیں یہ انگوٹھی پھوپھی جان (دختِ کرام سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ) ہی پہنائیں گی۔ چنانچہ یہ انگوٹھی آپ نے پہنائی اور اس کے بعد بیعت ہوئی۔

حضرت والدہ صاحبہ کو اپنے تینوں بھائیوں سے بے حد پیار تھا اور بھائیوں کو ان سے۔ حضرت والدہ صاحبہ اپنی وصیت میں ایک جگہ لکھتی ہیں "کاش ہمارے بھائیوں جیسے سب بھائی ہوا کریں"۔ اپنی تمام بھاوجوں سے بھی آپ کو بہت پیار تھا، لیکن حضرت سیدہ اُم طاہر کے ساتھ تو دوستی والا معاملہ تھا ہر دو ایک دوسرے کو بہت چاہتی تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے انتخاب۔۔۔۔ کے بعد جب ابھی حضور بیت مبارک ہی میں تھے۔ یہ عاجز قصر امامت جہاں ہماری والدہ اس وقت موجود تھیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے بس یہی سوال کیا کہ بیعت کر آئے ہو۔ اس عاجز نے کہا کہ بیعت کر آیا ہوں۔

۱۹۶۶ء جنوری کی بات ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ میرے گھر پام دیو ۵ ڈیوس روڈ لاہور میں قیام پذیر تھیں آپ نے مجھے علیحدگی میں فرمایا۔ کہ اس رات آپ نے عجیب خواب دیکھی ہے اور وہ یہ کہ رشتہ میں ہمارے ایک بھائی ہماری والدہ کو کہتے ہیں کہ "دیں اپنا ہاتھ" خواب کا باقی حصہ یاد نہیں رہا۔ اس خواب کی تعبیر نہ میری سمجھ میں آئی نہ میری والدہ کی — امامتِ رابع کے انتخاب پر جب ہمارے ایک رشتہ کے بھائی نے ہماری والدہ دُختِ کرام سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کی وساطت سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کی بیعت کی تب اس خواب کی تعبیر سمجھ میں آئی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم سب استحکام امامت کا موجب بنے رہیں اور اس دُعا میں لگے رہیں کہ جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ قیامت تک مرکزی

بطن عطا فرماتا چلا جاتے جس کے اندر سے ابن مریم پیدا ہوتے رہیں اور جماعت احمدیہ کے کامل صحت مند جسم میں قدرتِ ثانیہ کا ظہور انہی ابنائے مریم کے ذریعہ ہوتا رہے جو مُردوں کو زندہ کرنے والے اور بیماروں کو شفا دینے والے اور ان تمام کمالات کے مالک ہوں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دیتے گئے تھے اور یہ لوگ باتباعِ حضرت خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے روحانی پرندے پیدا کرنے والے ہوں جو نہ اُفلاک تک جا پہنچیں اور خدا کرے کہ ان ابنائے مریم کی اتباع سے ہم ان تمام رُوحانی بیماریوں سے شفا پاویں جو ہماری نفوس کی ہلاکت کا موجب بن رہی ہیں اور ہمیں ایسے بال و پر مل جائیں جو کہ نہُ افلاک تک پہنچیں۔ آمین

یہ ایک حُسنِ اتفاق ہے کہ جماعت احمدیہ کے مریمی بطن نے جس بزرگ خلیفۃ المسیح الرابع کو جنم دیا ہے اس کی اپنی ماں کا نام بھی مریم تھا حضرت سیدہ اُم طاہر مریم بیگم صاحبہ جب ۱۹۴۴ء میں فوت ہوتی ہیں۔ تو آپ کی وفات سے چند دن پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو انکشاف ہوا کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں۔ حضرت اُم طاہر کی وفات کے بعد حضرت مصلح موعود نے چالیس دن بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر حاضر ہو کر چالیس دن لگاتار دُعائیں کیں۔ بہت ہی کرب اور الحاح کی یہ دُعائیں تھیں۔ بہت ہی سوز و گداز کا زمانہ تھا۔ کسی کو اس وقت کیا معلوم تھا کہ اپنی ماں حضرت مریم کا بیٹا کسی روز جماعت احمدیہ کے مریمی بطن سے بھی ابن مریم بننے والا ہے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ اس وقت ایسی سوز و گداز

کی فضا پیدا کر دی گئی - اور ایسی مبارک تقریبیں رونما ہوئیں جو قبولیت دُعا کے لیے بہت موزوں ہیں - آج شاید انہی دُعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ابن مریم حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ہم میں موجود ہیں - اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمارے پیارے امام کی عمر غیر معمولی دراز کرے - اور ہم اس کی بے انتہا دُعاؤں کے مورد بن جائیں اور اس کی قوتِ قدسیہ سے ہماری تمام بیماریاں دُور ہوں - اور ہمیں وہ پرواز ملے جو نہ افلاک کی بلندیوں تک ہم سب کو پہنچا دے - آمین -

عباس احمد خان

ؔ ؔ ؔ

تاریخی متبرک انگوٹھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک انگوٹھی جو حضور اپنے دستِ مبارک میں پہنا کرتے تھے اور حضور کی وفات کے بعد حضرت اماں جان کے ذریعہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی کو منتقل ہوئی اور آپ کے بعد سیّدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کو اور پھر حضرت سیّدنا مرزا طاہر احمد صاحب کے خلیفۃ المسیح الرابع منتخب ہونے پر پہلی عام بیعت لینے کے بعد جب حضور قصرِ امامت تشریف لے گئے تو حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے یہ متبرک انگوٹھی اپنے دستِ مبارک سے حضور کی انگلی میں پہنائی۔

(بحوالہ ماہنامہ خالد اپریل مئی ۱۹۸۳ء)

میری امّی

حضرت سیدہ مرحومہ کی منجھلی دختر محترمہ صاحبزادی طاہرہ صدیقہ صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب اپنی پیاری امّی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوتے لکھتی ہیں:۔

آج اپنی پیاری امّی کے لیے کچھ لکھتے ہوتے سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں جذبات اور احساسات سے دل اور دماغ میں آندھیاں سی چل رہی ہیں۔ یقین نہیں آتا۔ پیاری امّی جو کل تک ہمارے درمیان تھیں وہ ہمیشہ کے لیے اپنے پیارے مولا کے پاس چلی گئی ہیں۔

میری پیاری امّی! اے قابلِ صد عزّت و احترام ہستی تجھ پر خدا تعالیٰ کی اَن گنت رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو کہ تُو نے اپنی قابلِ صد رشک زندگی میں ایسے اخلاق اور اعمال کے تاثر سے ثابت کر دیا کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔

میری امی کی صحت تو بہت عرصہ سے مسلسل گر رہی تھی۔ کئی دفعہ بے ہوش ہوئیں اور کمزوری حد سے بڑھ گئی مگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور امّی پھر سنبھل جاتیں۔ اس دفعہ بھی یہی خیال تھا کہ انشاء اللہ فرق پڑ جائے گا۔ کیونکہ دل اور دماغ امّی کی جُدائی کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ دراصل امی کی صحت تو ابا جان کی لمبی بیماری کے دَوران ان کی تیمار داری میں ہی بہت گر گئی تھی مگر اس وقت امّی کو صرف ابا جان کا ہی خیال تھا۔ اور امی نے اپنی ذات کو

بالکل فراموش کیا ہوا تھا۔ میری امّی جن کو حضرت اماں جان نے حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنی ساری شفقتیں اور محبتیں دیں اور بے حد ناز و نعمت میں پرورش کیا اور پھر میرے ابا جان نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام سمجھتے ہوتے ہمیشہ پھولوں کی طرح رکھا۔ اس شہزادی نے کبھی کسی قسم کی بڑائی یا غرور نہیں کیا۔ بلکہ ابا جان کی بیماری میں ایسی خدمت کی جو ایک مثال ہے نہ دن دیکھا نہ رات ابا جان پانچ سال تک تو بالکل صاحب فراش رہے اُس عرصہ میں بیڈ پین لگانا اور اکثر خود صاف کرنے میں بھی کبھی عار نہیں کیا۔ اور نہ کبھی ابا جان کو یہ احساس ہونے دیا۔ کہ وہ تھکن سے چور ہیں۔ اپنی ہر تکلیف کو چھپاتی رہیں صرف اس خیال سے کہ ابا جان تکلیف محسوس نہ کریں۔ پھر خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور درمیان میں ایسا عرصہ بھی آیا کہ ابا جان چلنے پھرنے لگے اور اپنے روزمرہ کے معمولات کو سرانجام دینے لگے۔ مگر چونکہ دل کا دورہ انتہائی شدید تھا۔ اس لیے بار بار کئی دفعہ ان تیرہ چودہ سالوں میں ابا جان پر مختلف بیماریوں کا حملہ ہوتا رہا۔ اور میری امّی۔ نے ان چودہ سالوں میں اپنے لیے ہر قسم کا آرام حرام کیا ہوا تھا امی پر صرف ابا جان کی بیماری اور تیمارداری کا ہی بوجھ نہیں تھا۔ بلکہ ہر قسم کی ذمہ داریاں آن پڑی تھیں میرے سب سے چھوٹے بہن بھائی۔ فوزیہ اور مصطفےٰ جو کہ ابھی بہت کم عمر تھے ان کی دیکھ بھال نیز ابا جان کی بیماری کے تمام اخراجات کا انتظام اور گھریلو ذمہ داریاں اس کے علاوہ تھیں جن کو امّی نے احسن طور پر نبھایا۔ پھر

اباجان کی وفات کے بعد جس صبر اور استقامت سے چھبیس سال کا عرصہ گذارا وہ بھی ایک مثال ہے۔ میری امی جن کے سارے بوجھ اباجان اٹھاتے تھے اب وہ اپنے بچوں کے لیے باپ بھی تھیں اور ماں بھی تھیں نیز پارٹیشن کے حالات اور پھر میرے اباجان کی بیماری کی وجہ سے کافی قرضہ ہو چکا تھا میری امی نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ کی اور تب تک چین نہ لیا جب تک ایک ایک پائی ادا نہ کر دی۔

امی کو اباجان کی بیماری کے دوران ہی بلڈ پریشر کی تکلیف ہو گئی اور اباجان کی وفات کے بعد تو بہت ہی ہائی رہنے لگا۔ سر درد کے دَورے پہلے ہی بہت شدید ہوتے تھے اس کے علاوہ گردوں کی تکلیف کمر کی تکلیف اور کئی ایک عوارض مزید پیدا ہو گئے۔ بلڈ پریشر بعض اوقات بہت زیادہ ہوتا تھا اور پھر یکدم گر جاتا تھا جس کے نتیجہ میں کئی دفعہ چلتے چلتے گریں اور چوٹیں بھی آئیں اور بعض اوقات ساتھ ہی بے ہوشی بھی ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹروں نے چند ماہ لٹایا تو ٹانگوں میں بہت کمزوری پیدا ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ ان تین چار سالوں میں تو بالکل ہی بستر کی ہو کر رہ گئیں۔ اپنی تمام بیماری کا عرصہ میری امی نے بہت صبر اور حوصلہ سے گذارا۔ صبر کرنا تو میری امی نے چھوٹی عمر سے ہی سیکھ لیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کو چار سال کی عمر میں اپنے مولا کے سپرد کر گئے تھے اور حضرت اماں جان نے اس معصوم دل سے غم اور صدمہ مٹانے کے لیے اتنی احتیاط کی کہ خود بھی اور لوگوں کو بھی میری امی کے سامنے حضرت

اقدس کا نام تک لینے سے منع کر دیا۔ مگر اس ننھے اور معصوم دل نے اپنے عظیم اور بیحد پیار کرنے والے باپ کی محبت کو دل میں یوں چھپایا کہ سب سمجھے بچّی ہے شاید بھول گئی۔ مگر میری امّی جو کہ غیر معمولی ذہین اور حساس تھیں۔ ان کے دل سے وہ یاد ساری عمر نہ نکل سکی اور اس کے نتیجہ میں امّی نے ساری عمر اپنے آپ کو دبایا۔ باوجود اس کے کہ حضرت اماں جان نے میری امی کو بے حد پیار دیا۔ ہمیشہ ان کا بے حد خیال رکھا اور پھر امی کو سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے اپنے عظیم بھائیوں کا بھی بے حد پیار ملا۔ اور شادی کے بعد میرے ابا جان نے امی سے انتہائی محبت اور عزت کا سلوک کیا۔ ہمیشہ ان کو خدا تعالیٰ کا ایک بڑا انعام اور اپنے لیے باعثِ برکت سمجھا اس سب کے باوجود بھی میری امّی اس معصوم عمر کے حادثہ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں اور شاید اسی لیے میری امی میں بہت ہی جھجک تھی وہ کبھی کھل کر اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہ کر سکیں۔ وہ تو ایک ایسا خاموش سمندر تھیں جو ساری عمر خاموشی سے بہتا رہا اور جتنا اس کی گہرائی میں جاؤ تو پتہ چلتا تھا۔ اس میں کتنے قیمتی خزانے ہیں۔

میری امی بہت تقویٰ شعار اور خدا سے بے حد پیار کرنے والی بے حد صابر و شاکر کبھی کسی کا بُرا نہ چاہتی تھیں ہر ایک سے بے حد محبت کرنے والی۔ اور جس سے ایک دفعہ تعلق ہو جائے اس کو ہمیشہ نبھاتی تھیں میری امی کو بغض حسد اور ریس سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ معاملہ کی بہت صاف تھیں اور اس بات سے بہت متنفر تھیں کہ کوئی قرض لے کر

واپس نہ کرے۔ کہتی تھیں اس طرح لوگوں کو دوسرے کا حق مارنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ حقیقی مجبوری کی اور بات ہے۔ جھوٹ بولنے سے بھی بے حد متنفر تھیں ہمیشہ صاف اور کھری بات کرنے کو پسند کرتی تھیں۔ باوجود اپنی اتنی کمزوری اور بیماری کے قرآن مجید کی تلاوت روزانہ ضرور کرتی تھیں۔ سر پر پٹی بندھی ہوتی ہے مگر قرآن شریف کی تلاوت بے حد التزام کے ساتھ کرتی تھیں۔ کمزوری کی وجہ سے نماز اب لمبی نہیں پڑھ سکتی تھیں۔ بیٹھے لیٹے ہی دعا کرتی رہتی تھیں۔ جب بھی کوئی بہن دُعا کے لیے آتی تھیں اور اپنی تکلیف کا اظہار کرتی تھیں بے چین ہو جاتی تھیں اور بعد میں کہتی تھیں مجھے سارا وقت اس کا خیال آتا رہا اور مَیں اس کے لیے دُعا کرتی رہی۔ اب اپنی کمزوری کی وجہ سے خطوط کا جواب نہیں دے سکتی تھیں مگر پڑھوا کر سنتی تھیں اور پھر ان کے لیے دُعا کرتی رہتی تھیں۔

میری امّی کا ایک خاص وصف خدا تعالیٰ پر توکّل تھا۔ ایک دفعہ امی کو شہد کی ضرورت پڑی۔ اتفاق سے اس وقت شہد موجود نہیں تھا میں نے کہا امی ابھی جا کر سیدی حضرت بھائی جان (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب) سے لے آتی ہوں۔ ان کے پاس بہت سا شہد آیا ہے۔ مجھے کہہ رہے تھے کہ تم جاتے ہوتے منیر کے لیے لے جانا۔ امی نے فوراً کہا نہیں۔ مَیں نے کسی سے نہیں مانگنا۔ جب اللہ تعالیٰ خود میری تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے تو مَیں کسی کو کیوں کہوں۔ اَور پھر مَیں نے دیکھا اسی دن یا دوسرے دن ہی کسی نے امی کو بہت ہی اچھا خالص شہد تحفتہً بھجوا دیا

غرضیکہ میری امّی میں بہت ہی خودداری تھی ۔ وہ ایمان اور ایقان میں غیر متزلزل ہستی تھیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام "دُختِ کرام" کی حقیقی تصویر تھیں ۔ وہ بے حد پاک سیرت اور پاک صورت تھیں ۔ امّی کو امامت کا بے حد احترام تھا ۔ سیّدی بڑے ماموں جان (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) تو ویسے ہی علاوہ امام جماعت کے امّی کے لیے بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے باپ کی جگہ تھے ۔ اس کے بعد سیّدی حضرت بھائی جان (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث) تو امّی سے چند سال چھوٹے تھے ۔ مگر ہمارے موجودہ امام سیدی حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تو امّی کے بچوں سے بھی چھوٹے تھے ۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ منصب عطا کیا تو امّی جان کے لہجے میں ان کے لیے بے حد ادب و احترام پیدا ہو گیا ۔ اور ہمیں بھی ہمیشہ یہی نصیحت کی کہ ساری برکتیں امام وقت کی اطاعت میں ہیں اور ان کا ہر حکم تمہارے لیے عبادت ہے ۔ امّی کو آپ سے بہت پیار تھا اور امّی کی شدید خواہش تھی کہ کاش وہ زندگی میں آپ سے مل سکیں مگر حالات نے جو دُوریاں پیدا کر دی تھیں وہ ہمارے بس سے باہر تھیں ۔

شادی کے وقت امّی کی عمر بہت چھوٹی تھی اور پھر اوپر تلے ہم تین بہن بھائی پیدا ہو گئے اس وقت میرے ابا جان کا ذاتی کام کوئی نہ تھا اور ان کا مستقبل ابھی بنا نہ تھا ۔ اور ہم سب مالیرکوٹلہ میں اپنے

دادا ابا حضور کے پاس ہی رہتے تھے۔ ابا حضور ہی تمام اخراجات کا بوجھ اُٹھاتے تھے گو ہر قسم کے اخراجات ابا حضور کے ہی ذمہ تھے۔ مگر پھر بھی شادی کے بعد اور پھر چھوٹے چھوٹے بچوں کا جب ساتھ ہو تو کئی قسم کی ضرورتیں پڑ جاتی ہیں مگر امّی کی طبیعت میں بہت ہی غیرت تھی وہ خود تکلیف اُٹھا لیتی تھیں مگر کبھی اپنی کسی ضرورت کا اظہار نہیں کرتی تھیں۔ امّی نے اکثر بتایا کہ حضرت اماں جان مجھے اکثر بے حد اصرار سے پوچھتی تھیں بیٹی تمہیں کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ مگر میں غیرت کے مارے حضرت اماں جان کو بھی احساس نہیں ہونے دیتی تھی اور حضرت اماں جان خود ہی امی کی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ اور پھر امّی نے ہی ابا جان کو حوصلہ دیا اور ہمّت دلائی اور اپنا مستقبل بنانے کی ترغیب دی جس کے نتیجہ میں ابا جان نے سندھ میں اراضی لے کر بہت محنت سے کام شروع کیا اور حضرت اماں جان اور امی کی دُعاؤں سے خدا تعالیٰ نے اس کام میں بہت برکت ڈالی۔ ابا جان جو بہت نازونعمت سے پلے تھے ان کو سندھ میں بہت دشوار حالات سے گذرنا پڑا۔ امّی کو جب ابا جان کے خطوط سے پتہ چلتا تھا تو امی بہت دُعائیں کرتی تھیں اسی دَوران میری امی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لاتے ہیں اور امّی کو فرماتے ہیں "دیکھو تکلفات میں نہ پڑنا۔ تکلفات اخلاص اور محبت کی جڑیں کاٹ دیتے ہیں" امی یہ خواب دیکھ کر بہت گھبرائیں اور میرے منجھلے ماموں جان (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) کو جا کر اپنا خواب سنایا۔ کہ مَیں تو دُعائیں

ان کے کاروبار کے لیے کر رہی تھی - اور مجھے خواب یہ آیا ہے حضرت ماموں جان نے ان کو کہا کہ یہ خواب تو تمہاری دُعاؤں کا جواب ہے - اگر تمہارے پاس ہوگا تو تم تکلفات میں پڑو گی - اس کا مطلب ہے کہ انشاء اللہ میاں عبداللہ خان کا کام بہت اچھا ہو جاتے گا - اور حضرت اماں جان اور امی کی دُعاؤں سے اُس سال اللہ تعالیٰ نے میرے ابا جان کو بہت منافع عطا فرمایا - اور میرے ابا جان اور امی نے ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تنبیہ کا بہت ہی خیال رکھا - اَور مَیں نے اپنے اباجان اور امی کو ہمیشہ ہی سادگی پسند دیکھا کبھی غریب اور امیر کا فرق نہیں کیا - اور انہوں نے ہمیشہ ہر قسم کے بے جا اسراف سے نفرت کی -

میری امّی کی شادی چونکہ چھوٹی عمر میں ہی ہوگئی تھی اور اس وقت تعلیم کا بھی اتنا رواج نہیں تھا - مگر امّی کو علم کا بہت شوق تھا اور بے حد ذہین تھیں انہوں نے اپنے شوق سے ہی میٹرک اور ایف اے کا امتحان پاس کیا اور امّی کے اس شوق میں میرے منجھلے ماموں جان نے بھی ان کا پورا ساتھ دیا اور ان کی مدد کرتے رہے - امّی جان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا بھی بہت مطالعہ کرتی تھیں - جو بھی کتاب نئی چھپتی تھی وہ ضرور خریدتی تھیں اور ان تمام کتابوں کو زیرِ مطالعہ رکھتی تھیں -

امّی بچوں کے لیے ایک بہت ہی محبت کرنے والی اور ان کی ہر قسم کی تربیت کرنے والی ماں تھیں - امّی نے اپنی زندگی میں اپنے سب پیاروں کو رخصت ہوتے دیکھا اور بڑے حوصلہ سے یہ سب برداشت کیا - آخری

صدمہ جب امی کی صحت بھی جواب دے چکی تھی ۔ انہوں نے میری سب سے چھوٹی بہن فوزیہ جس کو ہم پیار سے گگو کہتے ہیں کے میاں عزیزم شمیم احمد صاحب جاپان میں ہارٹ اٹیک سے اچانک وفات پاگئے ۔ اس وقت میری بہن پردیس میں سب عزیزوں سے دُور تھی ۔ اور جب وہ اپنی تینوں چھوٹی بچیوں کو اور عزیزم شمیم احمد کا جنازہ لے کر ربوہ پہنچی ۔ تو وہ بالکل سکتہ کی حالت میں تھی ہر دل اس کی حالت دیکھ کر پھٹ رہا تھا ۔ اور ہر آنکھ آنسو بہا رہی تھی ۔ اور مجھے اپنی امّی کا نظارہ آج بھی نگاہوں میں پھر رہا ہے وہ اپنی پیاری بچی کا سر گود میں رکھے پیار سے اس کے چہرے اور سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں آنکھیں شدّتِ جذبات سے سُرخ ہو جاتی تھیں ۔ مگر صبر اور ضبط کی تصویر بنی ہوئی تھیں ۔ اس صدمہ نے امی کی صحت پر بہت ہی اثر ڈالا مگر امی نے پھر بھی ہمت کی اور گگو کی خاطر اپنے آپ کو سنبھالا اور امی اس کے بعد گگو کی اور اس کے بچوں کی ماں بھی تھیں اپنی طرف سے امّی نے ہر کوشش کی کہ گگو کو اس کے بچوں کو کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہو ان چار پانچ ماہ میں امی کی صحت بہت گر گئی تو لگتا تھا کہ اب امی میں زندہ رہنے کی خواہش نہیں ۔ مگر وہ صرف گگو کی خاطر جینا چاہتی تھیں امّی کو ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا ۔ اس کی بچیوں سے بہت ہی پیار تھا ۔ خاص طور پر سعدیہ جو سب سے بڑی بچّی تھی اس سے تو امّی کو بہت ہی پیار تھا اور کئی دفعہ اس کا اظہار کیا کہ میری خواہش ہے کہ مَیں زندگی میں اس کی شادی دیکھوں اور اللہ تعالیٰ نے امی کی یہ خواہش پوری کر دی اور میری بہن عزیزہ

شاہدہ (بیگم مرزا نسیم احمد صاحب) کے بڑے بیٹے عزیزم نعمان احمد صاحب سے امی کی زندگی میں ہی اس کی شادی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس جوڑے کو ہمیشہ خوش و خرم شاد آباد رکھے۔ آمین

گو ہماری بہن فوزیہ اپنی بچیوں کی تعلیم کی وجہ سے لاہور سیٹل ہو گئی۔ مگر نہ اس کو امّی کے بغیر چین آتا تھا اور نہ امی کو اس کے بغیر۔ جب بھی بچیوں کو چھٹیاں ہوتیں یا اس کے علاوہ اگر سن لیتی کہ امی کی طبیعت خراب ہے فوراً ربوہ پہنچ جاتی۔ امی قریباً روزانہ فون بھی کر لیتی تھیں۔

میری تین بہنیں بیگم مرزا مبارک احمد صاحب۔ بیگم مرزا داؤد احمد صاحب اور بیگم مرزا مجید احمد صاحب اور میرے بھائی شاہد احمد پاشا تو مستقل ربوہ میں ہی رہتے تھے ان کا گھر بالکل امی کے گھر کے قریب تھا اس لیے دن میں کئی دفعہ آکر چکر لگا جاتے تھے۔ رات کا کھانا تو کئی سال سے مستقل امی کے ساتھ کھاتے تھے۔ اس لیے امی کو ان کی بہت تسلّی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ہماری بڑی بہن بیگم مرزا مبارک احمد صاحب اور بڑے بھائی عباس احمد صاحب غالباً اس لیے کہ وہ بڑے تھے امی کو ان دونوں کے آنے سے بھی بہت اطمینان اور سکون ملتا تھا۔

اس کے علاوہ لیلیٰ بیگم جن کو امّی نے بچپن سے ہی پرورش کیا تھا اور پھر قادیان میں ان کی شادی اشرف صاحب سے کر دی تھی جو فوج میں ملازم تھے۔ مگر پارٹیشن کے وقت قادیان کی حفاظت کے دوران وہ شہید ہو گئے لیلیٰ بیگم نے امّی کی بیماری کے دوران سات سال باقاعدگی کے ساتھ اس تعلق اور

محبت کو نبھایا۔ روزانہ خواہ گرمی ہو یا سردی آندھی ہو یا بارش وہ صبح آٹھ نو بجے آ کر شام تک امی کے پاس رہتی تھیں تمام گھر پر اور نوکروں پر بھی نظر رکھتی تھیں اس کے علاوہ امی کا خیال ان کی کوئی پسندیدہ چیز اپنے ہاتھ سے بنانی اور اگر کوئی گڑبڑ والی بات ہوتی تھی تو فوراً ان کے بچوں کو بتا دیتی تھیں تاکہ اس کا تدارک ہو سکے اور نوکر اس ڈر سے محتاط رہتے تھے ان کی وجہ سے ہم سب کو بہت تسلّی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے۔

اس کے علاوہ میری بہن ذکیہ۔ قدسیہ بیگم اور میری بچی امۃ الحسیب (بیگم مرزا انس احمد صاحب) کو چار بجے سے ہی فون کر دیتی تھیں کہ تم لوگ آتے نہیں غرضیکہ ربوہ میں جو بھی بہن بھائی تھے وہ روزانہ امّی کے پاس آ جاتے تھے۔

ابا جان کی وفات کے وقت چونکہ مصطفیٰ اور فوزیہ سب سے چھوٹے تھے اور ابا جان کی کمی کی وجہ سے امّی نے ان کو بہت پیار دیا۔ میرے بھائی مصطفیٰ کے سپرد تو سندھ کی تمام جائیداد کا انتظام بھی تھا اس کے علاوہ بھی وہ امی کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ نوکروں تک کا انتظام مصطفیٰ کرتے تھے اور اس لیے کہ امّی کو تکلیف نہ ہو علاوہ اس تنخواہ کے جو امی ملازموں کو دیتی تھیں انہوں نے نوکروں کا ماہانہ خود بھی مقرر کیا ہوا تھا جس کا امی کو علم نہیں تھا۔ یہ صرف اس لیے کہ ملازم زیادہ خوشی اور دل سے امی کی خدمت کریں۔ چونکہ رہائش لاہور میں تھی ہر ماہ ایک دو چکر ضرور لگاتے تھے۔ اور گھر کی ایک ایک چیز پر نظر ہوتی تھی۔ ایئر کنڈیشن ٹھیک ہے

فلش خراب تو نہیں میٹھا پانی ٹھیک آرہا ہے یا نہیں۔ گھر میں برتنوں کی، چادروں کی۔ تولیوں کی۔ غرضیکہ کسی چیز کی کمی تو نہیں یہ سب ذمہ داریاں ان کی تھیں۔ جب تک میری بہن بیگم مرزا داؤد احمد صاحب کراچی رہیں امی ان کے گھر میں تھیں۔ ان کے ربوہ آنے پر جب امی کے لیے گھر کی ضرورت پڑی تو مصطفیٰ نے فوراً انتہائی محنت اور لگن کے ساتھ امی کی کوٹھی کا نقشہ بنوا کر کوٹھی شروع کروا دی۔ حالانکہ رہائش لاہور میں تھی مگر ہفتہ وار بعض اوقات ہفتہ میں دو بار آکر کوٹھی کو چیک کرتے اور اس کا تمام سامان مہیا کرتے اور پھر تمام ضروریات کے ساتھ اس کو مکمل کر کے جب وہ امی کو اپنے گھر میں لاتے تو اس وقت ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی حق تو یہ ہے کہ میرے اس چھوٹے بھائی نے ماں کی طرح امی کی خدمت نہیں کی بلکہ جس طرح ماں باپ بچے کی دیکھ بھال کرتے ہیں اسی طرح امی کا خیال رکھا۔ امی کہا کرتی تھیں کہ مصطفیٰ کے سامنے تو میں کسی چیز کا نام لیتے بھی ڈرتی ہوں فوراً لے آتا ہے۔ غرضیکہ مصطفیٰ نے امی کی بہت دعائیں لی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس پر اپنا فضل فرماتے۔

ہم بہن بھائی جو باہر رہتے تھے۔ باری باری امی کے پاس جاتے رہتے تھے اور امی بہت خوش ہوتی تھیں ناشتہ۔ کھانا سب اپنے کمرہ میں منگوا لیتی تھیں اور ہر چیز پر نظر رکھتی تھیں اور سب کو کھلا کر بہت خوش ہوتی تھیں۔ جب کوئی بچہ جانے لگتا تو بہت اُداسی محسوس کرتیں۔ میں امی کی وفات سے قریباً دو ماہ قبل اندازاً ایک ماہ امی کے پاس رہ کر گئی جب پندرہ

بیس روز بعد دوبارہ آئی تو میری لڑکی امۃ الحبیب نے مجھے بتایا۔ کہ امی اس دفعہ بڑی امی نے اتنا آپ کو یاد کیا ہے کہ ان کے اس طرح سے اور اتنا زیادہ یاد کرنے سے مجھے آپ کے متعلق وہم آنے لگ گئے۔

ایک دُکھ میرے دل میں ایک تکلیف دہ یاد کی طرح بیٹھ گیا ہے۔ امی کی وفات سے پندرہ بیس روز قبل میں کئی روز سے امی کے پاس ہی تھی۔ اس دوران میرے میاں کی طبیعت خراب ہو گئی کیونکہ ان کے دل کا اپریشن ہو چکا ہوا ہے اس لیے قدرتاً فکر پیدا ہو جاتا تھا۔ مجھے کئی روز سے کہہ رہے تھے واپس چلو میں محسوس کر رہا ہوں میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے اور میں نے امی کو دو تین دن سے سنانا شروع کر دیا کہ میں پرسوں جا رہی ہوں۔ انہیں ڈاکٹر کو دکھا کر انشاء اللہ جلدی آجاؤں گی۔ رات کو میں امی کو مل کر گئی۔ میری عادت تھی روانہ ہوتے وقت میں ضرور ٹھہر کر امی کو دوبارہ مل کر جاتی تھی جب امی سے رخصت ہونے لگی تو امی شاید بھول چکی تھیں کہ آج ہم جا رہے ہیں حیران ہو کر پوچھنے لگیں تم جا رہی ہو؟ میں نے ابھی خانساماں کو بلا کر منیر کے لیے کھانے کا کہا ہے۔ میں مجبور تھی اس لیے آ تو گئی مگر تمام راستہ امی کی وجہ سے میرا دل خراب ہوتا رہا اور اب امی کی وفات کے بعد تو یہ الفاظ میرے لیے بے حد تکلیف دہ ہو گئے ہیں پتہ نہیں امی نے کیا اہتمام کیا تھا۔

جہلم پہنچتے ہی میرے میاں کی طبیعت بے حد خراب ہو گئی۔ یہاں تک کہ پنڈی تک بھی نہ جاسکے عزیزم ڈاکٹر نوری نے جہلم میں ہی آکر دیکھا اور علاج تجویز کیا۔ ان کے ٹھیک ہوتے ہی میں پھر ربوہ چلی گئی مگر میری امی

صرف دو دن زندہ رہیں۔ میری بہن نوز یہ بھی لاہور سے آتی ہوتی تھی۔ میرے بھائی عباس احمد صاحب اور مصطفٰے اور میری بہن شاہدہ یہ سب ہی دو دن پہلے ہی ہو کر گئے تھے۔ شاما سے بہت دل لگتا تھا وہ اِدھر اُدھر کی باتیں سنا کر امی کو بہلاتی رہتی تھی۔

مجھے آ کر امی بہت ہی کمزور لگیں حالانکہ چند دن ہی گذرے تھے مجھے گئے ہوتے۔ مَیں نے گُلّو کو کہا کہ امی تو مجھے غیر معمولی کمزور لگی ہیں اس نے بتایا کہ کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا ہے یہاں تک کہ اب لیکوڈ بھی لینے سے انکار کر دیتی ہیں ادھر ڈاکٹر صاحب کی ہدایت تھی کہ دوائی خالی پیٹ نہیں دینی دوپہر کا کھانا مرغی کے سوپ میں ذرا سا توس نرم کر کے ایک چمچہ گلّو نے بہت مشکل سے امی کو دیا اس کے بعد امّی نے بالکل انکار کر دیا۔ گلّو نے پلیٹ میرے ہاتھ میں دے دی۔ منجھلی آپا مجھ سے تو امّی نہیں کھاتیں۔ آپ کوشش کریں۔ مَیں نے گلّو کو کہا کہ جب تم سے نہیں کھا رہیں تو مجھ سے کب کھائیں گی کہنے لگی آپ کوشش تو کریں۔ مَیں پلیٹ لے کر امّی کے پاس آئی اور کہا کہ امّی آپ نے گلّو سے ایک نوالہ لیا ہے ایک مجھ سے بھی لے لیں میری امی میری پیاری امّی نے نہ چاہتے ہوتے بھی صرف میری دلداری کے لیے منہ کھول دیا وہ آخری خدمت آخری نوالہ تھا جو میں نے اپنی پیاری امّی کے منہ میں ڈالا۔

سب امی کے کمرے میں موجود تھے امی کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی تو کہا تم لوگ ذرا باہر بیٹھو ہم آ کر ہال میں بیٹھ گئے۔ مگر پیشاب کے

معاً بعد امّی کی طبیعت بگڑ گئی۔ ملازمہ نے ہمیں اطلاع دی ہم لوگ فوراً کمرہ میں پہنچے تو دیکھا کہ امّی کو سانس کی تکلیف تھی۔ میرا بھائی پاشا موٹر لے کر ڈاکٹر صاحب کو لینے چلا گیا۔ مگر میری امّی نے تو کسی کا انتظار نہ کیا صرف شاید دو تین منٹ لگے اور امی آخری سانس لے کر اپنے پیارے مولا کے حضور حاضر ہو گئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لختِ جگر آپ کی مقدس بنجلڑی کا آخری موتی وہ انتہائی بابرکت وجود ہمیشہ ہمیش کے لیے ہم سے جُدا ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؎

بُلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

اللہ تعالیٰ نے ماں کا رشتہ ہی ایسا بنایا ہے کہ خواہ بچے عمر کے کسی دَور میں ہوں ماں سے ان کی انسیت اور پیار کبھی ختم نہیں ہوتا اور یہ رشتہ ایسا ہے کہ جس کے سامنے دنیا کے تمام تر جذبے چاہتیں اور رشتے جھوٹے لگتے ہیں۔ ویسے بھی اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور تکلیف کے وقت صرف ماں باپ کی ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ کمی اب ہمیشہ محسوس ہو گی۔

اے جانے والی پیاری ہستی تجھے اپنے مولا کا بے حد اور بے حساب پیار اور پھر اپنے پیاروں کا پیار نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ تا ابد تجھے اپنی رحمتوں اور فضلوں کے ساتھ میں رکھے۔ آمین

اے خدا۔ میرے پیارے خدا۔ ہمیں اپنی پیاری امّی اور ابّا جان کی

وصیت کے مطابق ہمیشہ امامتِ احمدیہ سے وابستہ رکھنا۔ نیکی تقویٰ کا اعلیٰ مقام عطا فرمانا اور "دختِ کرام" کی تمام خوبیوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کا وارث بنانا۔ اور جب ہم تیرے حضور حاضر ہوں تو ہماری جھولیوں میں ندامت کے آنسو نہ ہوں بلکہ ہماری جھولیاں میرے رب کے پیار کے انمول موتیوں سے بھری ہوتی ہوں آمین۔

اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں مگر یہ سخت ناشکری ہوگی اگر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میری امی کے لیے دن رات دُعائیں کیں اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے حضور سے جزا عطا فرماتے۔

اور پھر امی جو کئی سال سے مسلسل بیمار تھیں ڈاکٹر لطیف احمد صاحب نے بے حد محنت اور توجہ سے امی کا علاج کیا روزانہ امی کو دیکھنے آتے اور اگر طبیعت خراب ہوتی تو بعض اوقات دو دو تین تین دفعہ بھی تشریف لاتے تھے۔ اور امی کو ان کی اتنی عادت پڑ گئی تھی کہ جب ڈاکٹر صاحب کہیں باہر جاتے تو امی بہت گھبراتی تھیں اور عزیزم ڈاکٹر مبشر احمد صاحب جو ہمارے بھائی ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں وہ بھی ڈاکٹر صاحب کیساتھ امی کے علاج میں برابر شریک رہے۔ اسی طرح جبار صاحب سالہا سال تک باقاعدہ روزانہ شام کو امی کا بلڈ پریشر چیک کرنے آتے رہے نیز لیڈی ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ اور ان کی بھاوج نے بھی ان کی بہت خدمت کی اور ان کی بہت دُعائیں لیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر فضل فرماتے اور ان کو اپنی خاص رحمتوں کا وارث بناتے۔ آمین

(ماہنامہ مصباح ماہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

میری پیاری امّی

حضرت سیّدہ مرحومہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی محترمہ فوزیہ بیگم صاحبہ بیگم مرزا شمیم احمد صاحب مرحوم نے اپنی پیاری امّی کی سیرت سے متعلق اپنے احساسات وجذبات کا یوں اظہار کیا:

گلشن احمد کا آخری پھول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریت طیبہ کی آخری نشانی حضرت اماں جان کی بے انتہا لاڈلی ۔ خدا تعالیٰ سے "دُختِ کرام" کا لقب پانے والی ۶ رجون ۱۹۸۷ء کو ہم سب سے جُدا ہو کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں ۔ یہ عظیم ہستی میری ماں تھی ۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی رشتے سنبھالتی چلی گئیں ۔ باپ کی کمی نہ صرف میرے لیے پوری کی ۔ بلکہ میرے بچوں پر بھی دستِ شفقت رکھا اور ان کو بھی کبھی باپ کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا ۔ ان کا سایہ خدا کی رحمت تھا ۔ شاید ہی کسی ماں نے اپنی بیٹی سے اتنی محبت کی ہو جتنی انہوں نے مجھ سے کی ۔ ان کے احسانوں کی یاد سے تو ورق کے ورق بھی سیاہ ہو جائیں تو ان کا سلسلہ ختم نہ ہو گا ، لیکن بہنوں کے اصرار پر ان کی شخصیت کے وہ نقوش اُبھارنے کی کوشش کروں گی جو مَیں نے دیکھے لیکن دُنیا سے مستور رہے ۔

امّی بہت عبادت گذار ۔ دُعاگو ۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والی ۔ متوکل ۔ اولوالعزم ۔ بلند حوصلہ عالی ہمّت ۔ خاوند کی اطاعت کرنے والی ۔ خدمت گذار بیوی اور بہت صابر وشاکرہ تھیں ۔ طبیعت میں

انکساری تھی۔ نام ونمود کا شوق نام کو نہ تھا۔ جب میں نے جماعت کا کام شروع کیا تو مجھے نصیحت کی کہ دیکھو کام ضرور کرو۔ لیکن عہدوں کے پیچھے نہ پڑنا کہنے کا منشا یہ تھا کہ بعض اوقات انسان عہدوں کے لالچ میں پڑ کر اصل مقصد سے ہٹ جاتا ہے خدمتِ دین تو بے لوث اور خدا کی خاطر ہونی چاہیئے۔ اس کے بدلے میں انعام کا طالب نہیں بننا چاہیئے۔

امی کے متعلق میری سب سے اوّلین یاد قادیان کے دارالسلام میں چبوترے پر کھڑے ایک نہایت حسین سفید لباس میں ملبوس پیکر کی ہے آپ بہت پاک شکل تھیں میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سب سے زیادہ شباہت بچوں میں آپ ہی کی تھی۔

ہمارے ابا جان امی سے بے حد محبت کرتے تھے اور محبت کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی سمجھ کر ان کی عزت واکرام بھی ملحوظ رکھتے تھے اس لیے ہم سب بچوں کے دلوں میں امی کی شخصیت کا ہمیشہ رُعب رہا۔ ابا سے امی کی نسبت زیادہ بے تکلف تھے۔ میرے بڑے بہن بھائیوں میں تو آج تک اتنی جرأت نہ تھی کہ علاج معالجہ کے بارہ میں بھی امی کی طبیعت کے خلاف کچھ کہہ سکیں ہم چھوٹے بچوں کا بچپن ابا کی بیماری کی وجہ سے کئی سال تک ابا کے ساتھ ایک ہی کمرے میں گذرا جس کی وجہ سے ہم نسبتاً زیادہ بے تکلف تھے، لیکن اس بے تکلفی نے کبھی حدادب سے تجاوز نہیں کیا۔ امی بہت خوش قسمت تھیں کہ بے انتہا محبت اور عزت کرنے والا شوہر ملا۔ اور پھر اولاد بھی تمام خدمت گذار۔ ایک اشارے پر حاضر ہونے والی۔

امی کی طویل علالت کے دوران ذرا سی تکلیف پر بھی سارے بہن بھائی اکٹھے ہوتے رہے اور میرے چھوٹے بھائی مصطفیٰ نے تو مہینے میں کم از کم دو بار ربوہ آنا برسوں سے معمول بنایا ہوا تھا۔ اس نے تو اپنی خدمت سے یقیناً وہ جنت کما لی جو ماں کے قدموں میں ملتی ہے۔ ہر خدمت گذار اور پیارے بیٹے کی ماں کی یہ خواہش اور دُعا ہوتی ہے کہ اس بیٹے کو بھی آگے ویسا ہی بیٹا ملے مصطفیٰ کے لیے بھی بہت حسرت سے یہ خواہش تھی جو افسوس کہ ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی سب بہن بھائی دُعا کریں کہ جو خزانہ دُعاؤں کا انہوں نے اس کے لیے چھوڑا ہے اس کا وافر حصہ اس کی بچیوں رملہ۔ صائمہ کو عطا ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کو بلند اقبال کرے اور زندگی کے بہترین ساتھی عطا فرمائے۔

مَیں نے امی کی زندگی میں عہد کیا تھا کہ ہمیشہ امی کی ضرورت کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھوں گی جس کو نبھانے کی مَیں نے حتی الوسع کوشش کی۔ اکثر ضرورت بلاضرورت آتی رہتی لیکن امی کی تشنگی دور نہ ہوتی۔ اکثر کہتی تھیں تم نے بچیوں کو لاہور میں پڑھوا کر میرے کام کی نہیں رہنے دیں۔ چھٹیوں کا بےتابی سے انتظار ہوتا کہ کب ہم ان سے ملنے آئیں گے۔ اس بار بھی دن گن گن کر کاٹ رہی تھیں، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اور صرف میرے آنے سے بیس روز پہلے اللہ میاں کے پاس حاضر ہو کر ہم سے بے نیاز ہو گئیں۔

میرے ابا ایک مثالی خاوند تھے انہوں نے حقیقت میں میرے دادا ابا حضور کی ہر نصیحت پر عمل کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی کے شایانِ شان خاوند بن کر دکھایا۔ محبت کے ساتھ ساتھ ان کا ہمیشہ عزت و احترام

ملحوظ رکھا۔ مَیں نے اکثر ابا کو کہتے سُنا کہ میں تو کچھ بھی نہیں۔ میرے جیسے نوابی خاندان کے لوگ دھکے کھاتے پھرتے ہیں مجھے تو جو کچھ ملا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی کے طفیل ملا۔ آپا سیّدہ بشریٰ نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ابا امی کے ساتھ وہ اور آپا قدسیہ ڈلہوزی میں سیر کے لیے جا رہے تھے راستے میں امی کا تسمہ کھل گیا۔ ابا نے فوراً جُھک کر تسمہ باندھ دیا پھر ان لڑکیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "یہ اُمید اپنے خاوندوں سے نہ لگا بیٹھنا میں تو ان کی عزت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی سمجھ کر کرتا ہوں۔" غرضیکہ ایسے بے شمار واقعات ہیں، لیکن امی نے بھی صحیح معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی بن کر دکھایا۔ ابا کی طویل اور خطرناک بیماری میں جس پیار محبت اور جانفشانی سے انہوں نے اپنے شوہر کی خدمت کی وہ اہلی زندگی کے لیے ایک قابل تقلید مثال ہے۔

مَیں تقریباً سات سال کی تھی جب ابا کو دل کا شدید حملہ ہوا۔ مہینوں تک تو زندگی کی بھی اُمید نہ رہی تھی۔ ہم بچوں کو ابھی اتنا شعور نہ تھا، لیکن امی کی روتی ہوئی متورم آنکھیں اور گھر پر چھاتے ہوتے سکوت سے دل سہم جاتا تھا۔ ان حالات کا امی نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے۔ نئی نئی ہجرت مالی وسائل کی کمی غرضیکہ سینکڑوں مسائل تھے تاہم امی نے بڑے صبر اور حوصلے سے یہ وقت کاٹا۔ ساری ساری رات اور دن مہینوں ابا کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتیں۔ نہ کھانے پینے کا خیال تھا نہ کپڑوں کا ہوش سارا خاندان خدمت کے لیے حاضر تھا۔ لیکن امی کا دل ابا

کی پٹی سے الگ ہونے کو نہیں مانتا تھا۔ نہ جانے کتنے مہینے اس کمرے میں بند رہیں۔ ایک دفعہ بتایا کہ بہت عرصہ کے بعد جب کمرے سے نکلی تو میری آنکھیں سورج کی روشنی سے چندھیا گئیں .... آپ بہت بیدار مغز تھیں چاروں طرف دماغ چلتا یہ نہیں کہ ایک طرف لگ کر دوسرے پہلو بُھلا دیتے ہیں۔ میں اور مصطفےٰ چونکہ بہت چھوٹے تھے اس لیے ہماری تربیت کی بھی فکر رہتی ابا کی طبیعت نسبتاً سنبھلی تو ان کو بڑے کمرے میں منتقل کر دیا۔ ہمارے پلنگ بھی وہیں بچھوا دیتے۔ ہمارا سارا بچپن ابا امی کے ساتھ اسی کمرے میں گذرا۔ نزدیک ترین سکول ایک عیسائی مشنری سکول SACRED HEART تھا اس میں داخل کرا دیا۔ عیسائیت کے عقائد کے متعلق ہمارے چھوٹے چھوٹے ذہنوں میں جو سوال ابھرتے ان کا ابا امی تسلی بخش جواب دیتے ہمیں سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ عیسائی عقیدہ سے جو دُعا ہو اس میں OUR FATHER کی بجائے OUR GOD کہنا ہے۔ چھوٹی چھوٹی دینی کتب ہمارے سرہانے رکھوائیں تاکہ پاکیزہ لٹریچر پڑھنے کی عادت پڑے شروع کے ایک سال ہماری بڑی امی (حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) بھی اسی کمرے میں ہمارے ساتھ سوتی رہیں۔ رات کو ہم بچوں کے دل بہلانے کو سبق آموز کہانیاں سناتیں۔ اُردو کی کتب سنتیں تاکہ زبان صاف ہو اور ہر اچھی بُری بات کی تمیز کان میں ڈالتی رہتیں ان کی موجودگی امی کے لیے بڑا ذہنی سہارا تھی۔ ہم تو خیر چھوٹے تھے قابو آجاتے تھے اونچی آواز سے بولنا یاد ہی نہیں۔ بچوں والا چلبلا پن اور شرارتیں پیدا ہی نہیں

ہوتیں۔ مصطفیٰ حالانکہ لڑکا تھا اور فطرتاً شوخ لیکن اس نے کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ بھائی پاشا عمر کے لاابالی حصہ میں تھے اس کمرے میں تو نہ رہ سکتے تھے لیکن ان کے پڑھنے کی میز اکثر اس کمرے میں منگوائی جاتی تاکہ وہ ان کی زیرنگرانی پڑھ سکیں۔ بچپن کی ناسمجھی کی وجہ سے اکثر ان سے شکوہ کر دیتی تھی۔ کہ ہم نے کتنا گھٹا ہوا بچپن گذارا لیکن آج ان حالات کو سمجھنے کی عقل آ گئی ہے تو سوچتی ہوں کہ کتنی عقل سمجھ اور ہوش مندی سے ہماری ماں نے وہ وقت کاٹا۔ اس وقت اگر ہمیں اس چار دیواری میں بند نہ کیا ہوتا تو نہ جانے کس بری صحبت میں پڑ جاتے۔

ہجرت کے بعد سب کی مالی حالت خراب تھی اوپر سے یہ سنگین بیماری۔ ابا مقروض بھی تھے سارا روپے پیسوں کا انتظام امی کرتیں اور بڑی خوش اسلوبی سے گھر بھی چلاتیں۔ میری بہن آپا قدسیہ کی شادی بھی انہی سالوں میں ہوئی۔ قادیان سے جو سامان آ سکا اسی کو کانٹ چھانٹ کر آپا قدسیہ کا جہیز بنا۔ ابا پر کوئی بوجھ نہ ڈالا۔ اکثر بتایا کرتی تھیں کہ میں نے ان دنوں میں کسی قرض دار کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹایا۔ اگر میرے پاس آٹھ آنے ہوتے تو وہی دے دیا کرتی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود اپنی بشاشت بھی قائم رکھتیں۔ میں نے زندگی میں امی کو کبھی مظلوم شکل بناتے ڈھیری ڈھاتے نہیں دیکھا حد درجہ غیرت والی اور خود دار تھیں۔ مردانہ وار دلیری سے حالات کا مقابلہ کرتیں۔ اپنی کمزوری کا اظہار کبھی نہ ہونے دیتیں۔ بچوں میں بھی اس بات کی غیرت ڈالتیں۔ ایک دفعہ مجھے سخت جذباتی تکلیف پہنچی۔ میں نے اپنے کسی رویہ سے اظہار نہ کیا۔ میں نے

سمجھا امّی سے بھی چھپا لوں گی۔ لیکن ماں کی آنکھ تھی نہاں در نہاں دکھوں پر بھی پہنچ جاتی تھی۔ کچھ روز بعد ناشتہ پر ہم اکیلے تھے نظریں نیچی کئے ہوئے کہنے لگیں۔ بے بی! مجھے تمہاری تکلیف کا اندازہ ہے۔ نہ انہوں نے بات آگے بڑھائی نہ میں نے۔ میری غیرت بھی رکھ لی اور میرا دُکھ بھی بانٹ لیا۔ میری تو زندگی ہی ابتلاؤں میں گذری۔ لاڈ پیار بے حد کیا، لیکن کبھی مظلوم نہیں بنایا۔ پہلی دفعہ جب میرے میاں (مرزا شمیم احمد صاحب مرحوم) دل کے عارضے سے بیمار ہوئے تو قدرتی طور پر چھوٹی عمر تھی۔ میں بے حد گھبرا گئی۔ امّی نے مجھے خط لکھا کہ زندگی میں ابتلاء تو آتے رہتے ہیں۔ ان کا مقابلہ بشاشت اور ہمت سے کرنا چاہیئے۔ میری طرف دیکھو ہزاروں کڑے وقت آئے لیکن وہ وقت بھی ہنس کھیل کر گذار دیا۔ تمہارے ابا جان کی بیماری کی وجہ سے نکل نہ سکتی تھی تو کتابوں میں دل لگا لیا۔ ہسپتالوں میں بھی مختلف لوگوں کے حالات سنتے دیکھتے وقت گذارا۔ مجھے نئے نئے جوڑے بنوا کر دیتے اور فرمایا میاں کے سامنے اچھے حُلیئے میں آؤ۔ اس کے سامنے غمزدہ صورت بناؤ گی تو دل کے مریض پر کیا اثر پڑے گا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ابتلاء تو آتے لیکن ان سے مقابلہ کرنے کا سلیقہ امّی ہی سے سیکھا۔

میرے تجربات کے دائرے میں جو بھی لوگ آئے ان میں امّی سے زیادہ باہمت، دلیر، صابر، شاکر، خاوند سے محبت کرنے والی، وفا شعار۔ تعاون کرنے والا کوئی نہیں ملا۔ ابا تیرہ چودہ سال دل کے عارضے سے بیمار رہے جب "وہیل چیئر" پر پھرنے کے قابل ہوئے تو سندھ میں اپنی اراضی کی

دیکھ بھال کے لیے جانے کا پروگرام بنایا ۔ ہم بچے تو چھٹیاں گذار کر واپس آگئے لیکن امّی ابا بعد میں بھی اس جنگل میں رہتے رہے ۔ اس وقت میں ۱۴ سال کی تھی ان دنوں کے خط ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں ۔ امّی کی گھبراہٹ کا اندازہ ان سے ہوتا ہے ہزاروں وساوس ان کو پریشان کرتے لیکن ابا کی خاطر برداشت کرتیں اور کبھی ان پر اپنی تکلیف کا اظہار نہ ہونے دیتیں ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے وقت امّی کی عمر چار سال تھی ۔ حضرت اماں جان کو چھوٹی ہونے کی وجہ سے آپ سے بہت محبت تھی ۔۔۔۔ اماں جان کو آپ کی محرومی کا اس شدّت سے احساس تھا کہ آپ نے بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آپ کے سامنے نہ ہونے دیا ۔۔۔۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امی کا ذہن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں ذہن میں محفوظ نہ رکھ سکا جس کا آپ کو از حد قلق تھا ۔ جب میرے میاں کی وفات ہوئی تو میری سب سے چھوٹی بیٹی سحر بھی چار سال کی تھی اور سعدیہ ۔ سمیرا نو اور سات سال کی ۔ چند دنوں کے بعد امّی نے مجھے بڑے دُکھ سے کہا ۔ "بے بی ان بچوں پر وہ ظلم نہ کرنا جو نادانستگی میں اماں جان نے مجھ پر کیا" ان الفاظ میں اتنا دُکھ اور محرومی تھی کہ میں کانپ گئی میں نے بارہا امّی کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن ہر بار میری آواز رُوندھ جاتی اور الفاظ ساتھ چھوڑ جاتے اس وقت مجھے حضرت اماں جان کی مجبوری اور بے بسی سمجھ میں آگئی ۔ لیکن امی کو کبھی نہ بتا سکی کہ حضرت اماں جان بے قصور تھیں ۔

امی کی شخصیت میں بے انتہا جاذبیت تھی۔ جو ایک دفعہ مل جاتا گرویدہ ہو جاتا۔ انکساری کے ساتھ ساتھ ایک قدرتی رُعب تھا۔ ہر شخص کے ساتھ اس کے حالات کے مطابق گفتگو کا فن آتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسروں بچوں کی طرح کمال کا حافظہ تھا۔ اس آخری عمر میں بھی جو احمدی مستورات آتیں ان کو فوراً پہچان کر ان کے عزیز و اقارب کے متعلق دریافت فرماتیں اگر کسی نے اپنی مشکلات کا پچھلی ملاقات میں ذکر کیا ہوتا تو اس کے متعلق پوچھتیں میرے پاس اکثر جو بہنیں تعزیت کے لیے آئیں انہوں نے ان کی اس خصوصیت کا ذکر کیا۔

بے حد ذہین و فہیم تھیں انسان کو دیکھ کر اس کی شناخت کر لیتیں علم دوست تھیں حصولِ علم کا اتنا شوق تھا کہ شادی کے بعد۔ میٹرک۔ ادیب عالم اور انگریزی میں ایف اے کیا۔ اُردو ادب کے علاوہ انگریزی ادب بھی کافی پڑھا ہوا تھا۔ میں حالانکہ کانونٹ میں پڑھی تھی لیکن ذاتی مطالعہ کی راہنمائی ساری امی نے کی۔ منجھلے ماموں جان (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) سے انگریزی پڑھی۔ اکثر بتاتیں کہ منجھلے بھائی کے پڑھانے کا طریق بہت اچھا تھا۔ جو پڑھاتے ذہن نشین کرا دیتے اکثر مشکل الفاظ مثالیں دے کر سمجھاتے ایک دفعہ ایک انگریزی لفظ FAIN آیا تو منجھلے ماموں جان نے ملکہ الزبتھ اوّل کا ایک مشہور واقعہ سنا کر اس لفظ کا استعمال سکھایا ملکہ کے منظور نظر بدلتے رہتے تھے ایک بار اس نے اپنے کسی CARDINAL کو بُلا بھیجا تو اس نے ان الفاظ میں آنے سے معذوری

ظاہر کی FAIN WOULD I COME BUT THAT I FEAR TO FALL اس پر ملکہ نے جواب دیا۔ FALLS THEE DO NOT COME AT ALL.

گو انگریزی ادب کا مطالعہ کافی تھا، لیکن بولنے میں روانی نہیں تھی۔ اور کام چلا لیتی تھیں۔ سفر یورپ میں بھی میں نے دیکھا کہ سمجھ لیتی تھیں لیکن بولتے ہوئے جھجک تھی۔

ابا کا دستور تھا کہ لمبی چھٹیوں میں کہیں جانا ہوتا تو ضرور کسی بزرگ عالم دین کو بھی اپنے ساتھ لے کر جاتے "تاکہ بچوں کی دینی تعلیم کا حرج نہ ہو ایک بار سندھ جاتے ہوئے مکرم مولوی ظہور حسین صاحب ہمارے ساتھ گئے۔ امی بھی باقاعدہ ان سے پڑھا کرتی تھیں۔ یہ تو مجھے یاد نہیں کہ تفسیر پڑھتی تھیں یا لفظی ترجمہ لیکن یہ ضرور یاد ہے کہ ہم سے بہت زیادہ وقت وہ لیتی تھیں۔ میری شادی کے بعد جب گھریلو فکروں سے آزاد ہوتیں تو اکثر وقت مطالعہ میں گذرنے لگا۔ میں جب آتی تو دیکھتی کہ صبح کے وقت کئی گھنٹے تفسیر کبیر کا بڑے غور سے مطالعہ کرتیں۔ میں حیران ہوتی تھی کہ امی اتنی دماغی مشقت اس عمر میں کیسے برداشت کر لیتی ہیں۔ جب کوئی مشکل آتی تو کسی عزیز کو فوراً فون کر کے سمجھتیں۔

شعر بھی کہہ لیتیں لیکن اس کا اظہار پسند نہ کرتیں۔ طبیعت میں بے انتہا حجاب تھا۔ جس کی ایک وجہ شاید بچپن میں باپ سے محرومی بھی تھی۔ میں امی سے اکثر بے تکلفی سے بات کر لیا کرتی تھی ایک دن میں نے باتوں

کی رَو میں کہہ دیا۔ کہ امّی آپ میں بہت سی صلاحیتیں تھیں لیکن ان کو اُبھرنے کا موقع نہیں ملا۔ شاید یہ آپ کی بچپن کی محرومیاں ہیں جنھوں نے آپ کو دبائے رکھا۔ مَیں یہ بات کہہ کر آج تک شرمندہ ہوں۔ امّی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اتنا ضبط ہونے کے باوجود ہونٹ کپکپاتے اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ صرف سر ہلا کر خاموش ہو گئیں۔ قرآن کریم میں یتیموں کو اُبھارنے کا حکم یونہی نہیں۔ اماں جان نے ساری زندگی لاڈ پیار کیا۔ اُبھارا۔ باپ کی کمی پوری کرنے کی کوشش کی، لیکن امّی کو آخری سانس تک اس کا احساس رہا۔

آپ کی خداداد ذہانت کا اعتراف اپنے نہیں غیر بھی کرتے تھے آپا شاما کی ایک انگریز دوست ایک دفعہ ربوہ آئیں۔ امی سے مل کر بہت متاثر ہوئیں۔ ہمیشہ خطوں میں ان کا ذکر کرتیں۔ امّی کی وفات کے بعد لکھا کہ میں ان سے مل کر اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ ایک چھوٹے سے قصبہ میں رہنے والی بزرگ خاتون دُنیا کے حالات سے کسقدر ENLIGHTENED ہیں۔

آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی جب آپ کی شادی ہوئی اور وہ بھی بالکل علیحدہ ماحول میں۔ امی بتاتیں تھیں کہ ہمارے گھر کا ماحول بالکل سادہ تھا۔ ایک دم جب میں نوابی طرزِ زندگی میں داخل ہوئی تو سٹپٹا گئی، لیکن مَیں نے کبھی اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دی۔ فطرتی ذہانت نے اس مرحلہ سے بھی ان کو وقار سے گذار دیا۔ اپنی شروع زندگی کا واقعہ اکثر سناتی تھیں

کہ ایک دفعہ ابّا نے کہیں جاتے ہوئے ٹائی مانگی۔ میرے بھائیوں نے کبھی یہ چیزیں استعمال نہ کی تھیں اس لیے مجھے کچھ سمجھ نہ آیا، لیکن مَیں نے اظہار نہ ہونے دیا۔ الماری کھولی۔ کپڑوں کا جائزہ لیا صرف ٹائی ایسی چیز نکلی جس کا مجھے پتہ نہ تھا۔ وہی اُٹھا کر لے آئی۔ اگر اس وقت ابا سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر بھی دیتیں تو بھی ابا جیسے انسان کو کوئی فرق نہ پڑتا، لیکن امی کی خود داری اور غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ کسی بات میں کم سمجھی جائیں۔ اسی کم عمری میں سال سال کے فرق سے اوپر تلے تین بچے پیدا ہوئے۔ ان سب کو بہترین طریقہ سے سنبھالا۔ ابھی ابّا کا کوئی ذاتی کاروبار نہ تھا۔ ابا حضور کی طرف سے کچھ جیب خرچ ملتا تھا۔ اسی میں انتہائی خوش اسلوبی سے گذارا کرتیں کبھی ناجائز بوجھ نہیں ڈالا۔ لیکن ساتھ ساتھ ابّا کو ذاتی کام کے لیے بھی ابھارتیں۔ اکٹھے رہنے میں کئی تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں، لیکن یہ وقت بھی صبر اور حوصلہ سے گذارا۔ سناتی تھیں ایک دفعہ بعض حالات کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی۔ بڑے بھائی (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) مجھ سے بالکل باپ والی شفقت فرماتے تھے۔ مجھے الگ لے گئے اور کہا "حفیظ! مجھے بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے۔" امی کہتی ہیں کہ میں یہ سُن کر رو پڑی، لیکن بولی کچھ نہیں بڑے بھائی نے بڑے پیار سے کہا۔ "حفیظ گھبراؤ نہ بعض وقت ریس میں پیچھے رہنے والا گھوڑا سب سے آگے نکل جاتا ہے۔" خدا کرے ماموں جان کے یہ الفاظ امی کی نسل در نسل پورے ہوں اور ہم سب بچوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کا بہترین وارث بننے کی

توفیق ملے۔ عزیز و اقارب سے بھی امی کا سلوک مثالی تھا۔ وقتی طور پر کسی سے کوئی تکلیف پہنچ بھی جاتی تو ذرا سی تلافی سے فوراً دل صاف ہو جاتا۔ ہر عزیز کی تکلیف پر تڑپ جاتیں اس کے لیے دعائیں کرتیں الفاظ سے سہارا دیتیں۔ غمی میں تو غیر بھی شریک ہو جاتے ہیں کسی کو خوشی میں فراخ دلی سے شامل کرنا بھی بڑی نیکی ہے امی میں یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی جب تک چلنے پھرنے کے قابل رہیں سب سے پہلے مبارک باد کے لیے پہنچنے والوں میں امی ہوتی تھیں۔

خدا اور رسول سے بے انتہا محبت تھی ایک دفعہ میں نے کہہ دیا کہ آج کل کے لوگوں نے رسول اللہؐ کی محبت کو بھی حد سے متجاوز کر دیا۔ یہ سن کر آبدیدہ ہو گئیں کہنے لگیں یہ نہ کہو بعض وقت رسولؐ کی محبت بھی خدا کے برابر لگنے لگتی ہے۔ اس دن مجھے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھی آپ کتنی سرشار تھیں خدا کی ذات پر بے انتہا توکل تھا۔ دُعاؤں پر بے حد یقین۔ صحت کی حالت میں گھنٹوں عبادت میں گذارتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چار سال کی عمر میں آپ کو اپنے مولا کے سپرد کر گئے اور حقیقتاً ساری زندگی اپنے مولا کی گود میں رہیں بسا اوقات کسی چیز کی خواہش کرتیں اور وہ غیب سے آجاتی۔ پھر تحدیث نعمت کے طور پر بار بار اس کا ذکر کرتیں اور خوش ہوتیں۔ غیر اللہ پر بھروسہ کرنے سے سخت نفرت تھی۔ ایک دفعہ میری بیٹی سمیرا نے کسی چیز کے لیے خط لکھ کر پیسے مانگے اس کو بڑا پیارا جواب دیا۔ اس کی خواہش

بھی پوری کردی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو اللہ میاں سے مانگا کرو۔ دُعاؤں کی عادت ڈالو۔ ہاں انسانوں میں صرف میرے کان میں چپکے سے کہہ دیا کرو میرے پاس امّی کے لاتعداد خطوط ۱۴ سال کی عمر سے لے کر اب تک کے محفوظ ہیں۔ شاید ہی کوئی خط ہو جس میں دُعاؤں پر زور نہ دیا ہو۔

وہ عزم و ہمت کا پیکر تھیں بڑے سے بڑے ابتلاء کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ابا کی وفات کے بعد تمام جائیداد کا حساب کتاب جب تک صحت نے اجازت دی خود سنبھالا۔ بیٹوں پر بھی ناجائز بوجھ نہیں ڈالا۔ حالانکہ سب امی کے اشارے پر حاضر تھے۔ انتظامی قابلیت کمال کی تھی۔ ابا کے بعد گھنٹوں مینجر کے ساتھ پردے کے پیچھے سے حسابات کی جانچ پڑتال کا طریقہ کار سمجھا اور سال کے اندر اندر تمام قرضہ جات ادا کر دیئے اور گھر میں پہلے سے زیادہ فراخی آ گئی، لیکن ضیاع اور اسراف سے نفرت تھی۔ مصطفٰے نے جب امّی کی صحت گرنے پر کام سنبھالا تو اس کی خواہش ہوتی تھی کہ امّی کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش پوری ہو زبان سے نکلنے کی دیر ہوتی کہ چیز حاضر کر دیتا، لیکن اس کو بھی ٹوکتی رہتیں کہ فضول خرچی نہ کرو مجھے ڈر لگتا ہے اکثر سناتی تھیں کہ مَیں نے اپنی تنگی کے زمانے میں خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ مجھے تمہاری سوچ کر خرچ کرنے کی عادت پسند ہے اور مجھے روکتے رہے کہ تکلفات میں نہ پڑنا یہ اخلاص و محبت کی جڑیں کھوکھلی کر دیتے ہیں۔ اسی

لیے امی فراخی میں بھی اسراف سے ڈرتیں اور ہمیں بھی منع کرتی رہتی تھیں۔

لین دین کے معاملے میں بہت صاف تھیں کسی کا کچھ دینا ہوتا تو طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا اسلم ایاز نے امی کا دودھ پیا ہوا تھا اس لیے اس سے ہمارا پردہ بھی نہیں اس کو عادت تھی کہ حساب لمبا لٹکا تا تھا۔ امی بلوں اور دوسرے حسابات وغیرہ کی ادائیگی کر کے کئی کئی دفعہ پوچھتی تھیں کہ پیسے ادا کر دیئے یا نہیں اگر کبھی نہ کئے ہوتے تو بے حد خفا ہوتیں بچوں سے بھی یہی معاملہ کرتیں۔ تحفۃً چاہے ہزاروں دے دیتیں، لیکن جہاں لین دین کا معاملہ ہوتا وہاں پائی پائی کا حساب لیتیں اپنی وصیت میں بھی نصیحت کی ہے کہ میں نہیں چاہتی کہ لین دین کے معاملے میں میرے بچوں میں بد دیانتی پائی جائے۔ یا کسی کا حق ماریں کہتی تھیں کہ اماں جان کا بھی یہی دستور تھا۔

اولاد کے لیے بڑی مشفق ماں تھیں وفات کے وقت جو آپ کی وصیت نکلی اس میں ایک ایک بچے کا انتہائی پیار سے ذکر کیا ہے ہر ایک بچے کی فرداً فرداً دلجوئی کی ہے اور ان کی خدمتوں کا اعتراف کیا ہے اور دُعائیں دی ہیں آپا لیلیٰ (اہلیہ محمد اشرف شہید) کی امی ہی نے پرورش کی۔ اور شادی کی ان کا اتنا خیال تھا کہ اگر ایک دن نہ آتیں تو آدمی بھیج بھیج کر بلوا لیتیں اگر بیمار ہوتیں تو ضرورت کے مطابق ڈاکٹر بھیجتیں۔ آپا لیلیٰ نے بھی پھر بیٹیوں سے بھی بڑھ کر حق ادا کیا۔ مسلسل کئی سال سے وہ صبح سے شام تک امی کے پاس آکر ان کا دل بہلاتی رہیں میرے سے تو کچھ اور

ہی تعلق تھا۔ بقول ان کے گودی کے نیچے والا۔ ان کے کن کن احسانوں کا ذکر کروں قلم چلتی نہیں اور الفاظ شرما جاتے ہیں ہر وقت دل میں نشتر چھُبتے ہیں کہ میری طرف سے امی کو کتنی تکلیفیں پہنچیں اور کس صبر اور ہمت سے نہ صرف خود برداشت کیں بلکہ مجھے بھی سہارا دیا۔ اب تو یہی آرزو ہے کہ میری ہر ہر سانس اس مشفق اور پیاری ہستی کے لیے دُعا بن جائے اور مجھ سے ایسے اعمال سرزد ہوں جو ان کی بلندیٔ درجات کا موجب بنتے رہیں۔

ابا کی وفات کے بعد امی کی صحت بہت گر گئی۔ مجھ پر ابا کی وفات کا بہت اثر تھا۔ اُوپر سے امی کی حالت دیکھ کر بالکل ہی اعصاب جواب دے گئے۔ امی بہت گھبرا گئیں۔ تبدیلیٔ آب و ہوا کے لیے مجھے آپا قدسیہ کے پاس لندن بھیجنا چاہا لیکن میری طبیعت کی پژمردگی دیکھ کر سب کے کہنے پر خود جانے کے لیے تیار ہوگئیں اس وقت کے حالات کے تحت یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ ابھی خود ابا کے صدمہ سے نڈھال تھیں۔ مسلسل محنت مشقت اور بیماری کے ماحول سے خود ان کے بھی اعصاب پر بہت اثر تھا، لیکن میری خاطر ہمت کر ہی لی اور یوں یہ سفر زیورک کی بیت کی بنیاد کا باعث بنا اور عیسائیت کے گڑھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی کے ہاتھوں خانۂ خدا کی بنیاد رکھی گئی اور یُوں خدا تعالیٰ نے سال ہا سال کی قربانی خاوند کی خدمت و وفا کا اجر اس عظیم الشان کام کے ذریعے آپ کو عطا کیا جو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور ممالک یورپ کے لیے انشاء اللہ موجب

صد برکات ہو گا۔

مسلسل کئی سالوں سے صاحب فراش تھیں اتنی لمبی بیماری انتہائی صبر اور حوصلے سے کاٹی۔ شوکت گوہر صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب گھر میں کہتے تھے کہ بیگم صاحبہ کو بہت تکلیف ہے کوئی اور مریض ہو تو وہ اس طرح برداشت نہ کر سکے۔ آخری مہینوں میں شاید آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ ان کا وقت آ گیا ہے۔ حضور کو بہت یاد کرتیں آپا جمیل لندن جانے کے لیے ملنے آئیں تو ان کے ہاتھ حضور کو پیغام کہلا کر بھیجا۔ کہ میری نماز جنازہ غائب نہیں آپ نے پڑھانا۔ ایک دن مجھے کہنے لگیں " میاں طاہر کو لکھو بڑے بھائی کی طرح غصہ میں آیا کریں اتنا صبر نہ کریں وہ غصہ کرتے تھے تو اللہ میاں جلد فضل کر دیتا تھا۔" ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ کسی طرح ان کو بلوالیں۔ حضرت صاحب سے ویسے بھی ان کو خاص تعلق تھا۔ ایک دوسرے سے ایک قسم کا طبعی لگاؤ تھا۔ جس کی تصدیق حضور نے بھی وفات کے بعد ایک خط میں مجھ سے کی آپ لکھتے ہیں " میرے دل کو ان کے دل سے ایک فطری راہ تھی۔ ان کی روح سے میری روح کو ایک طبعی لگاؤ تھا۔ میری نظر ان کی نہاں در نہاں لطافتوں سے آشنا تھی اور وہ اتنی ذہین تھیں کہ خوب جانتی تھیں کہ میں ان کو کتنا جانتا ہوں۔ خدا نے عجیب حسن ان کو بخشا تھا اور مجھے اس حسن کو سراہنے کی نظر عطا کی تھی۔"

امی کے دل میں (امامت) کا از حد احترام تھا۔ باوجود اس کے کہ حضور

بچپن سے آپ کے لیے "طاری" رہے، لیکن بعد میں مَیں نے ان کو ہمیشہ میاں طاہر کہتے سنا۔ آپ جب ملنے آتے آپ ان کے لیے اُٹھ کر بیٹھتیں۔ ادب سے پاس بٹھاتیں۔ حضور نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری نشانی کی عزّت واکرام اور خیال میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ دُور رہ کر بھی انکے قریب رہے۔ اور ہر وقت علاج معالجہ کے بارہ میں ان کی ہدایات پہنچتی رہیں افسوس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باقی بچے تو صرف قادیان کو ترستے گئے۔ لیکن میری امّی امامِ وقت کے لیے بھی تڑپتی چلی گئیں۔

فروری میں ریڑھ کی ہڈی میں فریکچر آگیا جس سے ناقابلِ برداشت تکلیف رہی ان دنوں اس قدر طبیعت خراب تھی۔ کہ ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب کی اہلیہ نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب اتنے پریشان تھے کہ دن میں کئی کئی دفعہ گھر میں اجتماعی دُعا کراتے تھے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ سب بچوں نے اپنی استعداد کے مطابق خدمت کی۔ میری بڑی بہنیں حالانکہ عمر کے اس حصہ میں ہیں کہ ان کو بھی کئی کئی بیماریاں ہیں، لیکن رات کو امّی کے پاس باری باری سوتی رہیں اور دن میں بھی وہیں رہتیں۔ بھائی جان عباس بھی جس دوا کی ضرورت ہوتی اپنے بیٹوں کو انگلینڈ فون کر کے منگواتے رہے۔ لاہور سے بھی باری باری ہم سب آتے رہے، لیکن طبیعت گرتی ہی گئی۔

مارچ میں تقریباً دس دن آکر رہی۔ ان دنوں طبیعت کافی سنبھل گئی۔ میں امی کو روزانہ کچھ نہ کچھ اپنے ہاتھ سے بنا کر کھلاتی رات دن پاس

ہوتی جانے سے ایک دن پہلے کہنے لگیں "اب تو لڑکیوں کا شکر ادا کرتی ہوں"۔ میں نے تسلی دی کہ اب تو چھٹیوں میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں جلدی آپ کے پاس آجاؤں گی۔ کہنے لگیں تم سے مجھے آرام ملتا ہے تم میرے پاس ٹک کر بیٹھتی ہو۔

مشاورت کے بعد مسلسل تیرہ دن میں بچوں کے امتحانات کی وجہ سے نہ جا سکی۔ بڑی آپا نے کئی بار فون کیا لیکن دُور بیٹھے طبیعت کی خرابی کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا اس عرصہ میں تیرہ دن کے بعد جب دوبارہ گئی۔ تو یوں لگا جیسے امی کو برسوں کے بعد دیکھا ہو PARKIN SON کا حملہ شدت اختیار کر گیا تھا (زبان بُری طرح لڑکھڑانے لگی تھی بھوک بالکل بند اور حد سے زیادہ ضعف رہنے لگا تھا۔ آپا شاما سے بہت دل لگتا تھا وہ مسلسل باتیں کر کے ان کا دل بہلاتی تھیں اس لیے وہ کچھ دن ان کے پاس رک گئیں۔ میں نے گھر جا کر فون کیا اور امی کو پیغام دیا کہ اس دفعہ مجھے آپ کی بڑی فکر ہوئی ہے اب میں جلدی جلدی آیا کروں گی یہ سن کر بہت خوش ہوئیں۔ فون خود لے لیا۔ میں نے امی کو تسلی دی کہ میں دو تین دن تک پھر آرہی ہوں۔ رمضان کے دوسرے روز میں دوبارہ گئی طبیعت پہلے سے بھی زیادہ گر گئی تھی غذا بالکل بند تھی۔ سیال چیزوں کے سوا کچھ حلق سے نہ اُترتا تھا بہت تکلیف تھی، لیکن بہت برداشت کرتی تھیں مجھے آتے ہی بتایا کہ اماں جان بہت نظر آنے لگی ہیں رات کو تقریباً روز کہتیں مجھے نظارے بہت نظر آنے لگے ہیں تمہیں نہیں نظر آتے۔ میری بھانجی امۃ الحسیب کو ایک دن کہا کہ

ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے چہرے پر ہاتھ پھیر کر گئے ہیں غرض دنیا سے ان کا ناطہ ٹوٹ رہا تھا، لیکن ہمیں اُمید تھی کہ بڑی بڑی بیماریوں سے اللہ میاں نے بچا لیا اس دفعہ بھی اللہ میاں فضل کرے گا۔ ساری ساری رات ان دنوں جاگتیں۔ صبح تلاوتِ قرآن کریم کا کبھی ناغہ نہ کیا۔ وفات کے دن بھی تلاوت کی۔ وفات سے ایک دن پہلے ۵ ؍ جون کو میری منجھلی آپا جہلم سے آگئیں۔ مَیں نے امّی سے اجازت مانگی کہ اب یہ آگئی ہیں تو میں لاہور جا کر بچوں کو دیکھ آؤں ان کو نوکر تنگ کر رہے ہیں دو چار دن بعد پھر آجاؤں گی۔ یہ سُنکر چُپ ہوگئیں رات کو گیارہ بجے جب ہم دونوں اکیلے کمرے میں لیٹے تھے تو اُنگلی اُٹھا کر مجھے کہا کہ "دیکھو تم نے صبح نہیں جانا۔" میرا دل خود اس حالت میں ان کو چھوڑنے پر نہیں مان رہا تھا مَیں نے فوراً کہا۔ "اچھا امّی نہیں جاتی۔" یہ سُنکر امّی مطمئن ہوگئیں لیکن میرا دل بیٹھ گیا عجیب سے وہم آنے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے بچوں کی تکلیف کا سُنکر بھی انہوں نے مجھے روکا۔

دوسرے دن صبح تکلیف زیادہ تھی۔ مَیں دوائیاں کھلانے لگیں تو پہلی دفعہ رو پڑیں۔ بڑی بے بسی سے کہنے لگیں اب تو مجھ پر رحم کرو مَیں نے اسی وقت بھائی پاشا سے ڈاکٹر لطیف احمد قریشی کو بلانے کو کہا انہوں نے چیک اپ کرکے کہا کہ حضور کی نئی ہدایات آئی ہیں اب ہم سب ڈاکٹر مل کر مشورہ کرکے علاج کا نیا طریقہ کار سوچیں گے۔ مَیں نے امّی کو بتایا تو مسکرا پڑیں۔ صبح سے سب بہنیں اور بھائی پاشا آتے ہوتے تھے۔ گھنٹہ

پہلے زُہرہ بھی ملنے آتی - اس لڑکی نے ۱۶ سال امّی کی خدمت کی اور اتنی دُعائیں لیں کہ بعض وقت اس پر رشک آتا ہے اس کے بیٹے کا حال پوچھتی رہیں اس کو اور اس کے میاں کو پانی پلانے کو کہا - کھانے پر بڑی مشکل سے دو دہی کے چمچے لیے سب بہنوں نے کہا کہ رات تم جاگتی رہی ہو اب اس وقت آرام کر دہم بیٹھے ہیں - ابھی مشکل سے دس منٹ گذرے ہونگے کہ مجھے بلاوا آ گیا - مَیں دوڑ کر گئی تو امّی کا رنگ زرد ہو رہا تھا - سانس غیر ہموار تھی مَیں نے جلدی سے دل کی دوائی کے قطرے دیئے دوبار میرے کہنے سے مُنّہ کھولا اور پھر آنکھیں پھر گئیں اور بڑے سکون سے اپنے مولائے حقیقی کو جان دے دی - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۝

آپا زکیّہ نے بعد میں بتایا کہ طبیعت بگڑی تو "بے بی" کہا - ہم گھبرا کر امّی کو سنبھالنے میں لگے رہے تو بڑے غصّے سے دوبارہ "بے بی" کہا تو پھر مجھے بُلانے گئیں گویا آخری وقت تک اس محبت کو نبھایا - آج مجھے بے بی کہنے والا کوئی نہیں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وقت کتنا گذر گیا - میری مانگ میں سفیدی آ گئی لیکن مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ بے بی کہلوانے کا زمانہ تو عرصہ ہوا بیت چکا تھا - انہوں نے تو میری ساری ذمہ داریاں اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھائی ہوئی تھیں اب جو اپنے کاندھوں پر بوجھ محسوس کرتی ہوں تو زندگی کا سفر بہت طویل لگنے لگتا ہے اور وقت سُست رفتار - بس اب تو ایک ہی دُعا ہے کہ" مولا یہ تو ہمیں چھوڑ گئیں تُو نہ ہمیں چھوڑیو - روزِ قیامت مجھے میری ماں کے سامنے سرخرو کرنا اور ان کے لاتعداد احسانات

محبت اور شفقت کی یادیں ہمیشہ میرے دل میں تازہ رکھنا۔ تاکہ ان کی یاد ہمیشہ دلسوز دعاؤں میں ڈھلتی رہے اور ان کی بلندیٔ درجات کا باعث بنے اور جنت الفردوس کا اعلیٰ ترین مقام اور اپنے پیاروں کا قرب نصیب ہو۔

(ماہنامہ مصباح بابت ماہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ کے ایک اور غیر مطبوعہ مضمون کے بعض اقتباسات :-

...... اماں جان کے لاڈ پیار کا یہ حال تھا کہ امی بتایا کرتی تھیں کہ اماں جان مجھے کبھی سوتے میں نہ اُٹھاتی تھیں۔ سکول جانے کا زمانہ آیا تو بچپن کی وجہ سے ضد کرنے لگی۔ اماں جان نے سارا سکول گھر میں منگا لیا......

☆

...... ایک دفعہ ابا کو ایک نجومی نے مجبور کیا کہ اپنا ہاتھ دکھائیں۔ ابا نہ دکھانے پر مصر تھے آخر جب اس نے بہت ہی اصرار کیا تو ابا نے اس کو کہا کہ آخر تم مجھے کیا بتاؤ گے؟ کہنے لگا آپ کی قسمت۔ ابا ہنس پڑے اور کہنے لگے یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہے کہ ایسی قسمت یا میرے باپ کی تھی یا میری۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کا کس قدر احترام و اکرام تھا امی نے بھی

اس جذبے کی بے حد قدر کی۔میرے ابا ایک سادہ درویش صفت انسان تھے اور امی ان کے مقابلے میں بہت ذہین ادبی ذوق رکھنے والی۔شاعرانہ مزاج۔دونوں کے طبائع میں بہت تفاوت تھا،لیکن امی نے اس تعلق کو اس خوبصورتی سے نبھایا کہ ابا امی ہمارے خاندان میں مثالی جوڑا گنے جاتے تھے۔امی نے ہمیشہ ابا کے فطرتی حسن پر نظر کی اور طبیعتوں کے تفاوت کو محبت کے پردوں میں ڈھانکے رکھا۔آج کل کی نوجوان نسل چھوٹی چھوٹی باتوں کو وجۂ اختلاف بنا کر گھر برباد کر لیتی ہے ان کے لیے بے شک امی کا نمونہ مشعلِ راہ ہونا چاہیئے۔

☆

......شاعری سے بھی بہت مَس تھا۔شعر کہہ بھی لیتیں لیکن اس کا اظہار پسند نہ فرماتیں اس بارہ میں طبیعت میں حجاب تھا۔اِدھر اُدھر ڈائریوں میں تو آپ کے شعر پڑھے لیکن امی کی زبان سے کبھی نہیں سُنے۔امی کے حجاب کی وجہ سے مجھے بھی کبھی پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی....

☆

......ابا کا اپنا کوئی ذاتی کام نہ تھا۔ابا حضور کی طرف سے کچھ جیب خرچ ملتا تھا۔اسی میں انتہائی خوش اسلوبی

سے پورا ڈالتی تھیں۔کبھی ناجائز بوجھ نہیں ڈالا۔لیکن ساتھ ساتھ ابا کو بڑے طریقے سے ذاتی کام کے لیے بھی اُبھارتیں خود بھی بہت دعائیں کرتیں اور اماں جان سے بھی کرواتیں۔خدا تعالیٰ سے ملنے والی بشارتوں سے حوصلہ بڑھاتیں غرض اس صبر، دُعا، توکل کا اجر خدا تعالیٰ نے بہت سی بشارات کے بعد ایسا دیا کہ ابا اپنی ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا۔ کہ میری آمد کے ذرائع والد صاحب کی آمد سے بھی بڑھ گئے۔بغیر کسی سرمایہ اور بغیر کسی امداد کے لاکھوں کی جائیداد بن گئی اور بہت سے ترقی کے سامان بھی بنتے چلے گئے۔۔۔۔۔

ؔ

۔۔۔۔۔ امی عزم و ہمت کا پیکر تھیں بڑے سے بڑے ابتلاء کا مردانہ وار مقابلہ کرتیں اتنے ناز و نعم اور لاڈ پیار میں اماں جان نے پالا بظاہر چھوٹا سا دل تھا لیکن کڑے وقت میں چٹان کی طرح مضبوط بن جاتیں۔خدا جانے اس وقت اتنی ہمت امی میں کہاں سے آجاتی۔ اکثر کہا کرتیں کہ دُعا اور تدبیر کو انتہا تک پہنچا دینا بندے کا کام ہے پھر اگر خدا کی طرف سے کوئی تقدیر نافذ ہوتی ہے تو اس پر راضی رہنا چاہیئے۔طبیعت میں حد درجہ کی خودداری تھی

کسی پر بوجھ بننا انتہائی شاق تھا۔۔۔۔۔

۞

۔۔۔۔۔ اولاد کے لیے بڑی شفیق ماں تھیں وفات کے بعد جو وصیت نکلی اس میں ایک ایک بچے کا انتہائی پیار سے ذکر کیا ہر بچے کی فرداً فرداً دلجوئی کی ہے اور ان کی خدمتوں کا اعتراف کیا ہے۔۔۔۔

۞

۔۔۔۔ پاکستان سے ہم صرف انگلستان کے ارادے سے چلے تھے، لیکن اس سفر میں خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بے شمار واقعات سامنے آتے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ایسے سامان پیدا فرماتا چلا گیا۔ کہ زیورک، ڈنمارک، ہالینڈ، جرمنی فرانس ہر جگہ جانے کا موقع ملا۔ فرانس کا سفر تو بھائی مظفر (صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب) کا مرہون منّت ہے۔ امی کی سیر کی خواہش دیکھ کر بھائی مظفر نے فرانس کی ایمبیسی میں اپنے ایک دوست جو ان دنوں انگلستان آئے ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ ہمارا پروگرام بنوایا۔ یہ دونوں میاں بیوی انتہائی شریف اور خاندانی لوگ تھے۔ امیّ کو انتہائی عزت و احترام سے اپنے گھر رکھا۔ پردے کا بھی پورا احترام کیا۔ ان کے گھر ان دنوں ان کی ایک اور عزیز بھی جو

رشتہ میں ان کی بھابی لگتی تھیں۔ ان کے میاں گورنمنٹ کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ شروع میں وہ شاید ہمیں جاہل اور اَن پڑھ سمجھ کر ہمارے بُرقعوں کو تضحیک کی نظر سے دیکھتیں۔ زیادہ مل جل کر بھی نہ رہتیں۔ خدا تعالیٰ کو شاید یہ کبر پسند نہ آیا۔ ایک دن ہم اکٹھے شاپنگ کے لیے گئے۔ پیرس کا بہت بڑا سٹور تھا۔ جانے سے پہلے ہماری میزبان نے بتایا۔ کہ آج کل الجیریا اور فرانس کا جھگڑا چل رہا ہے۔ اور بُرقع پوشوں کو خصوصاً الجیریا کا سمجھ کر تنگ کرتے ہیں۔ ہم سب سٹور میں پھرتے رہے اور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔ کچھ دیر بعد امّی کو ضعف محسوس ہوا۔ ہم دونوں اپنے میزبانوں کو بتا کر باہر آگئے۔ کافی وقت گذر گیا رات ہونے لگی اور وہ واپس نہ آتے۔ مَیں اور امّی بہت پریشان تھے۔ امّی کی طبیعت بھی بہت خراب تھی۔ خُدا خُدا کرکے وہ لوگ آتے نظر آئے۔ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ معذرت کی اور بتایا کہ بھابی جان سے بہت بُری ہوئی۔ سٹور سے نکلتے ہوئے ان کو روک لیا۔ اور ان کا بیگ چیک کیا۔ تو اس میں سے چند ایسی چیزیں نکلیں جن کی قیمت نہ ادا کی تھی بڑی مشکل سے ایمبیسی کے ذریعہ معاملہ رفع دفع کروایا۔ بھابی جان مصر تھیں کہ انہوں نے یہ چیزیں نہ ڈالی

تھیں اور ہمارے میزبانوں کا خیال تھا کہ الجیریا کا سمجھ کر سٹور والوں نے ان کو ذلیل کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد بھابی جان کے رویہ میں بھی زمین آسمان کا فرق پڑ گیا۔ یا تو بات کرنی گوارا نہ تھی۔ یا ہر وقت التفات برتتیں۔ جب بولنے لگیں تو بہت حیران ہوئیں کہ یہ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اپنے کمرے میں آکر امی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کس طرح اس نے محض اپنے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی کی عزت رکھی۔ ورنہ ہمارے بُرقعے تو زیادہ قابلِ گرفت تھے۔ خدا تعالیٰ کی اس تائید و نصرت کا اکثر ذکر فرماتیں۔ ہمارے میزبانوں پر بھی اس واقعہ کا خاص اثر تھا اور خدا تعالیٰ کی ہمارے ساتھ تائید کا احساس۔ سالوں تک ان میاں بیوی کے کارڈ امی کے پاس آتے رہے۔ وفات سے تین چار سال قبل امی لاہور آئی تھیں ان کا خاص طور پر نہ جانے کس طرح پتہ کرا کر ملنے آئیں۔ بیس پچیس سال گذرنے کے بعد بھی ملنے کے لیے آنا بتاتا ہے کہ ان لوگوں پر امی کی شخصیت کا گہرا اثر تھا۔۔۔۔

٭

پیاری پھوپھی جان ــــ "دُختِ کرام"

از محترم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی :

ہماری پھوپھی جان حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم بروز بدھ ۶ مئی ۱۹۸۷ء اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی ولادت سے قبل آپ کی پیدائش کی اطلاع فرمائی تھی اور نہایت درجہ شفقت اور عزت افزائی فرماتے ہوتے اپنے غلام کو مخاطب فرمایا تھا کہ "دُختِ کرام"۔

"تاریخ احمدیت میں حضرت امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ایک اہم مقام ہے، حضرت اقدس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں خدا تعالےٰ کی طرف سے عطا شدہ اس آسمانی نشان کو اپنی تصنیف "حقیقۃ الوحی" میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی نشانِ باری تعالیٰ کی صداقت کا ثبوت بن کر آپ کی ولادت باسعادت ۲۵ جون ۱۹۰۴ء میں ہوئی آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریت طیبہ میں سے سب سے چھوٹی تھیں اور پاک جوڑے کی آخری نشانی تھیں۔

گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف چار سال کی تھی مگر آپ اس کم سنی میں بھی فطری طور پر ودیعت شدہ قابلیتوں کی بناء پر بہت ذہین اور ہوش مند بچی تھیں۔ آپ کی اس فطری ذہانت اور ہوشمندی

کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے ایک مقام کی تفسیر کے بیان میں ہمیشہ ہمیش کے لیے زندۂ جاوید کر دیا ہے :۔

"حضرت عیسیٰؑ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مہد میں بولنے لگے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیدا ہوتے ہی یا دو چار مہینہ کے بولنے لگے اس سے یہ مطلب ہے کہ جب وہ دو چار برس کے ہوئے کیونکہ یہ وقت تو بچوں کا پنگھوڑوں میں کھیلنے کا ہوتا ہے اور ایسے بچے کے لیے باتیں کرنا کوئی تعجب انگیز امر نہیں۔ ہماری لڑکی امۃ الحفیظ بھی بڑی باتیں کرتی ہے۔"

(تفسیر آلِ عمران صفحہ ۳۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان ایک قرآنی صداقت کے اظہار کے علاوہ اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ آپ ایک محبت کرنے والے باپ تھے اور جیسے ہر محبت کرنے والا باپ اپنی اولاد کی بچپن کی حرکات اور خصوصیات کو قلبی محبت سے یاد رکھتا ہے اور ان کو بیان بھی کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ہماری پھوپھی کی خدا داد ذہانت اور ہوشمندی کو یاد رکھا اور اس کو ایک قرآنی آیت کی تفسیر میں بیان کر کے ہماری پھوپھی کو حیاتِ جاوداں بخشی۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو خادمہ نے آکر اطلاع دی کہ حضرت اماں جان فرماتی ہیں کہ امۃ الحفیظ رو رہی ہیں اور بضد ہیں کہ اپنے

ابا جان کے ساتھ باہر جانا ہے اس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس کو لے آؤ۔ چنانچہ خادمہ امۃ الحفیظ بیگم کو لے کر آئی تو آپ نے ان کو گود میں اُٹھالیا اور اپنی گود میں اُٹھاتے ہوتے سیر کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔

اس میں کیا شک ہے کہ بعض وجود اور مقامات برکاتِ خداوندی کے حامل ہوتے ہیں اور شعائر اللہ کا مقام رکھتے ہیں۔ ان کا قُرب حیات بخش ہوتا ہے اوران کی زندگی برکاتِ سماوی کا موجب۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات پر ایک عاشقِ خدا نے مرثیہ کہا تھا وہ مرثیہ یقیناً آپ پر صادق آتا تھا۔ مگر جماعت کے غم واندوہ اور حالیہ مصائب کے وقت میں اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت اس مرثیہ کی کامل مصداق ہماری پھوپھی جان ہیں تو یہ بات برحق اور درست ہوگی۔ اس نے کہا ؎

وَاَسَفا عَلیٰ فِرَاقِ قَوْمٍ ؛ هُمُ الْمَصَابِیْحُ وَالْحُصُوْنُ

ہائے افسوس ایسے لوگوں کی جُدائی پر ۔ جو کہ چراغ کی طرح روشن اور حفاظت کے قلعے تھے

وَالْمُدُنُ وَالْمُزْنُ وَالرَّوَاسِیْ ؛ وَالْخَیْرُ وَالْاَمْنُ وَالسُّکُوْنُ

ان سے شہر آباد تھے اور وہ بادل کی طرح بابرکت تھے ۔ وہ تمام خیر تھے اور امن اور سکون کا باعث تھے

لَمْ تَتَغَیَّرْ لَنَا اللَّیَالِیْ ؛ حَتّٰی تَوَفَّتْهُمُ الْمَنُوْنُ

جبتک وہ زندہ تھے ہمارے لیے زمانہ مشکلات نہیں لایا ۔ یہاں تک کہ اُن کی وفات ہوگئی

فَکُلُّ جَمْرٍ لَنَا قُلُوْبٌ ؛ وَکُلُّ مَاءٍ لَنَا عُیُوْنٌ

اب ہم آگ کی طرح اپنے دلوں کو محسوس کرتے ہیں ۔ اور ہماری آنکھیں بارش برسا رہی ہیں

آپ کی جدائی اور مفارقت ساری جماعت کے لیے ایک سانحہ عظیم ہے اور بے انتہا غم اور افسوس کا باعث۔ مگر ہم اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں وہی کہتے ہیں جو آپؐ نے اپنے پیارے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت خدا تعالیٰ کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ:

اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

یقیناً آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم وہی کہتے ہیں جس پر ہمارا رب راضی ہے گو اے ابراہیم یقیناً ہم تیرے فراق میں بہت غمزدہ ہیں ۔ ہم بھی حضرت سیدہ دُخت کرام امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی المناک وفات پر یہی عرض کرتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ ان کی ذات سے وابستہ جو حفاظت برکات اور محسنات تھیں ان کو ہم سے جدا نہ کرنا اور ان کے جانے کے بعد ہمیں مصائب و آلام اور مشکلات سے دوچار نہ ہونے دینا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھَا وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھَا

آمین ثم آمین

(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ مئی ۱۹۸۷ء)

٭

خط تحریر فرمودہ حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ بنام محترمہ صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ

نصرت آباد اسٹیٹ

فضل بھمبرو۔ سندھ

۲۲/۱۱/۵۵ میری پیاری بے جانی سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم!

چودہ سال پہلے آج ہی کے دن رات کو قریباً دس بجے ایک مُنّی سی چھ پاؤنڈ کی خوبصورت بچّی اپنی کنول سی آنکھیں کھولے کھٹ سے پلنگ پر آ پڑی تھی۔ اگر خالہ جان جھپٹ کر اُٹھا نہ لیتیں تو میرا خاصہ وزنی چابیوں کا گُچھا بچّی کا منہ چھیل ڈالتا۔ نو مہینے بائیس دن کی طویل علالت اور شدید خطرات کے بعد آئی بھی تو آندھی کی طرح آ گئی۔ ڈاکٹر اور نرس پہنچ بھی نہ پائے اور بے جانی خالہ جان کے ہاتھوں میں دُنیا میں آ پہنچی۔ آج تمہاری سالگرہ کا دن ہے۔ تار دیدیا ہے اور مجھے تم یاد آئیں تو میں خط لکھنے لگی۔ آج تم پورے چودہ برس کی ہو گئی ہو یعنی ہندوستانی لحاظ سے بچپن کی حدود پار کر چکی ہو۔ یہ اصل زندگی ہے جس میں تم نے قدم رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے پندرھویں سال کو تمہارے اور ہمارے لیے بیش از بیش برکات کا حامل بناتے۔ مگر پیاری بے بی جہاں یہ زمانہ خوبصورت اور دلکش ہے وہاں ذمہ داریوں سے بھرپور بھی ہے۔ پھولوں کے ساتھ ساتھ کانٹے بھی آئیں گے۔ جن کے لیے ذہن کو تیار رکھنا چاہیئے۔ اب جو بھی حاصل کر سکتی ہو تنگ و دو سے جلدی جلدی کر لو۔ عمل کا زمانہ

سر پر آپہنچا ہے۔ اب تم بے جانی نہیں رہی ہو دنیا کی نگاہیں اور سال بھر تک تمہیں عورت کا درجہ دے رہیں گی۔ میری چند نصیحتیں یاد رکھنا پھر کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھو گی۔ دُعا کو اپنا وطیرہ بنالو۔ کھانا۔ سونا۔ پہننا تمہاری زندگی کے لوازمات ہیں مگر ان سب میں پہلا درجہ دعا کو دینا جنہوں نے دُعا کی عادت کو اپنا لیا اُن نے سب ہی کچھ پالیا۔ تمہیں دین اور دنیا سب کچھ مل رہے گا بس یہ عادت نہ چھوڑنا۔ دنیا کے کسی انسان سے کوئی امید نہ رکھنا خواہ وہ ماں باپ ہوں یا شوہر۔ خدا تعالیٰ کی ذات پر پورا توکل اور وہی تمہارا واحد سہارا ہو۔ تیسری چیز یہ کہ مخلوق خدا سے محبت کرنا۔ کسی اللہ کے بندے کو تمہاری زبان یا تمہارے ہاتھ سے آزار نہ پہنچے۔ بس یہ تین باتیں اس سال کے لیے کافی ہیں۔ اپنے نیک نصیب ہونے کی دُعا تو ابھی سے شروع کردو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی کا اعلیٰ ترین ساتھی عطا فرماتے اور تمہیں اس کی بہترین رفیق بننے کی توفیق عطا ہو۔ آمین)

تمہارا خط بھی آج ملا تھا۔ دراصل اس سے تحریک ہوئی تمہیں خط لکھنے کی۔ تم خط بہت اچھا لکھتی ہو یعنی جیسا میں پسند کرتی ہوں۔ اب ہم انشاءاللہ پچیس کو یہاں سے چل رہے ہیں۔ ستائیس کو کسی گاڑی سے پہنچیں گے ابھی ریزرویشن نہیں ہوئی۔ بذریعہ تار وقت کی اطلاع دے دینگے۔ چچا میاں امید ہے لاہور آچکے ہونگے۔ ان سے میرا سلام کہدینا۔ موٹر ابھی نہیں ملی۔ بہتر ہی ہوگیا۔ میرا دل موٹر کے سفر سے ڈرتا تھا۔ میری طبیعت کل سے پھر اچھی ہو رہی ہے۔ میں کافی بیمار تھی۔ اب ٹھیک ہوں۔ فکر نہ کرو۔ شاما کا بے حد

خیال ہے اسے کہو پرہیز کرے - اچھا خدا حافظ
امۃ الحفیظ

حضرت سیدہ مرحومہ کے چند خطوط

حضرت سیدہ مرحومہ کی بڑی بیٹی محترمہ صاحبزادی آمنہ طیبہ بیگم صاحبہ نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ فوزیہ بیگم صاحبہ کے نام حضرت سیدہ مرحومہ کے بعض خطوط ارسال کرتے ہوئے لکھا کہ ان خطوط میں بعض باتیں ذاتی حالات سے وابستہ اور پرسنل ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں ان کی سیرت کے بعض پہلو نمایاں ہیں اس لیے ان خطوط کے اقتباسات بھیج رہی ہوں:-

(فوزیہ کو امی جان اور ابا جان اکثر بے بی کہتے تھے)

۲۴ راپریل ۱۹۶۸ء

"...... تم نے جا کر خط نہ لکھا مگر اس دفعہ میرا یہ حال رہا جیسے کہتے ہیں ہر وقت دل میں تار بجتی ہے ایک لمحہ کو تمہارا خیال نہ جاتا تھا۔ آخر میں نے تمہارے لیے دُعا شروع کی اور استغفار کیا کہ کہیں اتنی محبت نعوذ باللہ شرک نہ ہو جاتے اور تمہیں خدا نہ کرے کوئی نقصان پہنچے۔ مجھے تو تمہارا نام لیتے بھی

ڈر لگتا ہے کہ سب بچے اب کہیں بُرا نہ مانیں اور میرا مذاق نہ بن جاتے۔ تم دُعاؤں میں لگ جاؤ اور اپنی صحت کا بھی بہت خیال رکھو۔ مَیں تین جلدیں ملفوظات کی تمہیں کسی کے ہاتھ بھیجوں گی انہیں روز پڑھا کرنا۔"

*

۱۹؍ جولائی ۱۹۶۸ء

"کل بے حد انتظار کے بعد تمہارا خط ملا۔ اپنے وہم کا علاج کرو۔ انشاء اللہ تم بالکل ٹھیک رہو گی اوّل تو اکثر خواب ایسے ہی ہوتے ہیں اگر واقعی منذر بھی ہوں تو منذر خواب آجانا تو بہتر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بلائے ناگہانی سے بچاتے۔ خواب ٹلنے کے لیے ہوتے ہیں بعض وقت یا بعض سال انسان کے لیے بھاری ہوتا ہے۔ تقدیری چکر ہوتے ہیں اور وقتی ہوتے ہیں اس میں دُعا اور صدقے سے کام لینا چاہیئے۔ انشاء اللہ ساری بلائیں دُور ہو جائیں گی۔ مجھے بارہا زندگی میں ایسے خواب آتے مگر دُعاؤں کی وجہ سے بچ کر نکل جاتی رہی۔ گھرانا نہیں چاہیئے صدقِ دل اور کمال بھروسے سے دعا کرو۔ انشاء اللہ سب خیر ہی خیر ہے بھلا تمہیں خیال کیسے آیا کہ مجھے دعا کے لیے کہو۔ میری تو کوئی دُعا تمہاری دعا سے خالی نہیں بھائی جان (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب) کو بھی خاص طور پر

دُعا کے لیے لکھتی ۔ہا کرو۔ بار بار لکھو ایک دفعہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارا ایک خط رات باری نے دیا۔ جسے پڑھ کر بڑی تکلیف ہوئی میں نے تمہیں کئی دفعہ منع کیا ہے کہ ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ اگر فرض کرو میں قربانی بھی کروں تو میرے پر ذہنی بار قربانی والا نہیں بلکہ میری خوشی اس میں ہے مطلب تو یہ ہے کہ انسان کے جذبات مطمئن ہوں اور اپنی خوشی اور آزادی سے جو چاہے کرے جب میری خوشی اس صورت میں ہے تو کسی تو کیا اعتراض۔کوئی ذات پر فضول خرچی کرکے مطمئن یا خوش ہوتا ہے میں دوسروں کو دے کر اس سے بڑھ کر خوشی حاصل کرتی ہوں بات تو ایک ہی ہوگئی ۔۔۔۔''

☆

۱۸ر جولائی ۱۹۶۹ء

''۔۔۔۔ تمہیں جس چیز کی کمی ہو اس کا کبھی نہ سوچنا بلکہ جو میسر ہے اسے ENJOY کرو۔ دل خوش رکھو۔جو وقت تفریح کا ملے اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔۔۔۔''

☆

۱۴ر جون ۱۹۷۰ء

''میری پیاری بے بی۔ السلام علیکم۔ کل ڈاک سے ایک خط لکھ چکی ہوں صبح چھبتو اور امتی جا رہے ہیں وہ

دستی دے دیں گے۔ شامی کو انشاء اللہ خیر رہے گی یہ بخار کسی اور وجہ سے ہے اُسے سمجھاؤ گھبراؤ نہیں یہ ابتلاء انسان کی اصلاح اور بہتری کے لیے آتے ہیں۔ نوکری بھی چلی جائے تو پھر بھی فکر نہ کرے انشاء اللہ اس سے بہتر سامان ہو جائیگا لیٹے بیٹھے دُعائیں پڑھتا رہے اور صدقوں سے اللہ پر توکل کرے اُسے قادر مطلق جان کر، تو وہ انسان کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اپنا دل نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ یہ ایمانی کمزوری ہے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے سن رہا ہے گھبرانے کی کیا بات ہے تمہارے ابا تو مجھے تسلیاں دیا کرتے تھے۔ مرد ہے اپنا دل مضبوط کرے اس طرح تو دل پر خدا نہ کرے بُرا اثر نہ پڑ جائے اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو اس (شامی) کے سامنے کوئی پریشان چہرہ نہ بنائے نہ پریشان بات کرے معمولی باتیں بھی نہ ہونا چاہئیں۔ ہلکی ہنسی مذاق کی باتیں ہوں دُعاؤں کی کتاب دے دو خود بھی پڑھو اسے بھی پڑھاؤ۔ صدقہ ضرور کرتی رہو۔ میں بھی کر رہی ہوں۔۔۔"

٭

۲۲، نومبر ۱۹۷۰ء

"میری پیاری بے بی۔ السلام علیکم سالگرہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ زندگی کا نیا سال ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔

نئے گھر میں چلی گئی ہو گی۔ بہت دُعائیں کرو۔اب آزمائش
اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضلوں کے ساتھ ختم ہو یہ سالِ گذشتہ
تو تم پر اور طاہرہ پر بہت بھاری گذرا پر الحمدللہ کہ انجام
بخیر ہوتے تکلیف کے وقت آ کر گذر جائیں تو یاد بھی نہیں
رہتا۔خالہ جان (حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) کو
پھر ایک درد ناک سا خط اپنے ہاتھ سے لکھ دو تمہارے
خط سے بہت اثر لیتی ہیں رات بھی تمہیں یاد کر رہی تھیں کہتی
تھیں" وہ دُعا کو کہتی ہے تو میرے دل سے دُعا نکلتی ہے۔"
کبھی چھوٹا سا تحفہ خواہ کھانے پینے کی چیز ہو ضرور بھجوا
دیا کرو۔شہد۔پنیر۔بیکری کی چیزوں کا ڈبہ بنوا کر۔پانچ
سات روپے کی چیز ہو۔مگر تحفہ دینے والے کے لیے دُعائیں
بہت تحریک ہوتی ہے ۔۔۔۔"

ش

۳۰ رمئی ۱۹۷۵ء

"میری پیاری بے بی! تمہاری صحت کا اتنا فکر ہے کہ تم
اندازہ نہیں کر سکتیں میں تمہیں روکتی تھی کہ فکر نہ کرو کسی کا کچھ
نہیں بگڑتا۔اپنی صحت برباد ہوتی ہے لا پروا اور خوش
رہنے کی پریکٹس کرو۔صرف عادت پر منحصر ہے مجھ پر کیسے
کیسے وقت نہیں آتے مگر بفضلِ تعالیٰ ہنس کر گذار لیے اب

بھی دیکھو کہ زکیہ (انکے میاں فوج سے ریٹائر ہو کر واپس آرہے تھے۔امی جان ان کی کوٹھی میں رہ رہی تھیں ابھی ان کی کوٹھی نہیں بنی تھی اور ان کا گھر ضرورت کے لحاظ سے ناکافی تھا) کے آنے کی وجہ سے کتنی پریشانی ہو گی مگر اللہ جانتا ہے میں نے ٹھان لی ہے کہ انشاء اللہ جیسے بھی حالات ہوتے مقابلہ کروں گی صرف اللہ پر توکل کرتے ہوئے۔تمہیں بالکل نہ توکل ہے نہ ایمان ہے جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔انسان صرف دُعا کرے اور پھر کشتی اللہ کے سہارے پانی میں چھوڑ دے۔۔۔"

✼

۳۰ راکتوبر ۱۹۷۵ء

"میری پیاری بے بی! چھوٹی چھوٹی باتوں کا احساس چھوڑ دو۔زندگی میں جو گھڑی خوشی کی ملے اس سے فائدہ اُٹھاؤ اس طرح صحت گر جاتی ہے۔بیماریاں آتی ہی رہتی ہیں۔تمہارے ابّا تیرہ سال پڑے رہے۔میں نے تو ان دنوں کو بھی ENJOY کیا تھا۔ وہ بھی ایک زندگی بنا لی تھی کتابیں پڑھتی۔دُعاؤں کے خطوط لکھتی یا ہم دونوں باتیں کرتے رہتے یا پھر تم سے اور مصطفیٰ سے دل بہلاتے۔باوجود مالی تنگی کے وہ وقت بھی ہنس کر گذار لیا۔ہسپتال میں مریضوں سے دلچسپی لینے لگتی چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھ کر سوچتی کہ یہ کیا سوچ رہے ہونگے

کیا حالات ہیں ان کے۔ غرض اپنے آپ کو جیسا وقت ملا ڈھال لیا تم پر اور نشامی پر افسردگی اور غم طاری رہتا ہے۔ یہ بُری بات ہے۔ ناشکری ہے توکّل کے خلاف ہے۔ اپنے سے کمزور کو دیکھو۔ اللہ نے تمہیں اتنی پیاری بچیاں دی ہیں انہیں پڑھاؤ۔ تربیت کرو۔۔۔۔۔ اپنا حوصلہ بلند کرو۔ اپنے میں اعتماد پیدا کرو۔ یہی گُر ہے دُنیا میں رہنے کا۔ بس دُعا نہ چھوڑو اللہ سے رشتہ جوڑ لو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

ث

۹ / مارچ ۱۹۷۶ء

" میری پیاری بے بی! السلام علیکم! کل تمہارا اور سعدیہ کا خط ملا۔ مَیں نے سعدیہ کے لیے بہت دُعا کی۔ بے چاری اتنی سی بچّی نے خود صحت کے لیے دُعا کا لکھا ہے۔ تمہیں وہم ہے اور یہ وہم قدرتی ہے۔ تمہارا بھی قصور نہیں۔ تم نے آنکھ کھولتے ہی دھڑکے والی بیماری (ابا جان کا ہارٹ اٹیک) دیکھی۔ شادی کے بعد پھر وہی سلسلہ۔ مگر حتی الوسع وہم دُور کرو اور توجہ ہٹاؤ۔ تمہارے اپنے ابّا والی خواب کی تعبیر اتنی واضح ہے۔ حیران ہوں اچھی بھلی عقل والی ہو کہ تمہیں سمجھ نہیں آتی۔ اس کا مطلب دُعا ہے بس کچھ نہ کرو۔ دُعا کرو۔ صدقہ بے شک ردّ بلا کرتا ہے مگر دُعا جیسی کوئی چیز نہیں۔ صدقہ

دے کر بے فکر ہو جانا اور یہ خیال کرنا کہ اب دوسرے دُعا
کریں گے غلط ہے۔ جو دُعا خود اپنی ہوتی ہے وہ کسی کی نہیں
ہوتی۔ اپنی حالت پر اضطراب پیدا ہوتا ہے اور یہی بات
قبولیت دُعا کا موجب ہوتی ہے قرآن شریف میں ہے کہ
"میں مضطر کی دُعا سنتا ہوں" یہی دن دُعا کرنے کے ہیں۔
پہلے پہل دل نہ لگے گا۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں گھبراہٹ
میں دعا نہیں کر سکتا۔ مگر زبردستی کمرہ بند کر کے نفلوں کی
نیّت باندھ کر دُعا شروع کر دو۔ پھر دیکھو خود بخود دُعا
نکلنی شروع ہو جائے گی دو نفل تو دس بجے دن اور
دو یا چار نفل تہجّد کے پڑھ کے تو دیکھو اللّٰہ تعالیٰ کیسا فضل
کرتا ہے۔ جب بندہ مانگے ہی نہ تو وہ کیوں دے۔ بیشک
اس کی صفت "رحمان" ہے اور جو کچھ تمہیں مل رہا ہے
اسی صفت کے ماتحت ہے۔ مگر رحیم بھی تو ہے۔ یہ صفت
کوشش چاہتی ہے۔ تم غافل بہت ہو گئی ہو اپنی اصلاح
کرو۔ پھر دیکھو کہ قدرت کا کیسا ظہور نظر آتا ہے۔ تمہاری
خالہ جان تمہارے لیے بہت دُعا کرتی ہیں ان کو پھر ضرور خط
لکھو کہتی تھیں۔ "ہر وقت دُعا اس کے لیے کرتی ہوں رات
دو نفل بھی لیٹے لیٹے پڑھ لیتی ہوں۔ نفلوں میں بھی شکو
سامنے آجاتی ہے"۔ آج ہی خط لکھو تاکہ اور تحریک ہو۔۔۔"

۹ر مارچ ۱۹۷۶ء

"میری پیاری عصمت (میری بیٹی سعدیہ کا دوسرا نام ہے)
تمہارے خط سے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ تمہیں صحت والی
لمبی عمر دے۔ نیک نصیب ہو۔ بخت برتر ملے۔ اچھا میاں
اچھا گھر ملے۔ اور دین و دُنیا کا علم حاصل کر کے دین کی خدمت
کرو۔ ماں باپ کی کمزوریوں کی تلافی کرنے والی بنو۔ نماز باقاعدہ
پڑھا کرو۔ اور بہت دُعائیں کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ابّا
امّی کو صحت والی عمر عطا کرے ان کی سُستیاں دُور ہوں
وہ بھی دُعا کریں۔ قرآن کریم بھی روز پڑھا کرو۔ اپنی بہنوں کے
لیے بھی بہت دُعا کیا کرو۔

آپا لیلیٰ اور زہرہ تمہارے پیار سلام سے بہت خوش
ہوتیں۔ تم سب کو پیار کہتی ہیں تمہارا امتحان نہ ہوتا تو تم سب
کو یہاں بُلا لیتی۔ بہت دُعائیں کرو۔ اللہ اپنا فضل کرے۔ ابّا
کی ترقی ہو اور صحت رہے۔ تمہاری بڑی امّی"

☆

یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء

"پیاری بے بی۔ اگر تم مجھے خوش رکھنا چاہتی ہو تو بُرقعہ
کا پردہ کرو بازار سے پسند کا کپڑا فلیٹ وغیرہ آج ہی
لے لو اور بُرقعہ برکت سے سلوا لو۔ سارا بل کپڑا سلائی بُن

دوں گی یہ فکر نہ کرنا نہ بھی ہو تو میں نے ضرور دینا ہے اتنی سی بات ہے لوگ ماں باپ کے لیے کیا نہیں کرتے۔ تم اتنی سی قربانی نہیں کر سکتیں جس سے ماں باپ خوش۔ خدا خوش۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خوش ہوں جماعت اعتراض سے بچے گی۔ لوگ کچھ کرتے پھریں۔ تمہارا اور ان کا مرتبہ ایک نہیں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا رتبہ دیا ہے کہ سارا دن شکر ادا کرو اور نفل پڑھو تب بھی شکر ادا نہ کر سکو گی۔ یہ دنیا چند دنوں کا کھیل تماشا ہے تمہارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ گذرا ہے اب تمہیں دنیا سے زیادہ دین پر توجہ چاہیئے۔ اپنا نمونہ ایسا بناؤ کہ تمہاری معصوم بچیاں اور ان کے شوہر مرتے دم تک تمہیں دعائیں دیں۔ اب تو تم ہی ماں ہو باپ ہو۔ یہ بچیاں تمہارے پاس امانت ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک توفیق دے۔ آمین۔"

(نوٹ:۔ یہ پہلے چادر سے پردہ کرتی تھیں۔ اس لیے توجہ دلائی گئی)

(ماہنامہ مصباح ربوہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

حضرت سیدہ "دُختِ کرامؓ" کے تین نادر خطوط

مکرم سید میر مسعود احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم نے حضرت سیدہ دختِ کرام کے تین نادر خطوط ارسال فرمائے ہیں۔ جو علی الترتیب حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم، حضرت سیدہ اُمّ داؤد صاحبہ بیگم حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مکرم سید میر مسعود احمد صاحب کے نام لکھے گئے ان ہر سہ خطوط کا عکس اور متن ذیل میں دیا جا رہا ہے :۔

(۱)

پہلا خط حضرت سیدہ مرحومہ نے اپنے چھوٹے ماموں حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم کو سرینگر کشمیر سے لکھا تھا۔ یہ غالباً ۱۹۲۹ء میں لکھا گیا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی کشمیر تشریف لے گئے ہوتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم معظم جناب ماموں صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' !

عزیزہ نصیرہ بیگم کے اچھے نمبروں پر پاس ہونے کی بے حد خوشی ہوئی میری طرف سے مبارکباد قبول کیجئے عزیزہ کو مبارکباد کہہ دیجئے۔ اب تو شاید ممانی صاحبہ اور نصیرہ بیگم انٹرنس کی تیاری میں مصروف ہونگی۔ میرا ارادہ بھی

انٹرنس کا تھا۔ پرسات ماہ میں تیاری کرنا مجھے تو بہت دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ اغلباً دوسرے سال دونگی۔ امید ہے آپ اور ممانی صاحبہ و بچگان بالکل بخیر یت ہونگے۔ قادیان میں تو گرمی بہت ہوگی کیونکہ سری نگر بھی کافی سے زیادہ گرم ہے۔ میری طرف سے مکرمہ نانی اماں صاحبہ و ممانی صاحبہ کو سلام کہہ دیجئے۔ بچوں کو پیار خصوصاً مسعود کو وہ مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔ نصیرہ بیگم کو بھی سلام کہہ دیں۔ منصورہ بھی ان کو اور آپ کو سلام کے بعد مبارکباد کہتی ہیں۔

والسلام

خاکسارہ

امۃ الحفیظ

(۲)

یہ دوسرا خط حضرت دختِ کرام نے اپنی چھوٹی ممانی حضرت سیدہ اُمّ داؤد صاحبہ بیگم حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم کو ۲۵ ؍جون ۱۹۳۹ء کو قادیان سے لکھا:

دارالسلام قادیان
۲۵ رجون ۱۹۳۹ء

مکرمہ ممانی صاحبہ سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ! پرسوں آپ کا خط ملا۔ طبیعت گرمی کی وجہ سے کچھ خراب تھی۔ اس سے پہلے جواب نہ دے سکی۔

یوں تو میں کیا اور میری دُعائیں کیا۔ اپنی کمزوریوں سے خود ہی واقف ہوں مگر چونکہ آپ نے بھی محبت ہی کی بناء پر دُعاتے خاص کے لیے لکھا ہے اس لیے یہ بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ مجھے آج سے نہیں بلکہ بہت بچپن کی عمر سے ہی چھوٹے ماموں جان ان کی اولاد اور ان کی بیوی سے خاص طور پر زیادہ محبت ہے۔ سب عزیزوں کے لیے ہی میرے دل میں محبت کا جذبہ بہت زیادہ ہے مگر بعض سے خاص تعلق ہے گو میری "کم زبانی" یا "کم نصیبی" سے کسی کو میری محبت کا ایسا یقین نہیں یا ہوتا بھی ہے تو وہ تاثیر سے خالی ہے بہرحال میرا دل محبت سے لبریز ہے اس محبت کی وجہ سے طاقت کے مطابق دُعا بھی کرتی ہوں اور آپ کے لیے تو میں ہمیشہ ہی زیادہ دُعا کرتی ہوں اب انشاء اللہ جیسا کہ آپ نے کہا ہے خاص طور حسب توفیق دُعا شروع کر دوں گی مگر مَیں تہجد گزار نہیں ہوں اس کا مجھے خود بھی افسوس ہے کبھی کبھی پڑھا کرتی ہوں

نیند بہت آتی ہے۔ پانچ نمازیں بھی وقت سے ادا ہو جائیں تو
خدا کا شکر ادا کرتی ہوں۔ آپ یہ دُعا کریں کہ مجھے دُعا اور نماز کی
خاص توفیق ملے اور اللہ تعالیٰ میری سُستیوں کو دُور فرمائے
(آمین)

آپ بھی میرے لیے بہت سی دُعا کریں۔ نصیرہ بیگم اور
سب لڑکیاں بچے۔ اُمید ہے خیریت سے ہونگے۔

فقط

امۃ الحفیظ

(۳)

تیسرا خط حضرت دختِ کرام نے مکرم سیّد میر مسعود احمد صاحب کو
۲۲ مارچ ۱۹۵۹ء کو لاہور سے رقم فرمایا:۔

۱۰۸ ایسی
ماڈل ٹاؤن لاہور

۲۲.۳.۵۹ عزیزم مسعود احمد سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم!

تمہارے کئی خط ملے مگر افسوس ہے پہلے باوجود دل چاہنے کے
بھی جواب نہ دے سکی پہلے تو شادی کے بعد کی مصروفیت۔
مہمان داری۔ کام کاج۔ گھر سنبھالنا ہی بیٹھنا مشکل رہا۔ بعد

میں مجھے ایسی دل گھبرانے کی مرض ہوئی جس نے باقاعدہ بیماری کی صورت اختیار کرلی۔ ادھر قدسیہ کی پریشانی رہی۔ خدا خدا کرکے اس کی خیریت کی خبر ملی ہے تو میری جان میں جان آئی۔ تمہارے لیے دُعا تو ہمیشہ ہی کرتی ہوں اب اَور بھی زیادہ خصوصیت سے انشاء اللہ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر شعبہ میں تمہارا حافظ ہو۔ خود ہی کفیل ہو خود نگران۔ کبھی کسی کے محتاج نہ ہو اور کبھی کسی پر بار نہ رہو۔ دینی دنیاوی ترقیاں اللہ تعالیٰ شب و روز دیتا چلا جائے۔ آمین

تم میرے بہت ہی پیارے ماموں اور ممانی کی اولاد ہو۔ میں نہیں کس طرح بھلا سکتی ہوں۔

اچھا خدا حافظ۔ تم بھی رمضان میں خصوصیت سے ہم سب کے لیے دعا کرنا جوان صالح کی عبادت کی طرح دُعا بھی بہت قبول ہوتی ہے۔

امۃ الحفیظ

آہ میری پیاری چچی جان

از محترمہ بیگم سلمٰی اظہر محمود صاحب لاہور

حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شخصیت میں معتبر ٹھہراؤ سنجیدگی۔ پوری بات کو غور سے سُننا۔ انتہائی شفقت اور متانت سے پیش آنا۔ مہمان نوازی۔ تمام ملنے والوں کے حالات سے واقفیت رکھنا اور ان کی چھوٹی چھوٹی چیزوں اور تبدیلیوں کی گہرائی انتہائی منفرد انداز میں تعریف کرنا۔ غرباء کی بہتری کے بارہ میں فکرمند رہنا اور مدد کے مواقع نکالنا اور اس طرح کے کئی اور اوصاف حمیدہ پائے جاتے تھے۔

حضرت سیّدہ مرحومہ میرے والد میجر بشیر احمد خان صاحب ولد کرنل اوصاف علی خان صاحب کے سگے پھوپھی زاد بھائی نواب محمد عبداللہ خان صاحب پسر نواب محمد علی خان صاحب آف مالیرکوٹلہ کی زوجہ مبارکہ تھیں اسی نسبت اور پیار کی وجہ سے میں آپ کو چچی جان کہا کرتی تھی۔

۱۹۶۵ء میں ہمیں ربوہ قیام کا موقع ملا۔ قریبی تعلق کی وجہ سے اکثر چچی جان کے حضور حاضر ہونے کا موقع ملتا۔ ہر ملاقات ایک یادگار یادیں چھوڑ جاتی تھی۔ میرے نانا جان مرحوم خان عبدالمجید خان صاحب آف کپورتھلہ کی تربیت کی وجہ سے میں نے بزرگوں کی خدمت کر کے ان سے دُعا کی درخواست کرنے کا طریق سیکھا تھا۔ اسی طرح جب چچی جان کی خدمت

میں حاضر ہوتی تو ایک کیفیت سی طاری ہو جاتی کہ یہ شخصیت جو آج ہمارے سامنے موجود ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں اور خدا نے مجھے نسبت دی ہے اور خدمت کا موقع فراہم کیا ہے تو کیوں نہ میں اس موقع کا بھرپور فائدہ اُٹھاؤں اسی لالچ میں چچی جان کی خدمت میں پیش پیش رہنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ چچی جان تمام ملنے والوں سے اس قدر شفقت اور پیار فرماتیں اور ذاتی توجہ فرماتی تھیں کہ ہر شخص کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ صرف اسی کا خاصہ ہے۔ عزیزداری اور قرابت کی وجہ سے آپ خاص توجہ محبت اور انتہا درجہ کی شفقت فرماتی تھیں۔ آپ کی ذات حد درجہ مہمان نواز تھی جب میں اپنے والدین اور بھائیوں وغیرہ کے ساتھ جاتی۔ تو جاتے آنے پر نہایت بے تکلف اور پُرتپاک انداز سے پیش آتیں اور اکثر اوقات مجھ سے اور بھائیوں سے بہت ہی شفقت اور پیار سے فرماتیں کہ یہ باقی خشک میوہ یا پھل اپنی جیبوں میں ڈال لو اور راستہ میں کھاتے جانا۔ جو کہ ہم سب کو بہت ہی بھلا لگتا تھا میں چھوٹی چھوٹی باتوں تک کے لیے چچی جان سے دُعا کے لیے کہا کرتی تھی کہ چچی جان منہ پر دانے نکل آتے ہیں دُعا کریں یا معدہ خراب ہے آپ دُعا کریں۔ تو پیاری چچی جان اکثر مفید نسخوں اور مشوروں سے نوازتیں اور ساتھ ہی دُعا کے لیے اثبات میں جواب دیتیں۔

صاحبزادی بی بی فوزیہ کی شادی طے ہونے پر حضرت چچی جان نے ازخود حکم فرمایا کہ تم فوزیہ کے کپڑوں کی تیاری میں مدد کرو اور اس طرح مجھے حضرت چچی جان سے دُعائیں حاصل کرنے کا بڑا موقع ملا۔ کیونکہ میں نے مالیر کوٹلہ طرز ن

کڑھائی سلائی اور خاص طرز کی چیزیں بنا کر چچی جان سے دُعائیں حاصل کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔

کچھ عرصہ میرے معدہ میں سوزش رہی ایک روز کا واقعہ ہے کہ دوپہر کا کھانا لیے ایک خادمہ حاضر ہوئی تمام بچیاں جو بیٹھی تھیں ان کو فرمایا کہ جاؤ اور جاکر اپنا کھانا کھاؤ مگر مجھے آواز دیکر روک لیا اس پر ایک بچی نے جرأت کر کے کہا کہ بڑی امی آپ ہم سب کو بھیج رہی ہیں اور سلمیٰ کو روک لیا ہے اس کی کیا وجہ ہے ہم بھی آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے اس پر آپ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ اس کے معدہ میں سوزش ہے اور یہ بھی پرہیزی کھانا کھاتی ہے اس لیے یہ میرے ساتھ کھانا کھاتے گی۔

ایک مرتبہ حضرت چچی جان چند ماہ لنڈن میں قیام کے بعد واپس ربوہ تشریف لائیں تو میں نے اپنی بیماری کے لیے دُعا کی درخواست کی تو آپ نے بڑے پیار اور شفقت سے جواب دیا۔ کہ اب تم کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے تو تمہارے بارے میں دُعا کرنے کا حکم مل چکا ہے اور میں خود ہی تمہارے لیے دُعا کر رہی ہوں میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ حکم اور آپ کو۔ آپ انگلینڈ میں تھیں اور حالات میں نے آپ کو اپنے اب بتلاتے ہیں۔ کوئی خط نہیں لکھا اس پر آپ نے فرمایا کہ تم ایک بار انگلینڈ میں مجھے خواب میں دکھائی دیں واپسی پر لاہور میں ۱۰۸ اسی ماڈل ٹاؤن ٹھہری تو پھر خواب میں دکھائی دیں اور ایک رُعب دار آواز نے کہا کہ جس شخص کو خواب میں دکھایا جاتے اس کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ سو اب تم کہو نہ کہو۔ میں تمہارے لیے دُعا کرتی رہتی ہوں۔ اس کے

بعد میں نے محسوس کیا کہ قرابت اور عزیزداری کے علاوہ چچی جان سے ایک ایسا رُوحانی تعلق پیدا ہو گیا کہ جب حالات سے پریشانی لاحق ہوتی۔ اور میں حضرت چچی جان سے دور ہوتی تو رات دعا کر کے سونے پر اکثر دیشتر حضرت چچی جان کو خواب میں دیکھتی اسی طرح ایک گوناں گوں سکون ملتا اور پریشانی کا خاتمہ ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم کے ساتھ حضرت چچی جان کے درجات بلند فرماتے اور ہمیں آپ کے فیوض و برکات سے کماحقہ، متمتع ہونے کی توفیق عطا فرماتے۔ آمین

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

٭

دیدہ وَر

(از محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ)

بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنہوں نے نرگس کا پُھول دیکھا ہو گا۔ اور اگر دیکھا بھی ہو گا تو گلدانوں میں سجا ہوا یا پُھولوں کی دکان پر۔ ٹہنی پر لگا۔ کسی چمن میں۔ کسی جنگل میں۔ کسی خود رو سبزہ کے آس پاس نہ دیکھا ہو گا۔ اس طرح کہ آنکھیں بند ہوتے ہوئے بھی آپ اس کی خوشبو کو محسوس کر لیں پہچان جائیں کہ آپ کے آس پاس ضرور کہیں نرگس کا پھول ہے۔ حضرت سیّدہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو جب میں نے پہلی بار دیکھا تو محسوس کیا تھا کہ یہ نرگس کا پُھول ہے

——"دیدہ ور"۔ اپنے اندر ایک خاص خوشبو رچائے ہوتے۔ جو اپنی موجودگی منوا لیتا ہے۔ جب وہ مجھے دیکھتی تھیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ مجھے میرے اندر سے دیکھ رہی ہیں۔ زبان سے ان کے سامنے جھوٹ بولنے کی طاقت سلب ہو جاتی تھی۔ ان کے پاس جاکر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے چاندنی رات میں ساحلِ سمندر پر ننگے پیر چل رہی ہوں۔ سمندر کے کنارے شور ہوتا ہے اور چاندنی رات میں جوار بھاٹا ہوتا ہے وہاں مجھے خاموشی اور سکون محسوس ہوتا تھا۔ لہریں تو اُٹھتی تھیں، لیکن ساحلوں کو سیراب کرنے کے لیے —— میرے لیے اس عظیم ہستی کے قرب کا احساس ہی بہت کافی تھا۔

مَیں کیسے دیکھتی کہ وہ کیا ہیں۔ ان کے تصوّر کے ساتھ جگنو۔ سبزہ روشنی۔ پھوّار اور پھُول ہی وابستہ تھے۔ وہ ہم سب کے لیے تھیں ہی اتنی عظیم۔ مکرم و محترم۔ ان کا مقام میری نظر میں ہی نہیں سب اہلِ جماعت کے لیے بہت ہی اُونچا ہے۔ وہ اس شخص کی اولاد میں سے سب سے چھوٹی تھیں جس کے نقشِ قدم پر چل کر ہم نے احمدیت ایسی نعمت حاصل کی ہے یہ اولاد سب کی سب موتیوں میں تولے جانے کے لائق تھی

مَیں اب عمر کے ایسے حصّے میں ہوں جب دل و نگاہ نوادرات و جواہرات کی قدر کرنا سیکھتے ہیں۔ میری نگاہوں نے جن مناظر کی عکس بندی کی ہے وہ معدودے چند ہیں آیئے انہیں آپ بھی میرے ساتھ دیکھئے۔

میرے بچوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ سب سیّدہ موصوفہ سے شرفِ

ملاقات حاصل کرنا چاہتے ہیں آپ کی طبیعت ان دنوں کافی ناساز تھی مجھے پوچھنے
میں جھجک تھی ڈرتے ڈرتے اس خواہش کا ذکر ان سے کیا بہ کمال مہربانی مجھے
اجازت دے دی۔ بچے بھی ساتھ لے گئی تھی فوراً اندر بلایا — ایک ایک بچے
سے ہاتھ ملایا۔ ان سے ان کے نام پوچھے کوائف دریافت کیے۔ میری بیٹی کو
کہنے لگیں "تم پر گئی لگتی ہے یہ ڈاکٹر بنے گی انشاءاللہ"۔ بڑے بیٹے سے پوچھا
"تم بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہو"۔ اس نے کہا میں فوج میں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔
"فوج والے ہماری قدر نہیں کرتے"۔ میرے بیٹے نے کہا کہ "ہو سکتا ہے کہ
جب تک میں بڑا ہوں حالات تبدیل ہو جائیں"۔ فرمایا۔ "خدا کرے"۔ پھر
سب بچوں کو JELLY کی ٹافیاں دے کر رخصت کیا۔ بچے آج تک ان
کے نرم و نازک ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
آج تک ہم نے ایسے ہاتھ کبھی نہیں چھوئے۔

حیا اور پاکیزگی کا اتنا خیال تھا کہ میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھا۔
جب بھی ان کے پاس بیماری میں انہیں دیکھنے گئی۔ اشد مجبوری کی حالت
کے علاوہ کبھی معائنہ کے لیے راضی نہ ہوتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں۔ نرس
کے طور پر صرف حلیم کو لایا کرو۔ نرس بدل کر ساتھ نہ لانا۔ مجھے حجاب محسوس
ہوتا ہے اس لیے آخر دم تک کبھی لیڈی ڈاکٹر بدلنے کے لیے تیار نہ ہوتیں فرمایا
کرتی تھیں مجھے حجاب محسوس ہوتا ہے میں ڈاکٹر نہیں بدل سکتی۔

دوسروں کی تکلیف کا اتنا احساس ہوتا تھا کہ مجھے فرماتی تھیں کہ "ایسے
وقت مجھے دیکھنے آؤ جب دوسرے مریضوں کا حرج نہ ہو"۔ اکثر فرماتیں "دیکھو

مجھے دیکھنے آؤ تو کسی زچگی کے مریض کو چھوڑ کر نہ آنا" جب میں جاتی تو دریافت فرماتیں "زیادہ مریض تو نہیں تھے" فرماتیں۔ "مجھے خیال ہوتا ہے کہ مریضوں کو میری وجہ سے تکلیف نہ ہو مجھے فرصت کے وقت دیکھنے آنا" - اگر مجھے کبھی جلدی ہوتی تو بھانپ جاتیں اور کہتیں۔ "لگتا ہے کافی مریض چھوڑ کر آئی ہو" میں بتاتی کہ کون کیسی ہے تو دوسری بار اس کا حال ضرور دریافت فرماتیں کبھی نہ بھولتیں قبولیت دعا کے کئی نشان آپ کی ذات سے وابستہ ہیں:۔

میرے بھائی حشمت کو کینسر تھا۔ میں نے ذکر کیا۔ دُعا کی درخواست کی فرمایا فکر نہ کرو بالکل ٹھیک ہو جائے گا مجھے معالج ہونے کی حیثیت سے ڈر زیادہ تھا۔ مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کی بات سچ نکلی۔

میرے بھائی نعمت کی نوکری نہ تھی وہ پریشان تھا دُعا کے لیے میں نے اور حلیم بھائی نے عرض کی دُعا کے بعد فرمایا" اسے بہت اچھی نوکری بہت جلد مل جائے گی انشاء اللہ لیکن اسے کہنا دل لگا کر کام کرے نوکری کر کے چھوڑے نہ"۔ اسے بہت جلد اچھی نوکری مل گئی، لیکن کچھ عرصہ کرنے کے بعد اس نے چھوڑ دی کیونکہ بقول اس کے بچوں کے بغیر وہاں اسلام آباد میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔

ایسے لوگ جب ہم سے جدا ہوتے ہیں تو لگتا ہے وقت کی رفتار تھم گئی ہے۔ ہم گھبرا جاتے ہیں کہ عظیم ہستی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی، لیکن ایسا نہیں ہوتا اگر ہم نے زندگیوں میں ان ہستیوں سے خلوص و عقیدت کا رابطہ اور واسطہ رکھا ہو تو ان کے پرتو کی شعاعیں X - RAY کی طرح ہر دم منعکس ہو کر ہمارے شعورِ زندگی کو ہم پر واضح کرتی رہتی ہیں اور ہم اپنے اندر چھپی ہوئی آلودگی اور

تعفن سے پاک رہنے کی سعی کر سکتے ہیں، لیکن یہ سعادت بھی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ (ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

ٹ

الوداع ! دُختِ کرام

از محترم مولانا غلام باری صاحب سیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لختِ جگر، حضرت اماں جان کی نُورِ نظر جسے خداوند کریم نے دُختِ کرام کے لقب سے نوازا۔ جن کی جبینِ مبارک سے پیارے آقا کے لب مبارک مس ہوتے۔ جو حضرت اماں جان کی گود میں پلیں۔ دارالامان میں پروان چڑھیں۔ ۶ مئی ۱۹۸۷ء کو اس دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں۔ لاکھوں کو سوگوار کر کے اپنے آسمانی آقا کے حضور حاضر ہو گئیں۔ دُنیا کی ہر شے فانی ہے کسی کو دوام نہیں ایک خدا کی ذات ہے جو حی و قیوم ہے اسے فنا نہیں ؏

سب موت کا شکار ہیں اس کو فنا نہیں

اے اللہ ! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریتِ طیبہ کی آخری نشانی تیرے حوالے۔ ان کا وجود مبارک بہت مبارک تھا۔ اور جماعت کے لیے امن و سکون کا باعث تھا ——— لیکن ——— آسمانی آقا ! برکتوں کے خزانوں کی مالک تیری ذاتِ اقدس ہے۔ کمزوروں کا سہارا ! اے واجب الوجود !

قوی و عزیز! تُو ہے ہی۔ حفیظ و رفیق! اگر تیری حفاظت اور رفاقت نصیب ہو جاتے تو یہ غم و اندوہ کے پہاڑ سکڑ جاتے ہیں۔

تیری رحمت کے دامن کو پکڑ کر ملتجی ہیں کہ ہم پر رحم فرما۔ ہمیں اپنی رحمت سے محروم نہ کیجیو۔ ہم حضرت اماں جان کے نقش قدم پر چلتے ہوتے تجھ سے فریادی ہیں کہ

"یہ ہمیں چھوڑ گئے پر تُو ہمیں نہ چھوڑیو"

تیرا فضل اور توفیق نصیب ہو تو یہ صدمہ ہم برداشت کر سکتے ہیں۔ اس دن ہمارے زخم پھر ہرے ہوتے جانے دل پر کیا کیا گذری۔ کیا کیا یاد آیا۔ ہمارے زخموں پر پھاہا رکھئے کہ ہم تیرے در پر یہ زخم لے کر حاضر ہیں۔ تو سب سے پیارا ہے۔ تیرا پیار سب پیاروں پر غالب ہے۔ اے مادرِ مہربان سے زیادہ پیار کرنے والے ہمیں اپنے پیار کے اجر سے محروم نہ کیجیو۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْھَا وَ ارْحَمْھَا وَلَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھَا وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھَا۔

سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد میں سے سب سے لمبی عمر پائی۔ ۲۵ جون ۱۹۰۴ء کو قادیان میں آپ کی ولادت ہوئی ۔۔۔۔۔۔۔ ۷ جون ۱۹۱۵ء کو آپ کا نکاح ہوا۔ ۲۲ جون ۱۹۱۷ء کو رخصتانہ ہوا۔ آپ کے ذی وقار شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے والد حضرت نواب محمد علی خان صاحب شادی بیاہ میں رسوم کے سخت خلاف تھے جس طرح حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو حضرت اماں جان

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے گھر یہ کہہ کر چھوڑ آئیں کہ "میں اس بے باپ کی بچی کو آپ کو سُپرد کرتی ہوں"۔ اسی طرح آپ کی بڑی بہن حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نوزینب بیگم صاحبہ آپ کو دار المسیح سے دار السلام لے آئیں۔

...... رخصتانہ کے بعد حضرت اماں جان نے حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب کو پیغام بھجوایا:-

"میاں کی عمر زیادہ تھی (یعنی حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی) تم چھوٹی عمر والے داماد ہو تم مجھ سے شرمایا نہ کرو۔ تاکہ جو کمی رہ گئی ہے اس کو پورا کر سکوں"۔

(اصحاب احمد جلد ۲ صـــ ۶۴۷)

...... جب حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب سے چالیس سالہ رفاقت کا دامن چھوٹا تو جس صبر عزم اور حوصلہ سے آپ نے یہ وقت گذارا وہ خواتین کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ سارا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے مشورہ اور حکم کو واجب التعمیل سمجھتا۔ جماعت کی خواتین آپ سے دینی دنیوی مشورہ جات مانگتیں آپ ان سب کے خطوط کے جوابات لکھواتیں۔ اپنی لمبی بیماری کو جو درحقیقت صبر آزما تھی۔ جس سکون وصبر سے گذارا یہ بھی آپ کا حصہ تھا۔ سلسلہ کی ہر تحریک میں آپ وعدہ کے ساتھ ہی ادائیگی فرماتیں۔ تحریک جدید میں پہلے نوسال کا آپ کا ذاتی چندہ تین ہزار ایک سو اٹھاون روپے تھا آپ اخلاقِ کریمانہ کی مالک تھیں غریبوں سے حسنِ سلوک اپنے گھر کے خادموں سے احسان اور شفقت کا سلوک رشتہ داروں سے صلہ رحمی آپ کے امتیازی

اوصاف تھے۔ سلسلہ کی تاریخ میں یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ سوئٹزرلینڈ میں بیت الذکر کی بنیاد آپ کے دستِ مبارک سے رکھی گئی۔ آپ کے پاس حضرت مسیح موعود کے کپڑوں کے تبرکات کے علاوہ ایک دونی کا سکہ تھا جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے دُعا کی تھی۔

آپ کی صحت کا ہر فرد جماعت کو فکر رہتا تھا۔ کافی عرصہ سے زیست کی اُمید منقطع ہو چکی تھی، لیکن ہر متنفس کے لیے ایک وقت مقرر ہے ۶ مئی کو اچانک تین بجے بعد دوپہر آپ نے آخری سانس لیا۔ اور اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ ۱۹۰۸ء میں اسی ماہ آپ کے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا تھا۔ ۷ مئی کو بعد نماز عصر اپنی بڑی بہن حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

اے وجود پاک کی دختِ کرام! تجھ پر خدا کی ہزاروں رحمتیں۔ چشم آج بھی نمناک ہے۔ یہ صدمہ بھلائے نہیں بھولے گا۔ لیکن ہم آپ کے پیارے مقدس والد (اللہ تعالیٰ کی ان پر ان گنت رحمتیں ہوں) کی زبان سے نکلے ہوئے شعر کو ہی دہراتے ہیں ؎

بُلانے والا ہے سب سے پیارا ❊ اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

اللہ تعالیٰ دُختِ کرام کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِیْثُ۔

(ماہنامہ انصار اللہ ربوہ مئی ۱۹۸۷ء)

دُختِ کرام

مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف ربوہ نے حضرت دُختِ کرام کے بارہ میں مزید تحریر فرمایا:-

> دختِ کرام کے الفاظ ہی آپ کے مقام کی حیثیت کی تعیین کے لیے کافی ہیں مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت سے قبل بشارت دی کہ کریمانہ اخلاق کی بچی آپ کو عطا کی جائے گی۔ مئی ۱۹۰۴ء کو یہ بشارت ملی اور ۲۵ ؍جون ۱۹۰۴ء کو کریم آبار کے گھر دختِ کرام کی ولادت ہوئی۔ (تذکرہ)

حقیقۃ الوحی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف میں سے ایک اہم اور آخری تصانیف میں سے ایک ہے جو آپ نے اپنے وصال کے ایک سال قبل مئی ۱۹۰۷ء میں تصنیف فرمائی اس میں آپ نے ۱۸۷ نشانات کی تفصیل بیان فرمائی ہے ان نشانات میں چالیسواں نشان "دختِ کرام" کی ولادت کا بیان فرمایا ہے۔ کرام جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد کریم اور کریمۃٌ ہے جس کے معنے شریف۔ معزز سخی اور اچھے حسب ونسب کے مالک اور کریمانہ خصال واخلاق کے مالک کے ہیں۔

بچے اور بچیاں دُنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کا ذکر بھی کبھی نہیں ہوتا۔ ان میں صالح بھی ہوتے ہیں۔ اور غیر صالح بھی۔ خوشحال

زندگی بھی بعض کو نصیب ہوتی ہے اور نانِ جویں کو ترسنے والے بھی ان میں ہوتے ہیں ان میں ریشم و اطلس پہننے والے بھی ہوتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو تن ڈھانکنے کے لیے چیتھڑے بھی میسر نہیں ہوتے اس لیے صرف کسی بچے کی ولادت کوئی قابلِ ذکر امر نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات جب اپنے نیک بندے کو اولاد کی ولادت کی قبل از وقت بشارت دیتا ہے تو ایسی اولاد کا صالح ہونا مقدر ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام میں فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُبَشِّرُ الْاَنْبِیَاءَ وَ الْاَوْلِیَاءَ
اِلَّا اِذَا قَدَّرَ تَوْلِیْدَ الصَّالِحِیْنَ ۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۷۹ حاشیہ)

کہ اللہ اپنے انبیاء اور اولیاء کو اس وقت اولاد کی بشارت دیتا ہے جب ان کا صالح ہونا مقدر ہو اور دخترِ کرام کے بارہ میں خصوصی طور پر آپ کو بشارت دی گئی ویسے تو آپ کی ساری اولاد بشارات کے تحت ہوئی جیسا کہ فرمایا ؎

میری اولا سب تیری عطا ہے
ہر اک تیری بشارت سے ہوا ہے

پس آپ کا مقام تو اس امر سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کی بشارت دی اور حضور پُر نور نے اسے ایک نشان قرار دیا۔ یہ وضاحت اس لیے بھی ضروری تھی کہ شاید جماعت کے کسی فرد

کے ذہن میں یہ خیال آتے کہ بعض نبیوں کی اولاد کے بارہ میں قرآن کریم میں وضاحت ہے کہ وہ خدا کے قہری نشان کا شکار ہوتے اور وہی خدا کی گرفت سے بچا جس کے اعمال صالحہ تھے اور اللہ کے بندے اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرتے ہمیں دکھائی دیتے ہیں کہ خدا کے حضور میری اولاد ہونا تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔ تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے اس میں کوئی کلام نہیں کہ صرف حسب ونسب کی کوئی اہمیت نہیں اگر اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی تائید نہ ہو۔ اور ماموریت کا اہل وہ نہیں ہوتا جس کے اعمال غیر صالح ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ جملہ اپنی کتب میں خود نقل کیا ہے کہ

"ہر کہ عارف تراست ترساں تر"

کہ خدا کی جتنی معرفت نصیب ہو گی اتنا ہی اس سے خوف ہو گا۔ اس کے عارف بندے ہمیشہ ترساں و لرزاں رہتے ہیں نہ کبھی وہ کسی نیکی کے موقع کو ضائع ہونے دیتے ہیں اور نہ کسی عمل پر انہیں ناز ہوتا ہے۔

لیکن یہ بھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت ہی اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ کر دیتا ہے کہ مولود "شقی" ہو گا یا "سعید" اور اللہ کے نیک بندے اس دنیا میں بعض بندوں کے متعلق اس عالمِ آب و گل میں اس کا اظہار بھی فرما دیتے ہیں کہ خدا کے اس بندے کو اس کی رضا اور مغفرت کی خلعت پہنا دی گئی ہے اور ایسی بشارت کا اعلان بھی کر دیا جاتا ہے۔

یہاں اعمالِ صالحہ کی نفی مقصود نہیں کہ ایمان کا درخت نشو و نما پاتا ہے اعمال صالحہ کے پانی سے۔ لیکن اس امر کی وضاحت بھی ضروری تھی

کہ یہ امر مخفی نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے صالح بندے کو قبل از وقت اولاد کی بشارت دے تو اس کا صالح اور سعید ہونا بارگاہِ الٰہی میں مقدر ہو چکا ہوتا ہے اور اللہ عالم الغیب و کاتبِ تقدیر اپنے بندے کو اس کی خبر دے رہا ہوتا ہے فافھم وتدبر۔

دُختِ کرام کے مقام کی وضاحت اس امر سے بھی ہو جانی چاہیئے کہ جماعت کے امام نے آپ کے وصال کو اپنی والدہ کے وصال کے مترادف قرار دیا ہے اور جماعت کے امام بحیثیت امام کے ہمارے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں آپ کا محبوب ہمارا محبوب ہے آپ کا دُکھ ہمارا دُکھ اور آپ کا سُکھ ہمارا سُکھ ہے۔

دختِ کرام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کے مقام کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں "میں ہر نماز میں بالالتزام اپنے اہل و عیال اور اولاد کے لیے دُعا کرتا ہوں"۔ خدا کے بندوں کی دُعاؤں سے اس کی تقدیر آسمان سے زمین پر آتی ہے رحمان و رحیم خدا کی رحمت کو بندوں کی عاجزانہ دُعائیں جذب کرتی ہیں۔ وہ باحیا سخی اپنے در کے فقیروں کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتا۔ دعا اگر اپنے آداب کے ساتھ کی جائے۔ خدا کی تقدیر کے خلاف نہ کی جائے تو ارحم الراحمین خود فرماتا ہے۔

"دُعا کرو میں قبول کروں گا" ——— وہ مضطر کی دُعائیں قبول کرتا ہے"۔

پس ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اپنے جاننے والے بزرگوں کے

رفع درجات کے لیے دُعا کریں اور یہ دُعا بھی کریں کہ اللہ ان سب کی دعائیں جو جماعت کے لیے انہوں نے کیں وہ قبول فرماتے ۔ برکتوں کے خزانوں کا مالک وہ خالقِ ارض و سما ہے ۔ اس کے خزانوں میں کمی نہیں ۔ وہ سب مانگنے والوں کو ان کی مرادیں عطا فرما دے تو پھر بھی اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی ۔

بے شک دل افسردہ ہے کہ مسیح پاک کی بالواسطہ اولاد میں سے دختِ کرام آخری تھیں لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں : ۔

" خدا تعالیٰ کے مجھ سے جو وعدے ہیں ۔۔۔۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان کا ایک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلے گا ۔"

ملفوظات جلد ۷ ص ۱۶۴ تا ۱۶۶)

اور یہ وعدے جاننے کے لیے حضور کی کُتب پڑھیں کہ آپ سے کیا وعدے ہیں کیا ابتلاء و آزمائشیں مقدر ہیں ۔ حضور فرماتے ہیں : ۔

" یاد رکھو کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں جن میں دُنیا کو خطرناک شدائد اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ ۔۔۔ اگر تمہیں ان باتوں کا پتہ ہو جاتے جو میں دیکھ رہا ہوں تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات خدا تعالیٰ کے آگے روتے رہو ۔"

(ملفوظات جلد ۱۰ ص ۶۷)

خدا اصدق الصادقین ہے۔ اس کی سنت اور وعدے اس کے نیک بندوں کو ہی ملتے ہیں اس سلسلہ کے قیام کی ایک غرض ہے جو اس غرض کو پورا کرتا ہے وہ اس کے فضلوں کا مورد ہوگا۔ اور سلسلہ کے قیام کی غرض حضور نے یہ بیان فرمائی ہے :۔

"سلسلہ کے قیام کی اصل غرض یہی ہے کہ لوگ دُنیا کے
گند سے نکلیں اور اصل طہارت حاصل کریں اور فرشتوں
کی سی زندگی بسر کریں۔"

(ملفوظات جلد ۸ ص ۱۴۹)

پس خدا اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں برکتوں اور وعدوں سے کبھی محروم نہیں کرتا۔ نیک اعمال فروتنی اور عاجزی کی دُعائیں۔ اس کے احکام پر عمل۔ اس کی منشاء کے مطابق زندگی بسر کرنے والے۔ خُدائی وعدوں کے مستحق ہوتے ہیں۔ مبارک ہے وہ انسان جو صدق وصفا سے صبر و ثابت قدمی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔

خدا کی نعمتوں سے اس کے نیک بندے کبھی محروم نہیں رہے۔ اس کے وعدوں پر سچا ایمان ہر لغزش سے بچاتا اور پہاڑوں جیسا ثبات عطا کرتا ہے اس کے کلام سے راہنمائی حاصل کرنے والے کبھی راہ سے بھٹکتے نہیں۔

جو شخص اس دُنیا میں آیا۔ اس نے ایک روز اس دُنیا سے رخصت ہونا ہے کیا پیارا فقرہ فرمایا تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے :۔

"کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا وہ اس حقیقت کو جان لے کہ محمدؐ فوت ہو چکے ہیں اور جو خُدا کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ خدا زندہ ہے صرف وہی فنا و زوال سے مبرا ہے"

اور شاعر نے اس حقیقت کو کیا اچھے شعر میں بیان کیا وہ کہتا ہے ؎

دانش میں خوفِ مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
مَیں جانتا ہوں موت ہے سنّت رسولؐ کی

ہمارے آسمانی آقا! جس طرح آپ نے دخترِ کرام کو اس دُنیا میں کریمانہ زندگی عطا فرمائی۔ تیری شانِ کریمانہ اور صفتِ کرم کا واسطہ۔ اگلی دُنیا میں بھی انہیں اپنی رحمت وکرم کے سایہ میں رکھیو۔ اور آپ کے پسماندگان اور ہم سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

رفتید ولے نہ از دلِ ما

{ مرتب کتاب ہذا خاکسار سید سجاد احمد کے مضمون
مطبوعہ ماہنامہ مصباح کے چند اقتباسات }

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبشر اولاد عطا فرمائی اور ساری اولاد کے متعلق ان کی ولادت سے قبل جو بھی وعدے فرماتے وہ من و عن پورے ہوتے ۔ بعض بچے صغر سنی میں وفات پا گئے ۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا تھا ۔ زندہ رہنے والے اور بھرپور کامیاب و کامران زندگی گذارنے والے پانچ مبشر وجود تھے ۔ تین بھائی اور دو بہنیں اور ان پانچ مبشر اور برگزیدہ ہستیوں میں سے آخری اور سب سے چھوٹی ہستی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ تھیں جو ۲۵ جون ۱۹۰۴ء کو حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ کے بطن سے تولد ہوئیں آپ کی ولادت سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر اس بابرکت دختر کے متعلق تحریر فرمایا :

— " دختِ کرام ۔ ایک لڑکی ہوگی جو ہر جہت سے کریموں کی دختر ہوگی ۔"

(تذکرہ)

آپ کا عقد حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحب آف ریاست

مالیر کوٹلہ کے منجھلے صاحبزادے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب سے ۷ جون ۱۹۱۵ء مطابق ۲۲ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ ہجری بروز دوشنبہ ہوا۔۔۔ اور رخصتی ۲۶ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ ہجری کو ہوئی۔ ۔۔۔۔ حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحب کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔ اور حضور کی بڑی صاحبزادی حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ آپ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔

حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کو راقم الحروف نے مثالی جوڑا پایا۔ باہمی محبت حسنِ سلوک اور فدائیت کے ایسے نظارے دیکھے کہ روح وجد میں آگئی ایک دوسرے کا اس قدر خیال اور اتنا احترام کہ باید وشاید۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۱ء کو حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے تحت ایک لمبی بیماری کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں وفات پاگئے اور اس طرح کم وبیش ۴۵ سالہ یہ دورِ رفاقت عارضی طور پر منقطع ہو کر رہ گیا۔

حضرت نواب صاحب مرحوم نے اس جگر گوشۂ نصرت جہاں کی مثالی قدر کی اور ان کے راحت وآرام کا ہر طرح خیال رکھا اور ان کی نظر میں حضرت سیدہ کا ایک خاص عزت وتکریم کا مقام تھا جسے آپ نے زندگی بھر قائم رکھا اور اسے باعثِ فخر سمجھا۔۔۔۔ حضرت نواب صاحب ۱۳۔۱۴ سال صاحبِ فراش رہے اس دوران حضرت بیگم صاحبہ نے جس طرح شبانہ روز خدمت کی اس کی مثال ملنا محال ہے۔۔۔۔

راقم الحروف کی والدہ محترمہ غفور النساء صاحبہ کو حضرت اماں جان نے حضرت سیدہ مرحومہ کے بڑے صاحبزادے مکرم میاں عباس احمد خان صاحب کی رضاعت کے لیے ۱۹۲۰ء میں سنور ریاست پٹیالہ سے بلوایا۔ اس وقت سے حضرت سیدہ مرحومہ کے ساتھ قرب کا تعلق ہمارے خاندان کو رہا۔ میری عمر اس وقت (جنوری ۱۹۹۴ء) ۶۷ سال سے زائد ہے اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک میں نے حضرت سیدہ کے مناقب عالیہ اور اوصاف حمیدہ کو بچشم خود دیکھا ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ حضرت سیدہ مرحومہ مکارم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں اور ان کی ہر حرکت و سکون اور ہر لمحہ دخت کرام ہونے کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔

ایک دفعہ قادیان میں مجھے فرمایا کہ خواب میں تمہیں پریشان دیکھا ہے دُعا بھی کی اور عباس احمد کو امداد کے لیے بھی کہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بابرکت و مقدس ہستی کا مجھ عاجز کو خواب میں دیکھنا اس امر پر دال ہے کہ ان کی شفقت و رأفت بیکراں تھی اور ان کے دل میں ہر ایک کے لیے درد تھا وہ ایک حساس دل کی مالک تھیں۔ بے تکلفانہ گفتگو کے دوران ایک دفعہ میں نے عرض کیا آپ نے عرصہ ہوا مجھے خواب میں پریشان دیکھا تھا جس کا مجھ پر یہ اثر ہے کہ کوئی پریشانی نہ بھی ہو تو یونہی پریشان ہو جاتا ہوں تاکہ آپ کا خواب پورا ہوتا رہے۔ مزید جرأت کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ نے خواب دیکھا تھا اب آپ ہی دُعا بھی کریں کہ یہ سلسلہ ختم ہو۔ لطف اندوز ہوتے ہوتے فرمایا۔ "دُعا تو میرا معمول ہے گھبرانا نہیں چاہیئے"

ایک دفعہ کچھ عرصہ تک قدم بوسی کے لیے حاضر نہ ہو سکا۔ اس دوران میری اہلیہ یا شاید کوئی اور عزیزہ ملنے گئیں تو انہیں فرمایا: "سجاد کے پیروں میں مہندی لگی ہوئی ہے"۔ آپ کے بظاہر اس مزاحیہ فقرہ میں بین السطور اس امر کا اظہار بھی تھا کہ ملاقات میں دیر کیوں ہوئی۔ ایک دفعہ ایک معاملہ کے متعلق گفتگو کے دوران میں نے کسی صاحب کے متعلق قیاساً کہہ دیا کہ شاید انہوں نے یہ کہا ہو۔ تو جھٹ فرمانے لگیں۔ "نہ نہ نہ سجاد۔ ایسا نہ کہو یہ بدظنی ہے اور میں نے کبھی کسی پہ بدظنی نہیں کی"۔

جب کبھی حاضری کا موقع ملتا۔ فرماتیں پرانے واقعات سناؤ۔ بزرگوں کی باتیں کرو گویا ؎

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

اور پھر خاصی دیر تک یہ پُر لطف گفتگو ہوتی رہتی۔ مجھے فرماتیں۔ تم نے بزرگوں سے فیض اُٹھایا ہے مطالعہ بھی ہے تم سے پرانی باتیں کر کے لُطف آتا ہے۔ جب کبھی ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو کتابوں کے لیے ضرور فرماتیں کہ جو بھی کتب ان دنوں تم نے پڑھی ہیں یا موجود ہیں مجھے ضرور بھجوانا۔ ۱۹۵۵ء میں حضرت نواب صاحب کی معیت میں اپنی اراضی نصرت آباد اسٹیٹ فضل بھمبرو ضلع تھرپارکر تشریف لائیں۔ ان دنوں میں بھی وہیں تھا آتے ہی مجھے فرمایا کہ یہاں جو بھی کتب تمہارے پاس موجود ہیں مجھے بھجوا دو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ٹالہی سٹیشن آدمی بھجوا کر بی بی امۃ الرشید

صاحبہ سے بھی کتب منگوا لو۔ وہاں قیام کے دوران اکثر نماز مغرب کے بعد سٹیٹ کے ملازمین میں سے ترنم سے پڑھنے والوں کو بلوائیں اور پردے کے پیچھے سے ان سے درثمین ، کلام محمود اور دیگر بزرگان کا کلام سنتیں۔ میں اسٹیٹ کے کام سے میر پور خاص گیا تو میری اہلیہ کو بلا کر اسے نیا جوڑا لباس عنایت فرمایا اور اسے تاکید کی کہ نہا دھو کر یہ لباس ابھی پہن کر مجھے دکھاؤ۔ اور فرمایا کہ شوہر جب باہر سے آتے تو مسکراتے ہوتے صاف ستھرے لباس میں اس کا استقبال کرنا چاہیئے۔ ان کی نوازشوں کو کہاں تک بیان کروں افسوس کہ اب ؏

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

افسوس کہ اک چراغ تھا نہ رہا ؎

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ؎ اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ان کی شفقتوں ، نوازشوں اور ان کی یادوں کا سلسلہ تو ختم نہیں ہو سکتا وہ تو دل و دماغ میں اس طرح مستولی ہیں کہ کوئی کہتا رہے اور کوئی سنتا رہے لیکن ؎

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے ؎ سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کیلئے

☆

دختِ کرامؑ کی شفقتوں کی مورد ــــ زینب

زینب چھ سال کی بچی تھی جب حضرت دختِ کرام کے گھر آئیں ستاون اٹھاون سال تک ان کا اس مقتدر گھرانہ سے تعلق رہا۔ یہیں جوان ہوئیں۔ یہیں سے وہ سُسرال کے ہاں رخصت ہوئیں حضرت بیگم صاحبہ نے انہیں بیٹیوں کی طرح رخصت کیا۔ پھر جوانی ہی میں زینب بیوہ ہوگئیں ان کے شوہر محمد اشرف صاحب تقسیم ملک کے وقت موضع سٹھیالی (نزد قادیان) کا دفاع کرتے ہوئے دشمن کی گولی کا شکار ہوتے ایک گونگے بچے اور دو بچیوں کی ذمہ داری اب اس کے کندھوں پر آن پڑی۔ حضرت بیگم صاحبہ پیار سے زینب کو لیلیٰ کہا کرتیں۔ دختِ کرام کی شانِ کریمانہ کا ذکر ان کی زبان سے سُنیئے پون گھنٹہ کے قریب وہ حضرت بیگم صاحبہ کی شفقتوں اور لاڈ کا ذکر کرتی رہیں۔ اور اکثر وقت وہ رونے لگ جاتیں اور ان کی آواز بھرا جاتی۔

ــــــ (غلام باری سیف)

زینب عرف لیلیٰ نے بتایا کہ حضرت بیگم صاحبہ نے کئی بے سہارا بچیوں کو پالا اپنے خرچ پر ان کی شادیاں کیں اور ان سے پھر اس طرح

سلوک فرمایا کہ ان کے بچوں کو بھی اپنے نواسوں نواسیوں کی طرح سمجھا میری ایک ہم سن لڑکی عذرا بیگم (جو محترمہ غفور النساء بیگم صاحبہ جنہوں نے میاں عباس احمد صاحب کو دُودھ پلایا تھا کی بیٹی ہیں) کی بھی انہوں نے خود شادی کی۔ یہ بھی زینب کی طرح بہت چھوٹی عمر میں حضرت بیگم صاحبہ کے گھر آگئیں۔ بہن زینب نے مجھے بتایا کہ اس کی شادی پر حضرت بیگم صاحبہ نے بہت روپیہ خرچ کیا۔ اللہ نے اسے اولاد سے نوازا تو بچے کے لیے اٹیچی کیس بھر کر اس طرح سامان بھجوایا جس طرح ماں اپنی بچی کی اولاد کے لیے ایسے مواقع پر بھجواتی ہیں۔

زہرہ سے آپ کی محبت کا یہ حال تھا کہ جس دن دختِ کرام کا وصال ہوا بار بار آپ دریافت فرماتیں زہرہ نہیں آئی زہرہ نہیں آئی اور جب وہ بچی آئی تو اس سے دریافت فرمایا بچے کو ساتھ نہیں لائی پھر زینب کو فرمایا اسے کھانا کھلاؤ۔

زینب نے بتایا کہ گھر میں آپ اس طرح ہماری تربیت کرتیں جس طرح ماں بیٹیوں کی کرتی ہے ہمارا لباس سادہ اور صاف ہوتا اور آپ فرماتیں۔ مَیں تمہاری حفاظت کرتی ہوں لڑکوں سے ملنے نہ دیتیں۔ زینب نے بتایا کہ جب میری شادی کی تو ہاتھوں میں سونے کے کنگن انگوٹھی کانوں کا زیور اور گلے کا زیور دیا۔ میری ایک بچی مسرت کی شادی پر قریباً سارا خرچ آپ نے کیا۔ دوسری بچی کی شادی پر بھی بہت اعانت فرمائی۔ جب گونگے بچے کی شادی ہوئی

توآپ کی طبیعت اچھی نہ تھی۔ دولہا دلہن کو بُلا کر بہت بڑی رقم سلامی کے طور پر دی۔

زینب نے بیان کیا کہ مَیں بیمار ہوتی تو ڈاکٹر کو بھجواتیں پھر فون کر کے ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر سے پوچھتیں کہ کیا حال ہے اس کا۔ مَیں ملنے جاتی تو آپ کا کھانا ٹرالی میں لگ کر آتا۔ تو اصرار فرماتیں کہ یہ مرغی کا بے مرچ شوربہ لے لو۔ وہ چیز لے لو۔ تم کھاتی نہیں اسی لیے تمہاری یہ حالت ہے۔

جب ان کے شوہر شہید ہوتے تو حضرت بیگم صاحبہ پاکستان آ چکی تھیں زینب پاکستان آئیں تو حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب مرحوم زینب کے بچوں کو اپنے بچوں کے ساتھ سیر کے لیے لے جاتے کہیں باہر جاتے تو اس کے بچوں کے لیے ٹافیاں وغیرہ لاتے۔ حضرت بیگم صاحبہ فرماتیں چھٹیوں میں بچوں کو لے کر یہاں آجایا کرو۔ زینب کی صحت کا اتنا خیال رکھتیں کہ بیماری کے ایام میں جب تک آپ کی صحت اچھی تھی روزانہ موٹر میں آجاتیں۔ زینب یعنی لیلیٰ دخت کرام سے ملنے جاتیں تو فرماتیں فریج سے فلاں چیز لے لو فلاں چیز کھاؤ۔ تم کھاتی نہیں اس لیے تمہاری صحت اچھی نہیں۔

زینب نے بتایا کہ شادی کے بعد مَیں نے ریشمی لباس پہنا۔ دوسروں کو پہنے دیکھا تو ایک روز مَیں نے عرض کیا۔ بیگم صاحبہ آپ نے ہمیں بہت سادہ رکھا فرمایا۔ تمہاری عزت کا مجھے خیال تھا۔ زیادہ بناؤ سنگھار

وغیرہ پسند نہ فرماتیں۔

زینب نے کہا۔ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوتی تو مجھے کام نہ کرنے دیتیں۔ میں بستر جھاڑتی تو بہت خوش ہوتیں۔ میں باورچی خانہ میں نگرانی کے لیے جاتی تو فرماتیں گرمی میں نہ جاؤ۔ تمہاری صحت پہلے ہی ٹھیک نہیں۔ بچی زہرہ کے متعلق زینب نے بتایا کہ جب یہ سسرال چلی گئی۔ تو دُختِ کرام دن میں کئی دفعہ اس کا ذکر کرتیں اور آواز بھرا جاتی۔

جس روز آپ کا وصال ہوا آپ پر غنودگی سی طاری ہوئی آواز میں نقاہت تھی بہت آہستہ سے فرمایا حضرت اماں جان آئی ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ آئی ہیں۔

آپ کی بیماری کی وجہ سے کمرہ میں اپنے بھی کم آتے تھے باورچی کا بیٹا آیا آپ کے پاس پھل دیکھ کر کہا میں نے کیلا لینا ہے اسے اپنے پاس بلا کر اپنے ہاتھ سے کیلا دیا۔

زینب روتی ہوئی بولیں آپ کی شفقتوں اور لاڈ نے مجھے والدین کی یاد نہیں آنے دی کبھی آم بھجوا رہی ہیں کبھی کوئی چیز۔ بیماری میں سو روپیہ نکال کر میری طرف بڑھایا کہ لو کپڑے بنوا لینا میں نے عرض کیا مجھے تو آپ کے مستعمل کپڑے درکار ہیں فرمایا الماری میں سے لے لو۔

حضرت بیگم صاحبہ کا وصال قریباً پونے تین بجے بعد دوپہر ہوا۔ ظہر کے وقت فرمایا نماز کا وقت ہو گیا ہے میرے اثبات میں جواب دینے

پر فرمایا ۔ مجھے تیمم کراؤ اور پھر بیٹھے لیٹے نماز ادا کی ۔ اس روز آپ کی بچی فوزیہ جو لاہور رہتی ہیں نے جانا چاہا تو روک لیا اس دن بظاہر آپ کی طبیعت پچھلے دنوں سے بہت بہتر تھی ۔ دو سوا دو بجے مجھے فرمایا تم گھر نہیں گئی بچے یاد کرتے ہونگے ۔ زینب نے کہا ۔ مَیں گھر آئی کھانا سامنے رکھا تو خادم آیا اور تانگہ ساتھ لایا کہ فلاں صاحبزادی نے بُلایا ہے مَیں نے کھانا وہیں چھوڑا کوٹھی پہنچی تو تمام رشتہ دار کمرہ میں خاموش کھڑے تھے اور دختِ کرام عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما چکی تھیں ۔ ایک ایک صاحبزادی نے مجھے گلے لگایا ۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے اور پھر زینب رونے لگ گئیں کہ آہ اب یہ کون کہے گا کہ فریج میں سے کچھ کھا لو اب کون مجھے پکارا کرے گا ۔ کون میرے لاڈ لیا کرے گا کون میرے لیے ڈاکٹر کو بُلایا کرے گا ۔

زینب فیکٹری ایریا ربوہ میں مقیم ہیں اللہ تعالیٰ نے گونگے بچے کو بڑی سمجھ دی ہے بہت اچھا کاریگر ہے نہایت صاف ستھرا اور عمدہ گھر اللہ نے عطا فرمایا ہے ۔ بچیوں کو بہت اچھے گھر اللہ نے عطا کئے ہیں ۔ اپنے سلیقہ اور سگھڑ پن کی وجہ سے سارے محلہ میں ممتاز ہیں آپ نے مجھے بتلایا کہ یہ سب بیگم صاحبہ کی تربیت کا نتیجہ ہے یہ سینا پرونا سب آپ نے سکھلایا ۔

اہلی اور گھریلو زندگی انسان کی سیرت کا بڑا اہم پہلو ہوتا ہے حضرت دختِ کرام کی بیگانوں پر شفقت اور لاڈ کا یہ کچھ ادنیٰ سا ذکر

ہے۔ جس سے حضرت بیگم صاحبہ کی کرامت نفس۔ خدا خوفی۔ بنی نوع انسان سے محبت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ زینب نے بتلایا کہ آپ کے سمجھانے اور نصیحت کرنے کا عجیب رنگ تھا۔ پیچھے پڑ کر نصیحت نہ کرتیں۔ بات بہت اچھے انداز میں کرتیں۔ بچیوں کو بیاہنے کے بعد ان کے گھریلو معاملات میں دخل نہ دیتیں ہر بچے کی ضروریات کا علم رکھتیں اور گھر میں پلنے والے بے سہارا بچیوں کو اولاد کی طرح سمجھتیں ان کی ضروریات کا خیال رکھتیں دامے درمے سخنے ان کی مدد فرماتیں ایک عرب شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

اِنَّمَا الْمَرْءُ حَدِیثًا بَعْدَہٗ

فَکُنْ حَدِیثًا حَسَنًا ظَن نوعی

آدمی کی وفات کے بعد باتیں یاد رہ جاتی ہیں پس اچھی بات بن کہ لوگ یاد رکھیں یہ وہ نافع الناس وجود ہوتے ہیں جن سے بے سہارا بے آسرا بے بس اور غریب لوگوں کو ماں باپ جیسی شفقت ملتی ہے۔

اللہ! آسمانی آقا! دخترِ کرام کی نیک یادگاروں کو ہم اور آپ کی اولاد باقی رکھنے والی ہو۔ کریم آقا! آپ کے درجات بلند فرما۔ اپنی رضا کی چادر انہیں نصیب فرما۔ جس طرح وہ بے آسرا لوگوں سے لاڈ پیار کرتی تھیں تو بھی ان سے اپنے لاڈ اور پیار کا سلوک فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

(ماہنامہ مصباح ربوہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

ایک مثالی بیوی

از مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب فاضل ایم اے ربوہ

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مطہر اولاد میں سے تھیں بلکہ آپ کی صداقت کا نشان بھی تھیں۔ آپ کی ولادت سے قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کو دخت کرام کے لقب سے نوازا۔ آپ کی ولادت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات کے بعد ہوئی۔ ان کی زندگی میں آپ پانچ بہن بھائی تھے اور آپ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ آئندہ نسل کی بناء ان ہی پر ہے، لیکن صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے آپ کی وفات کے بعد ان کی پیدائش ہوئی اور اس طرح مخالفین کی طرف سے اس اعتراض کا رد فرما دیا کہ بشارت تو پانچ افراد سے نسل کی ہے اب تو چار رہ گئے ہیں گویا آپ کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے لیے دُہرا نشان ہے آپ اپنے بہن بھائیوں میں سے سب سے آخر میں پیدا ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو لمبی عمر سے نوازا اور سب بہن بھائیوں کی وفات کے بعد ان کی وفات ہوئی۔

آپ حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے بیٹے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ رشتہ ہر جہت سے مبارک

رہا۔ آپ اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ کی مالک تھیں۔ اللہ تعالیٰ پر بے حد توکل تھا اور مستجاب الدعوات تھیں آپ نے اپنی اہلی زندگی میں جو مثالی کردار ادا فرمایا اور جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ اس کا اعتراف آپ کے گرامی شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب مرحوم نے بارہا کیا۔

..... آپ کا وجود بے حد برکات کا حامل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی سنّت مستمرہ کے تحت وہ اپنا وقت پورا کر کے اپنے مولا ئے حقیقی سے جا ملیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے خاص قرب میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرماتے نہ صرف آپ کی اولاد کو آپ کے اوصافِ حمیدہ کا حامل بناتے بلکہ جماعت احمدیہ کے تمام افراد کو ان تمام اخلاق کا حامل بننے کی سعادت نصیب فرماتے اور آپ کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا رہے اور ہم سب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلی محبوں کے گروہ میں شامل فرما کر انجام بخیر فرماتے۔ آمین اللھم آمین

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

حسین یادیں

(از محترمہ رضیہ درد صاحبہ ایم اے ربوہ)

زندگی کی گہماگہمی میں بھی سو جاتے ہیں لوگ
چلتے چلتے وسعت ماضی میں کھو جاتے ہیں لوگ

٭ ٭ ٭

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اذکروا موتاکم بالخیر کتنی حکمتیں اس فرمانِ نبوی میں پوشیدہ ہیں سلفِ صالحین کے ذکر خیر سے ان کے رفع درجات کے لیے دُعاؤں کی تحریک کے علاوہ اپنی اصلاح اوران بزرگ ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بھی ملتی ہے۔ جو ان کے درجات کی مزید بلندی کا موجب ہوتی ہے۔ مرحومین کی نیکی کی ایک شہادت اور اپنے لیے باعثِ ثواب ہوتی ہے۔

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی نہایت پُرکشش شخصیت کی مالک تھیں۔ زبان کی شیرینی جسے الفاظ میں ادا ہی نہیں کیا جا سکتا آپ کی خصوصیت تھی۔ ہر ملنے والے کو آپ کی یہ ادا بے حد متاثر کرتی بار بار ملنے کے لیے دل میں تڑپ پیدا ہو جاتی آج آپ کا ذکر خیر کرتے ہوتے وہ دلکش پُروقار مسکراتا ہوا چہرہ مسلسل نظر کے سامنے ہے ؎

موت نے چھینا ہے ہم سے جسم خاکی بالیقیں
چھین لے وہ یاد بھی تیری یہ ممکن ہی نہیں

...... ماضی کے دھندلکوں میں بیتے ہوتے لمحے ایک ایک کر کے یاد آرہے ہیں فضاؤں میں مہک بکھیرنے والے عطر بیز اخلاق بڑے بڑے ٹکڑوں میں نہیں تولے جاتے بلکہ چھوٹے چھوٹے نرم و نازک واقعات کی ایسی ہی زُود حِس میزانوں پر تلتے ہیں۔

ایک دفعہ یہ عاجزہ ملاقات کے لیے حاضر ہوتی تو ساتھ ایک اور شادی شدہ لڑکی بھی تھی جس کی اپنے خاوند سے ان بن تھی آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا بیٹی تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے شادی شدہ تو لگتی ہی نہیں ازدواجی زندگی کی کامیابی کا راز اس میں بھی ہے کہ عورت اپنی ظاہری طرز کو ہر لحاظ سے درست رکھے۔ آپ کے کہنے میں ایسا اثر تھا ایسی اپنائیت تھی کہ کچھ عرصہ ہی بعد اس کے حالات یکدم بہتر ہو گئے۔ فریقین یا تو طلاق پر تلے ہوتے تھے یا ان کے گھر اللہ تعالیٰ نے ایک پیارا سا بچہ بھی عطا فرما دیا۔ ممکن ہے یہی بات ان کی ناچاقی کا باعث ہو۔ دل سمندر سے بھی زیادہ وسیع تر ہوتا ہے وہ اپنے پہلو میں لاکھوں تھرکتی ہوتی داستانیں پنہاں رکھتا ہے۔

جب بھی اس عاجزہ کو کسی محفل میں تلاوت قرآن مجید کرنے کی سعادت حاصل ہوتی تو بے حد پیار اور شفقت سے خوشی کا اظہار فرماتیں۔ ایک دفعہ اپنی محبت کا یوں اظہار فرمایا "میں تو یہ برداشت ہی نہیں کر سکتی کہ میں کسی مجلس میں ہوں اور تم تلاوت نہ کرو یا تم تلاوت کرو تو میں موجود نہ ہوں"۔ کتنی دلکشی اور حسن ہے۔ ان چند الفاظ میں۔ انسان کے لیے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور حسین یادوں میں مثل چراغ ٹمٹماتے ہیں جس سے زندگی بھر

انسان روشنی حاصل کرکے عجیب قسم کا رُوحانی سکون پاتا ہے وہ شفقتوں اور محبتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ تھیں ہمارے بیانوں کی کوتاہ دامنی حقیقت کو کہاں سمیٹ سکتی ہے ع

رحمتیں نازل ہوں تجھ پر اُس خدائے پاک کی

وہ بے پناہ محبتوں اور شفقتوں کا خزانہ ہم سے جدا ہوگیا۔ دل گہرے غموں تلے دب گیا لیکن ع

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

اے پیارے خدا تو ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخش کیونکہ آپ سے وابستہ برکتوں کا حقیقی حقدار وہی ہے جو آپ کے اعلیٰ اخلاق کو اپنانے کی کوشش کرے۔ آمین۔

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

٭

ایک ہمدرد و غمگسار ہستی

از محترمہ طاہرہ رشید الدین صاحبہ دارالصدر شمالی ربوہ

٭

حضرت سیدہ چھوٹے بیگم صاحبہ سے خاکسارہ کی پہلی ملاقات آپ کی صاحبزادی بو زکیہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم کرنل داؤد احمد صاحب کی کوٹھی میں ہوئی پھر میں آپ سے اکثر ملنے جایا کرتی رفتہ رفتہ اس تعلق میں خدا تعالیٰ نے ایسی

برکت بخشی کہ آپ کی محبت و شفقت ماں کی محبت کا روپ دھار گئی۔ آپ کے قرب میں رہائش رکھنے کی وجہ سے اکثر آپ کے پاس آنے جانے کے قیمتی مواقع ملے آپ کی ایمان افروز باتیں سننے اور آپ کی پاک صحبت سے مستفیض ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اپنی والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا طاہرہ! آج سے تم مجھے اپنی ماں سمجھنا۔ آپ کے یہ محبت بھرے اور زندگی بخش کلمات میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر گئے اور پھر آپ کی محبت و شفقت قدم قدم پر میری ہمت اور ڈھارس بندھاتی رہی۔

جب بھی کسی قسم کی پریشانی یا رُوحانی تشنگی محسوس ہوتی تو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دُعا کی درخواست کرنے پر سب تکلیف و پریشانی دور ہو جاتی کتنی بار آپ کو دبانے کی بھی توفیق ملی۔ یہ سب آپ کی ذرہ نوازی تھی۔ وگرنہ ہم جیسے عاجز اور کمزور انسان کہاں اتنے مقدس وجودوں کی خدمت کا حق ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ملاقاتوں کے دُوران کئی دفعہ بے تکلّفی سے اپنے سسرال اور مالیر کوٹلہ کے دلچسپ اور نصیحت آموز واقعات بیان فرماتیں۔ حضرت نواب صاحب کے بارہ میں ایک دفعہ یہ خاص بات بیان فرمائی کہ آپ اپنے آپ کو نواب کہلانا پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے آپ کو خاکساری کی حالت میں رکھنا پسند فرماتے۔

آپ دینی امور کی خاص نگرانی فرماتی تھیں۔ آپ کے ہاں پردہ کی بہت پابندی کرائی جاتی تھی۔ خاکسارہ نے ایک دفعہ آپ سے پوچھا کہ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے متعلق کچھ بتلائیں تو فرمایا کہ میں تو اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اور حضرت اماں جان کی طرف سے خصوصی ہدایت تھی کہ میرے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کا ذکر نہ کیا جائے۔ تاکہ آپ کی یاد سے بچی کو تکلیف نہ پہنچے اس لیے جو کچھ دیکھا تھا وہ بھی یاد نہ رہا تاہم اتنا یاد ہے کہ ان دنوں جب حضرت خلیفۃ المسیح الاول قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے تو بعض اوقات مجھے اپنی گود میں بٹھا لیتے۔

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کو میرے بچوں سے بھی بہت پیار تھا۔ عزیزی زہرہ کے نکاح کے بعد رخصتانہ میں جب کچھ تاخیر ہوئی تو آپ کی خدمت میں دُعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ جلد اس کے میاں کے باہر سے آنے کے سامان پیدا فرمائے۔ چنانچہ ایک دفعہ فرمانے لگیں کہ طاہرہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم ایک دوپٹہ کو گوٹہ لگا رہی ہو اب تم تسلی رکھو کہ یہ کام جلد سرانجام پا جائے گا بعد میں آپ کی یہ مبارک خواب جلد پوری ہوگئی - اور زہرہ کی شادی کا فرض بخیر و خوبی سرانجام پایا۔ رخصتی کے وقت عزیزہ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیار اور دُعائیں لینے کی توفیق ملی اس موقع پر آپ نے میرے داماد کو تحفہ بھی دیا۔

میرے سب سے چھوٹے بیٹے عزیز کلیم الدین سے بھی بہت شفقت فرماتیں کئی دفعہ اسے اپنے پاس بلا کر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا نیز تبرکات سے بھی نوازا - میری بیٹی کے ہاں شادی کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکی پیدا ہوئی - تو اپنی شدید کمزوری اور بیماری کے باوجود عزیزہ کو بلوا کر اپنے کانپتے ہوئے دستِ مبارک سے نوزائیدہ بچی کو پیار دیا۔

اور اس کے ننھے منے ہاتھوں میں لفافہ تھما دیا اور بہت دُعائیں دیں۔

ایک دفعہ الائچی کے بارہ میں اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور مجھے بھی کچھ الائچیاں عطا کیں۔ جب میرے داماد کو آپ کی اس پسندیدگی کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں عمدہ الائچیوں کا تحفہ بھجوایا جنھیں آپ نے بہت پسند فرمایا۔

ہر خوشی کے موقع پر خاکسارہ کو یاد فرماتیں اور تبرکات سے نوازتیں۔ اسی طرح ہر موسم کی چیز خصوصیت سے گھر بھجواتیں اور جب کبھی خاکسارہ کو آپ کی خدمت میں کسی تحفہ یا نذرانہ پیش کرنے کا موقع ملتا۔ تو فرماتیں تم نے کیوں یہ تکلیف کی ہے کبھی کبھار جب کسی کام کے سلسلہ میں بلواتیں تو اس کام کی انجام دہی پر بے حد روحانی خوشی ہوتی۔ آپ کی خادمہ ہاجرہ کی آنکھوں کا جب اپریشن ہوا۔ تو مجھے ان کی تیمار داری کی ڈیوٹی سونپی۔

آپ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور اپنی چھوٹی بیٹی محترمہ فوزیہ صاحبہ کے متعلق اکثر فرماتیں کہ جس قدر یہ میری لاڈلی ہے اسی قدر اس پر امتحانات آتے ہیں۔ اس گفتگو پر اکثر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور آواز گلوگیر ہو جاتی۔

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے اپنی شدید بیماری میں مجھے کئی بار یاد فرمایا۔ اللہ۔ اللہ کیسی شفیق ہستی تھیں ایک مادر مہربان کی طرح جو اپنے سینے میں ساری جماعت کا درد سمیٹے ہوتے تھیں۔ شب و روز تڑپ تڑپ کر خدا کے حضور دُعائیں کرنے والی یہ عظیم محسن و غمگسار روحانی ماں آج ہم

سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رُخصت ہوگئیں۔ آپ کی وفات سے ایک دن قبل
خاکسار نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے کمرہ میں ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ جو
چاندی کی طرح چمک رہی ہے۔ میں اور آپ کی چھوٹی بیٹی فوزیہ بیگم صاحبہ آپ
کے پاس کھڑی ہیں آپ نہانے کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں۔ تو میں کہتی ہوں کوئی
حرج نہیں نہالیں۔ لیکن محترمہ فوزیہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ نہیں آج ہم خود
امی جان کو مل مل کر نہلائیں گے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ خواب کے
اگلے ہی دن سہ پہر تین بجے آپ کا وصال ہوگیا اور خاکسارہ کو بفضل خدا آپ کے
آخری غسل میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس لختِ جگر کو جنت الفردوس
میں اعلیٰ ترین مقام سے نوازے اور ہزاروں ہزار رحمتیں اور انوار و برکات آپ
کی مقدس روح پر نازل فرماتے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی
توفیق بخشے۔ آمین (مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

چند متبرک یادیں

(از محترمہ شمیم اختر صاحبہ بنت مکرم محمد صدیق صاحب ربوہ)

☆

حضرت بیگم صاحبہ سے ۱۱ر اگست ۱۹۸۵ء کو میری پہلی ملاقات ہوئی۔ بیگم صاحبہ نے مجھ سے میرا نام اور میری تعلیم کے بارہ میں پوچھا تو میں نے اپنا نام بتایا اور عرض کیا کہ میں نے میٹرک کیا ہے فرمانے لگیں "میں پڑھنے والی لڑکیوں کو نہیں رکھتی"۔ اس پر میں نے کہا کہ میں اب پڑھتی نہیں ہوں۔ بلکہ آپ کی خدمت کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ چنانچہ میں حضرت بیگم صاحبہ کے پاس رہنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ وہ مقدس اور سراپا رحمت اور جلیل القدر بزرگ ہستی جو اس زمانہ میں عظیم الشان خدائی نشانوں کی مظہر تھیں نہایت باوقار خوش اخلاق شیریں زبان و شیریں کلام اور سنجیدہ و متین تھیں اور بے حد صابر و شاکر بھی۔

میں نے ان کی قریباً دو سال خدمت کی ہے۔ میرا کام چوبیس گھنٹے ان کے پاس رہنا تھا۔ اور ان کا ہر کام میرے ذمہ تھا۔ میں اپنے ہاتھوں سے بیگم صاحبہ کو ناشتہ کروایا کرتی تھی اور دونوں وقت کا کھانا کھلانا بھی میرے ذمہ تھا۔ اسی طرح غسل کروانا۔ کپڑے بدلوانا۔ مجھے بیگم صاحبہ کی خدمت کرنے میں اتنا مزہ آتا تھا کہ الفاظ میں بتایا نہیں جا سکتا۔ جی چاہتا ہے دوبارہ وہ وقت لوٹ آتے۔ مگر گیا وقت اب کہاں سے واپس آتے۔ جب بیگم صاحبہ کی یاد آتی ہے تو

دل خون کے آنسو رونے لگ جاتا ہے۔ خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اتنی عظیم اور بابرکت ہستی کی خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ کتنا خوش قسمت وہ دور تھا جب ہر وقت مجھے ان کی خدمت کا موقع ملتا تھا۔ اور ان کی نصیحتیں سُنا کرتی تھی۔ بیگم صاحبہ ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کیا کرتی تھیں فرماتی تھیں کچھ بھی ہو ہمیشہ سچ بولو۔

مجھے بہت افسوس ہوتا ہے جب بعض لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ شمیم تم نے میٹرک کر کے ضائع کر دیا، لیکن ایسے لوگ کیا جانیں کہ کہنے کو تو بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں سوچتے کہ میرے دل پر کیا گذرتی ہے میں نے تو حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کو اپنی ماں سمجھ کر خدمت کی ہے اور وہ تو ساری جماعت کی ماں تھیں وہ تو جماعت احمدیہ کو اپنی مقبول دعاؤں میں یاد رکھنے والی عظیم اور بابرکت ہستی تھیں۔ دوسروں کی بات توجہ کے ساتھ سنا کرتی تھیں۔ دوسروں کے دُکھوں کو اپنا دُکھ سمجھتی تھیں لوگوں کا بڑا خیال کرتی تھیں۔

مجھے انہوں نے کبھی نوکر نہیں سمجھا تھا۔ ہمیشہ فرمایا کرتی تھیں۔ "شمیم تمہیں تو میں نے اپنی بیٹی بنا کر رکھا ہے۔" کھانا کھانے سے پہلے ہم سب لڑکیوں کو کہا کرتی تھیں کہ "پہلے تم سب کھانا کھا لیا کرو۔ مجھے فکر ہوتی ہے۔" لیکن میں جب تک بیگم صاحبہ کو کھانا نہیں کھلا لیا کرتی تھی خود نہیں کھاتی تھی۔ آپ سب کے لیے بہت دُعا کرتی تھیں۔ جب آپ کے پاس دُعا کے لیے لوگوں کے خطوط آتے تو آپ فوراً خط پڑھ کر دُعا کرتی تھیں۔

آپ حساب کتاب اور لین دین کے معاملہ میں بہت صاف تھیں اگر کسی کے پیسے دینے ہوتے تھے۔ تو فوراً ادا کر دیا کرتی تھیں۔ بیگم صاحبہ نے اپنا کیش بکس میرے سُپرد کیا ہوا تھا۔ مجھ سے کھلوایا کرتی تھیں۔ مجھ پر بیگم صاحبہ کو بڑا اعتماد تھا۔ جب کبھی آپ کے بیٹے بیٹیاں آتیں تو انہیں کہتیں کہ شمیم میرا حساب کتاب لین دین بڑا اچھا سنبھالتی ہے اگر کبھی میں ایک دن کے لیے گھر چلی جاتی تو بعد میں کسی اور سے کیش بکس نہ کھلواتیں۔

حضرت بیگم صاحبہ عبادت و ریاضت میں خاص دلچسپی رکھتی تھیں آپ نہایت اعلیٰ کردار اور بلند مرتبہ شخصیت کی حامل تھیں۔ آپ نے شدید بیماری کے باوجود کبھی نماز نہیں چھوڑی ہر صبح سویرے اُٹھنا نماز پڑھنا اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا آپ کا معمول تھا۔ اور جو لڑکیاں صبح کو جلدی نہیں اُٹھتی تھیں ان کو آپ آوازیں دے کر جگایا کرتی تھیں اور نماز اور قرآن کریم پڑھنے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ میں ابھی فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی تھی کہ بیگم صاحبہ نے بُلا لیا۔ مجھے کہنے لگیں۔ نماز پڑھ لی ہے"۔ میں نے عرض کیا جی ہاں پڑھ لی ہے۔ فرمایا قرآنِ پاک نہیں پڑھا۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی پڑھنے لگی تھی کہ آپ نے بُلا لیا۔ فرمایا جاؤ اور قرآن کریم پڑھ کر میرے پاس آنا۔ حضرت بیگم صاحبہ نے کبھی بھی نماز و تلاوت قرآن کریم کا ناغہ نہیں کیا۔ اگر کبھی طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو قرآن پاک کی ایک آیت ہی تلاوت کر لیا کرتیں۔ آخری نصیحت بیگم صاحبہ نے مجھے یہ کی کہ " نماز کبھی نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ خدا کی پکڑ ایک نہ ایک دن ضرور آنی ہے۔ لیکن انسان سمجھتا نہیں"۔ (مصباح جنوری فروری ۱۹۸۰ء)

ناقابلِ فراموش لمحات

(از محترمہ ثمینہ سیمیں صاحبہ دارالیمن غربی ربوہ)

حضرت بیگم صاحبہ سے میری ملاقات کا عرصہ تین سالوں سے زائد نہیں لیکن ان کی معیت میں گذرے ہوئے یہ لمحات اپنے اندر طمانیت اور خوشی کا ایسا بھرپور تاثر لئے ہوتے ہیں کہ یہ میری زندگی کے ناقابل فراموش لمحے بن گئے ہیں۔

طبیعت اس قدر سادہ اور رحم دل تھی کہ آپ کے ہاں کام کرنے والے سب خادم اور خادمائیں ان سے اولاد کی طرح پیار کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے جب پہلی بار میں اپنی امی کے ساتھ ملاقات کے لیے گئی تو آپ بیمار تھیں میرے سر پر پیار کیا اور پھر گھر والوں کے متعلق پوچھا کتنے بہن بھائی ہیں کیا کرتے ہیں۔ میری تعلیم کے متعلق پوچھا۔

پھر مجھ سے پوچھنے لگیں کہ کون کون سے کھانے پکا لیتی ہو۔ لڑکیوں کو اس کام میں بہت دلچسپی لینی چاہیئے۔ نئے نئے کھانے پکانے سیکھنے چاہئیں اس کے بعد کبھی کبھی فون پر بھی آپ سے بات کر لیتی تھی۔ میرے اور آپ کے درمیان محبت کا یہ رشتہ اتنا بڑھا کہ ایک دفعہ مجھے لاہور جانا پڑا بعد میں آپ نے فون کر کے پوچھا کہ اتنے دن ہو گئے ثمینہ نے لاہور سے کب واپس آنا ہے جب بھی فون کرتیں گھر میں سب کی خیریت دریافت کرتیں۔ ایک دفعہ مَیں نے اپنی باجی

کے ہاتھ بیکری سے کیک لے کر بھیجا تو باجی کو کہنے لگیں کہ مجھے خوشی ہوتی ہے لیکن آیندہ مجھے اپنے ہاتھ سے بنا کر بھیجے۔ ایک بار میں بھرے بینگن پکا کر لے گئی۔ ہمیشہ ان کی تعریف کرتیں اور حوصلہ افزائی فرماتیں۔ میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ طبیعت خراب ہوتی تھی اور آپ بیڈ ریسٹ پر ہوتی تھیں۔ تب بھی گھر کے ہر فرد پر گہری نگاہ رکھتیں صفائی کا ہمیشہ بہت خیال رکھتیں۔

ایک دفعہ آپ کے پاس کام کرنے والی لڑکی واپس جا رہی تھی اور آپ کو اس بارہ میں بڑی پریشانی تھی کہ کوئی اچھی لڑکی مل جاتے۔ میں آپ کے پاس بیٹھ کر واپس جا رہی تھی کہ خالہ لیلیٰ نے آواز دی کہ بیگم صاحبہ بلاتی ہیں میں واپس آئی تو بیگم صاحبہ نے مجھے فرمایا کہ مجھے اپنے جیسی کوئی لڑکی ڈھونڈ دو میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے پاس رہ جاتی ہوں مجھے آپ کی خدمت کا شوق بھی ہے کہنے لگیں۔ نہیں مجھے بارہ تیرہ سال کی لڑکی چاہیئے اس کو میں ٹرینڈ کروں گی اور ساتھ ساتھ پڑھائی بھی کرواؤں گی۔

آپ مطالعہ کی بہت شائق تھیں کئی دفعہ بستر پر ہوتیں، لیکن لائبریری سے کتابیں منگوا کر ضرور پڑھتی رہتیں۔ اپنے نواسے نواسیوں کا ذکر بڑے ہی محبت بھرے انداز میں کرتیں ان کی تعلیم کے لیے اکثر فکر مند رہتیں اور جب کسی نواسے یا پوتی کی کامیابی کی خبر سنتیں تو چہرہ خوشی سے دمک رہا ہوتا۔ اور ہر ایک کو خوشی خوشی بتاتیں۔

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

شفقتِ مادرانہ

(از محترمہ زہرہ نسیم صاحبہ دارالعلوم غربی ربوہ)

میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ آپ کے سایۂ عاطفت میں گذارا۔ دُنیا کی نظروں میں تو میں محض ایک خادمہ تھیں، لیکن آپ نے مجھے ہمیشہ اپنی بیٹی ہی سمجھا۔ اکثر لوگ بیٹی کہہ تو دیتے ہیں لیکن کہنے میں اور سمجھنے میں بڑا فرق ہے آپ نے جو کہا کر کے دکھایا۔ آہ! وقت کتنی جلدی گذر جاتا ہے اور صرف یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ گذشتہ چند سالوں سے آپ شدید بیمار تھیں اور چل پھر نہ سکتی تھیں، لیکن اتنی سخت بیماری کے باوجود آپ بہت باہمت بلند حوصلے والی اور بہت زندہ دل تھیں۔ انتہائی بیماری کے دنوں میں بھی آپ نے نماز کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ بے ہوشی کی حالت میں بھی نماز کے متعلق دریافت فرماتیں۔ ہمیں بھی ہمیشہ نماز پڑھنے کی تلقین کرتیں اور فرمایا کرتیں کہ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کرنے سے دماغ روشن ہوتا ہے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ تلاوت کے بعد ہم کو حدیث شریف کا درس دیا کرتیں۔ بڑے ہی بلند اخلاق کی مالک تھیں۔ آپ کے پاس ایک بے سہارا عورت بطور خادمہ تھی بعض اوقات ہم لڑکیاں اُسے چھیڑتیں تو وہ بہت چڑتیں اور تلملاتی ہوئی آپ کے پاس چلی جاتیں آپ اسے اپنے پاس بٹھاتیں اور اپنے ہاتھ سے کھانا دیتیں اور ہمیں نصیحت فرماتیں کہ اس کو تنگ نہ کیا کرو۔

ایک دفعہ ایک شادی کی تقریب کے موقع پر میں آپ کے ساتھ ایک ہوٹل میں گئی۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھایا۔ اور اپنے دستِ مبارک سے مجھے کھانا ڈال کر دیا۔ اس پر پاس بیٹھی ہوئی ایک خاتون نے بڑی حیرت سے کہا کہ آپ اپنی خادمہ کو اپنے ساتھ کھلاتی ہیں۔ میں تو ایسے کبھی نہ کروں آپ نے فرمایا کہ اسے مَیں نے بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا ہے جب یہ میرا خیال رکھتی ہے تو مَیں کیوں اس کا خیال نہ رکھوں۔

ایک دفعہ آپ کی طبیعت بڑی ناساز تھی۔ آپ نے مجھے بُلایا مَیں گئی تو بڑی محبت سے ملیں حالانکہ آپ کو بات کرتے ہوتے دِقّت محسوس ہو رہی تھی اس کے باوجود آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا کہ زہرہ کو پانی پلاؤ اور اس کے میاں کو بٹھاؤ۔

مَیں وہ خوش نصیب ہوں کہ جس کی شادی بھی آپ کے مبارک ہاتھوں ہوئی۔ بعد میں جب بھی آپ سے ملنے کے لیے جاتی تو پوچھتیں کہ تم اپنے گھر میں خوش ہو نا! تمہیں خوش دیکھ کر مجھے تسلّی ہو گئی ہے۔ پھر مجھے دلکش انداز میں نصائح فرماتیں۔ مَیں سمجھتی ہوں کہ آپ کا مجھ ناچیز پر یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ میں اس کا بدلہ کسی طور ادا نہیں کر سکتی۔ بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ مَیں نے آپ کی بڑی خدمت کی ہے لیکن میں سوچتی ہوں کہ آپ نے مجھ پر جس قدر احسانات کئے اور میرے لیے جتنی دُعائیں کیں اس کے مقابلہ میں میری خدمت کیا معنی رکھتی ہے مجھے اس بات پر فخر تھا اور ہے کہ میں آپ کی خادمہ ہوں اور آپ نے بھی مجھے بڑی محبت اور عزت سے بیٹیوں کی

طرح رکھا۔

اتنے اچھے لوگوں کو بھلانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے بلکہ ناممکن جب بھی ان کا خیال آتا ہے تو آنکھوں میں آنسو اُمڈ آتے ہیں اور دل سے دُعا نکلتی ہے کہ مولا کریم آپ کی رُوح پر ہزاروں ہزار برکتیں نازل فرماتے اور ہمیں آپ کے اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

بابرکت وجود

(از محترمہ بشریٰ نسرین صاحبہ چونڈہ ضلع سیالکوٹ)

خاکسارہ کو جب آپ سے تعلق پیدا کرنے کی سعادت ملی تو آپ کی محبت اور شفقت نے اس تعلق میں مزید برکت پیدا کر دی۔ ربوہ میں قیام کے دوران اکثر آپ سے شرف باریابی حاصل ہوتا آپ میرے بارہ میں اکثر فکرمند رہتیں کہ اس کی شادی ہو جاتے چنانچہ مجھ سے تعلق رکھنے والوں کو خصوصی تاکید فرماتیں کہ اس کی شادی کی کوشش کرو۔ میں اس سلسلہ میں اگر صحت کی کمزوری کا اظہار کرتیں تو اسے ناپسند فرماتیں۔

آپ کا وجود مہبط برکاتِ الٰہیہ تھا۔ جو کوئی آپ سے ملنے جاتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ گو آپ سے میرا تعلق چند سالوں سے ہی تھا، لیکن پہلی دفعہ جب

آپ سے تعارف حاصل ہوا تو آپ کی محبت ایک مادرِ مہربان کی طرح محسوس ہوتی۔ محترمہ پھوپھی جی طاہرہ رشید الدین کے ذریعہ آپ کو میرے کچھ گھریلو حالات کا علم ہوا تو آپ کے قلبِ صافی میں مجھ عاجزہ کے لیے بے حد ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ مَیں بھی آپ سے بے تکلفانہ باتیں کرنے لگی آپ کی محبت بھری نگاہیں اور دل آویز مسکراہٹ آج بھی میری چشمِ تصور میں ہے اور ایک عجیب قسم کی روحانی لذّت و سرور بخشتی ہے میں جب کبھی دبانے کی خواہش کا اظہار کرتی تو فرماتیں تم میرے سامنے بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرو۔ آپ پاکیزہ مزاح بھی فرماتیں۔ بعض دفعہ بہت قریب بٹھا کر میرے خاص مسئلہ کے بارہ میں پُر لطف گفتگو فرماتیں اور مفید مشوروں سے نوازتیں ..... میری بعض خواہشات کو ازراہِ شفقت آپ نے پورا فرمایا میری آٹوگراف بک پر آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دستخط بھی کئے جب مجھ سے مانوس ہو گئیں تو میری دبانے کی خواہش کو خوشی سے قبول فرماتیں آپ کی خادمۂ خاص عزیزہ زہرہ بیگم کی تقریبِ شادی آپ کے بابرکت گھر میں دیکھنے کی توفیق ملی آپ کے ہاں میرا تعارف "بشریٰ چونڈہ" کے نام سے ہوا۔ ایک دفعہ مذاقاً فرمانے لگیں کہ نوکروں نے تمہارا نام بشریٰ چونڈہ رکھ دیا ہے جب کبھی ملاقات میں دیر ہو جاتی تو بار بار فرمایا کرتیں کہ بشریٰ بہت دنوں سے آئی نہیں۔

آپ کے بابرکت وجود سے خاکسارہ کو اس قدر انس اور محبت پیدا ہو گئی کہ ربوہ سے واپس آنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ آپ کی چاہت سے ایک

عجیب روحانی سکون ملتا۔ ہر دوسرے چوتھے روز آپ سے ملنا ایک معمول بن جاتا۔ آپ کے بارُعب نورانی چہرے میں ایک مقناطیسی کشش تھی۔ جذب و اثر میں ڈوبی ہوئی نصائح سے پُر یہ نیک باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی دل آپ کی یاد سے غمگین سا ہو جاتا ہے، لیکن یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ ہر کسی نے اس جہانِ فانی سے رُخصت ہونا ہے ؎

گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جُدا ہے
شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

۞ ۞ ۞

حضرت صاحبزادہ مرزا البشیر احمد صاحب کی وفات پر مدیرہ مصباح کے نام حضرت سیدہ دُخت کرام کا

ایک خط

عزیزہ مکرمہ شوکت صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ - السلام علیکم !

آپ کا خط درمطالبہ مضمون ملا - مجھے حضرت منجھلے بھائی سے غیر معمولی محبت تھی - نہ میں بیان کر سکتی ہوں نہ آپ سمجھ سکتی ہیں - کہ باوجود اتنی چھوٹی بہن ہونے کے میرے ان کے تعلقات کس قدر دوستانہ قسم کے تھے ہمت اور عادت ہو تو مضمون کیا کتاب لکھ دوں - مگر کبھی یہ کام کیا نہیں - آج تک لکھنے لکھانے پر کبھی توجہ نہ دی - نہ فرصت ملی - پھر بھی کوشش کرتی دل کے تقاضہ سے مجبور ہو کر - پر میں تو ان کی وفات کے بعد ہی سے ہائی بلڈ پریشر اور منہ سے بلیڈنگ اور خدا جانے کن کن امراض میں گرفتار ہوں - یہ تین ماہ قریباً روزانہ ہی ڈاکٹروں کی حاضری دیتے گذرے ہیں - اسی وجہ سے تو باوجود سخت تڑپ کے سیدنا بھائی صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کی ملاقات سے بھی معذور ہوں اب اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو انشاء اللہ اسی ہفتہ ربوہ آنے کا ارادہ رکھتی ہوں - اب کوشش کروں گی کہ کبھی مصباح کو کچھ لکھ کر ضرور بھجواؤں بشرط صحت و زندگی ——— خدا حافظ

امۃ الحفیظ

☆

عظیم الشان خدائی نشانوں کی مظہر ایک عظیم ہستی

(محترمہ امۃ القیوم صاحبہ والدہ طاہر احمد صاحب ربوہ)

خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشانوں کی مظہر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مقدس ہستی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان پانچ انمول ہیروں میں سے ایک تھیں جو وحیٔ الٰہی کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر پیدا ہوئیں۔ حضرت اماں جان جو کہ سادات خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ یہ پانچوں آپ کے ہی بطن سے پیدا ہوتے اور ان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ سب ہی خدا تعالیٰ کی خاص بشارتوں کے تحت پیدا ہوتے۔

آپ اس مبشر اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں اور جماعت میں چھوٹے بیگم صاحبہ کے نام سے معروف تھیں...... حضرت بیگم صاحبہ کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکتوں کا مظہر تھا اور آپ سے حضرت اقدس کی خوشبو آتی تھی۔ اور حضور کے قرب کا احساس ہوتا تھا۔ آپ حضور کے آنگن میں سدا بہار پھول بن کر مہکیں اور تناور درخت بن کر پھلیں اور پھولیں۔ آپ وہ خوش بخت اور خوش نصیب وجود تھیں کہ آپ نے حضور کے لگاتے ہوتے چمن کی بے شمار بہاریں پائیں اور حضور کی روزِ روشن کی طرح پوری ہونے والی ان گنت پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا۔

آپ نے حضور کے ہاتھ سے احمدیت کے لگائے ہوئے پودے کو تناور درخت بنتے اور پھولتے پھلتے دیکھا۔ اس کے شیریں پھل کھاتے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے چمن کی بہاروں سے بھی آپ لطف اندوز ہوئیں اور ایک دور کی نسل کو پایا۔ اور بہترین کامیاب زندگی گذاری۔ اسی طرح خلافتِ احمدیہ کے فتح ونصرت اور تائید ربانی کے چار شاندار زمانے اور خدائی قدرتوں کی ایمان افروز جلوہ نمائی دیکھی۔ حضرت بیگم صاحبہ کے مبارک وجود میں اپنے مقدس والدین کا رنگ نمایاں تھا۔ آپ صاحبِ رویاء وکشوف والہام تھیں۔ آپ جماعت کے لیے خصوصاً اور تمام دُنیا کے لیے عموماً خیر وبرکت حفظ وامان اور رحمتوں کا باعث تھیں۔ چاند کی مانند چمکتا روشن اور حسین چہرہ نورِ ایمان کی شعاعوں سے منوّر تھا۔

جانے والے تو چلے جاتے ہیں لیکن مبارک ہوتے ہیں وہ وجود جن کی یاد دلوں میں تازہ رہتی ہے اور جن کے نام پر جذبات کا ایک سمندر اُمڈ آتا ہے۔ سوچتی ہوں کہ آپ کی علو شان اور ان بے مثال صفات کو کن الفاظ میں بیان کروں اور کون سے رنگوں سے ان نقش ونگار کو نکھاروں کہ آپ کے مبارک وجود کے اعلیٰ اخلاق اور اس کے نمایاں پہلو اجاگر ہو سکیں۔

آپ دُعاؤں کا ایک خزانہ تھیں اور مخلوقِ خدا کے لیے ایک دردمند دل رکھتی تھیں۔ دل میں شفقت اور محبت کا ایک سمندر موجزن تھا۔ اپنوں اور بیگانوں کے دُکھ درد کو محسوس کرتیں۔ ایک مشفق ماں کی طرح خدا تعالیٰ کے حضور تڑپ تڑپ کر گریہ وزاری کرتیں دن رات بے شمار اپنے پرائے خطوط کے

ذریعے اور ملاقاتوں پر دُعا کی درخواست کرتے تو آپ ان کے لیے راتیں جاگ جاگ کر خدا تعالیٰ سے خیر طلب کرتیں اور ان کے لیے فکر کرتیں آپ کے لیل و نہار دُعاؤں سے مزیّن تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا تھا۔ یہاں تک کہ زبان میں بھی برکت تھی۔ جو بات آپ کے منہ سے نکل جاتی خدا تعالیٰ اپنے فضل سے پوری فرما دیتا۔ آپ کو عرفان الٰہی حاصل تھا۔ اور خدا تعالیٰ پر کامل توکّل تھا۔ جماعت بھی آپ سے والہانہ پیار کرتی تھی اور آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

ضعیف العمری کے باوجود آپ کا چہرہ پُرکشش اور نورانی تھا۔ باوقار خوش خلق تھیں بات کرنے کا انداز اس قدر حسین کہ دوسروں کو موہ لیتیں خدا تعالیٰ پر کامل توکل اس کی ذات سے پوری وابستگی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ احمدیت کے ساتھ گہری محبت تھی بہت ذہین و فہیم تھیں۔ جلد بات کی تہہ تک پہنچ جاتیں اور کبھی بے مقصد بات نہ کرتیں آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چشم و چراغ تھیں اور شہزادیوں کی طرح پرورش پائی تھی۔ رئیس مالیر کوٹلہ کی بیگم تھیں ان تمام بلند شانوں کے باوجود آپ کے چہرہ پر اپنی شان و شوکت کے کوئی آثار نہ تھے نہایت منکسر المزاج تھیں۔ بے پناہ عاجزی تھی آپ کی طبیعت میں۔ جب بھی کوئی ملنے والی آپ سے محبت کے جوش میں ہاتھوں کو بوسہ دیتی تو آپ کے چہرے سے عاجزی کے آثار نمایاں ہوجاتے۔ جو کسی جاہ و حشمت والے امراء میں دیکھنے میں نہیں آتے تکبر اور بڑائی کا کوئی شائبہ آپ کے کسی عمل میں

نہ تھا۔ جس کو ایک بار آپ سے ملنے کا موقع ملا۔ اس پر آپ کے تقدس کے گہرے نقوش مترتب ہو جاتے۔ بار بار ملنے کو جی چاہتا ہر بار ملنے سے ایمان تازہ ہوتا۔ اور اس میں مزید اضافہ ہوتا دل سکون پاتا۔ بڑھاپا تھا۔ بیمار جسم لیکن آپ کی بشاشتِ قلبی اور خوش خلقی میں کوئی کمی نہ تھی۔ لباس عمدہ اور عمر کی مناسبت سے ہوتا آپ کے پاس سے ہر وقت ہلکی ہلکی مہک آتی رہتی تھی۔

غرض آپ کی ذات اخلاقِ کریمانہ کی حامل تھی آپ کے اندر پہاڑ جتنا حوصلہ تھا ایک جوان اور بہادر دل تھا۔ کمال درجہ کی صابر اور شاکر تھیں لفظوں میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ سب خوبیاں بیان ہو سکیں جو آپ میں تھیں جہاں آپ پر خدا تعالیٰ کے اَن گنت فضل و کرم تھے وہاں آپ نے بھاری غم بھی اُٹھائے، لیکن آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ کس قدر بلند حوصلگی اور صبر سے ان کو برداشت کیا۔ اپنے پیارے اور مقدس عزیز ایک ایک کر کے آپ سے جُدا ہوتے گئے۔ جلیل القدر ماں باپ۔ بہن بھائی۔ آپ کے میاں نیز سب سے چھوٹے داماد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث۔ حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ سب آپ کے سامنے اس فانی دُنیا سے رخصت ہو گئے لیکن آپ نے کبھی بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ اپنے ربّ کریم کی رضا پر صابر و شاکر رہیں بڑے صبر و تحمل کا مظہر تھیں یہ سب ربّ العالمین کے ساتھ گہرے تعلق اور سچی وابستگی اور تقویٰ کا پر تو ہی تو تھا۔

آپ کا وجود آپ کے بلند پایہ اخلاق کی وجہ سے آپ کے اعلیٰ حسب و

نسب کی غمازی کرتا تھا اپنوں اور غیروں سے حسنِ سلوک مخلوق خدا پر رحم و شفقت آپ کا نمایاں وصف تھا۔ آپ میں اپنی شان و شوکت کا کوئی اظہار نہ تھا۔ نہ طبیعت میں نمود و نمائش تھی نہ آن بان تھی۔ نہ ہی کسی سے حسد نہ کسی کی عظمت و شان سے مرعوب۔ کچھ بھی تو نہ تھا۔ جو کچھ تھا وہ سب خدا تعالیٰ کی خاطر تھا ایک مصفیٰ اور پاک وجود تھا۔ جو مظہر صفاتِ باری تعالیٰ تھا۔

ایک دفعہ میں نے حضور کے متعلق دیکھا ہوا ایک خواب بیان کیا آپ سن کر بے قرار ہو گئیں اور آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے شدت جذبات سے آپ کی آواز حلق میں اٹک گئی کانپتے ہوتے ہاتھوں سے آپ اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں پھر آپ نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا "قیوم تمہارا خواب بہت بابرکت ہے۔ حضور کو ضرور لکھو اور دُعا کے لیے بار بار لکھواب خدا تعالیٰ تمہارے سارے کام خود کر دے گا۔ تم گھبراؤ نہیں اور فکر نہ کرو" مجھے تسلّی دے رہی تھیں اور اپنی حالت یہ تھی کہ آنسو تھم نہیں رہے تھے۔ حضور کو دُعا کے لیے اور اپنے حالات لکھنے کے لیے اکثر مجھے نصیحت فرمایا کرتیں۔

پھر میرا بیرون ملک جانے کا پروگرام بنا کسی نے آپ سے بھی ذکر کر دیا آپ نے مجھے بلوایا اور پوچھا میں نے دُعا کے لیے عرض کیا آپ نے بڑی اُداسی سے فرمایا۔ اچھا تم بھی جا رہی ہو میں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ بیٹا اتنے سالوں سے باہر ہے اس لیے جانا چاہتی ہوں یہ سن کر فرمایا اچھا ٹھیک ہے چلی جاؤ لیکن سارے بچوں کو ساتھ لے جاؤ اور جانے سے

پہلے مجھے مل کر جانا۔ مجھے ملے بغیر نہ چلی جانا۔ ساتھ ہی بہت سی نصیحتیں بھی فرماتیں کہ وہاں کا ماحول اچھا نہیں بچوں کی گھر میں دینی تربیت کرنا وہاں کے بُرے اثرات سے بچا کر رکھنا۔ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھانا۔ نمازوں کے پابند کرنا وغیرہ۔

جب بھی مجھے چند دن آپ کے پاس گئے دیر ہو جاتی۔ تو آپ مجھے یاد فرماتیں اور کہتیں کہ "بس قیوم تو چلی گئی ہے"۔ اور پھر جب میں ملنے جاتی تو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتیں اور فرماتیں۔ "میں تو سمجھی تھی کہ تم چلی گئی ہو۔" میں عرض کرتی کہ آپ کو ملے بغیر کیسے جا سکتی ہوں میں آپ کو مل کر جاؤں گی۔ پھر میں نے بتایا کہ ابھی میرے جانے میں رکاوٹ پڑ گئی ہے آپ دُعا کریں اور میں نے وہاں زیادہ دیر نہیں رہنا۔ اور میرا دل آپ کے بغیر نہیں لگے گا۔ میں جلد واپس آجاؤں گی۔ آپ نے ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا جو جاتا ہے وہ کب واپس آتا ہے۔ تم کیسے واپس آؤ گی؟ پھر آپ آبدیدہ ہو گئیں۔ مجھے معاً احساس ہوا کہ جو کوئی جاتا ہے سب ہی واپس آجاتے ہیں اگر کوئی پلٹ کر ابھی تک نہیں آیا تو وہ حضور ہیں جس کا آپ نے اظہار کیا۔ مجھے بڑا صدمہ ہوا اور اس سے آگے بات کرنے کی مجھے ہمت نہ پڑی۔ قدرت کے کام دیکھیں کہ خدا تعالیٰ نے میرے جانے میں رکاوٹ ڈال دی لیکن جب آپ کی وفات ہوئی تو اس کے بعد وہ رکاوٹ خود بخود دور ہو گئی۔

آپ کے دل میں دوسروں کے لیے بہت درد تھا۔ آپ ہر ایک کے لیے

ذرا ذرا سی بات کا فکر کرتی رہتیں آپ کی پوتی امۃ الاعلیٰ ماہم کی شادی تھی۔ مَیں نے مبارک باد دی فرمایا دُعا کرو مجھے بڑی فکر ہے بارات نے دور سے آنا ہے خدا تعالیٰ شادی بخیر وعافیت کر دے اور یہ خوشی دائمی ہو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے گرمیاں تھیں میں آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوتی آپ نے خادمہ کو فرمایا قیوم کے لیے شربت بنا کر لاؤ اسے پیاس لگی ہوگی۔ پھر فرمایا "قیوم دیکھو ابھی باچھی (محترمہ بی بی امۃ الباسط صاحبہ جن کو پیار سے سب باچھی کہتے ہیں) آئی اور تھوڑی دیر باتیں کرکے جلدی سے چلی گئی تو اچانک مجھے خیال آیا۔ کہ باچھی اتنی جلدی کیوں چلی گئی۔ تو مَیں نے اس کو فون کرکے پوچھا کہ باچھی تم ابھی آئی اور فوراً چلی گئی کیا بات تھی۔ اس نے کہا پھوپھی جان مجھے پیاس لگی تھی۔ تو مَیں نے باچھی سے کہا کہ کیا یہ تمہارا گھر نہ تھا۔ تم نے کیوں نہیں بتایا کہ تمہیں پیاس لگی ہے پھر فرمایا دیکھو باچھی نے کیا کیا۔ پانی پینے گھر چلی گئی۔ مشکل تو یہ ہے کہ مجھے پیاس نہیں لگتی۔ جس کی وجہ سے مجھے یاد نہیں رہتا کہ کسی کو پانی کا پوچھوں۔ اتنے میں خادمہ شربت لے آئی تو آپ نے اپنے ہاتھ سے دیا۔ بی بی کے جانے کا آپ کو اس قدر افسوس تھا کہ آپ بار بار ذکر کرتی تھیں۔ پھر آپ نے خادمہ کو تاکید کی کہ تم خود ہر آنے والے کو پانی پوچھ لیا کرو۔ مجھے تو یاد نہیں رہتا۔

اسی طرح محترمہ بی بی امۃ الرشید صاحبہ کی بیٹی کی شادی تھی آپ کو بہت فکر لگا ہوا تھا مجھے فرمایا دیکھو رشید کی بیٹی کی شادی ہے پتہ نہیں وہ کیسے سارے کام کرے گی۔ تم بھی جا کر پوچھ لینا اور اس کی مدد کر دینا۔

محترمہ آپا لیلیٰ بچپن سے آپ کے پاس رہتی تھیں وہ بیمار تھیں ان کی بیماری سے آپ بہت پریشان تھیں۔ دُعائیں بھی کرتیں۔ روزانہ خادم کو کبھی دوائیاں اور کبھی کھانا وغیرہ دے کر ان کا پتہ لینے بھجواتیں۔ مجھے بھی فرمایا کہ لیلیٰ بے چاری اکیلی اور بیمار ہے تم کبھی کبھی چلی جایا کرو۔

جب حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کی وفات ہوئی تو جماعت پر بڑا کٹھن وقت تھا آپ نے اس عظیم صدمہ کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ مَیں افسوس کے لیے گئی تو آپ صوفہ پر خاموش بیٹھی تھیں آپ کی طبیعت خراب تھی۔ مَیں مصافحہ کرنے کے لیے آگے بڑھی تو آپ کی ایک بیٹی نے کہا امی جان کی طبیعت خراب ہے آپ مصافحہ نہ کریں۔ میرا دل شدتِ غم سے بھرا ہوا تھا۔ مَیں بے ساختہ رونے لگی۔ آپ بیٹی کو ناراض ہوتیں فرمایا تم نے اسے کیوں منع کیا ہے اور بڑے پیار سے اپنا ہاتھ آگے کر کے مصافحہ کیا اور فرمایا تم ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔ مَیں نیچے قالین پر بیٹھ گئی لیکن آپ نے اصرار فرمایا کہ میرے پاس بیٹھو۔ چنانچہ مَیں اوپر بیٹھ گئی اور پھر بڑی محبت سے فرمایا دیکھو صبر کا وقت ہے صبر کرو۔ رونا نہیں خدا تعالیٰ کو رونا پسند نہیں دُعائیں کرو پھر میرے بچوں کا حال پوچھتی رہیں اور میری دلجوئی فرمائی۔

آپ میرے ساتھ ایک مشفق ماں کی طرح شفقت فرماتی تھیں اکثر مَیں آپ کے پاس جاتی تو خادمہ باہر سے ہی مجھے کہتی کہ بیگم صاحبہ یاد فرما رہی تھیں یا پھر عموماً کسی نہ کسی کے ہاتھ مجھے پیغام بھجوا دیتیں۔

رمضان المبارک تھا میں روزے سے تھی۔ دوپہر سخت گرم تھی۔ میں محترمہ بی بی امتہ العزیز صاحبہ کو مل کر واپس لوٹی تو نصرت گرلز سکول کے سامنے جب آئی (وہاں سے آپ کی کوٹھی کو سڑک جاتی ہے) تو مجھے حضرت بیگم صاحبہ سے ملنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ سوچا قریب آئی ہوں آپ سے بھی مل آتی ہوں اور دُعا کے لیے عرض کر دوں گی چنانچہ میں چند قدم آپ کے گھر کی طرف چلی تو خیال آیا کہ دوپہر ہے آپ آرام فرما رہی ہونگی مجھے روزہ بھی لگ رہا تھا اس خیال سے میں پھر اپنے گھر کی طرف مڑی لیکن معاً دل نے الارم دیا کہ نہیں حضرت بیگم صاحبہ کو مل کر جانا ہے چنانچہ اسی کشمکش میں سکول کے سامنے میں نے تین چکر لگاتے کبھی میں آپ کے گھر کی طرف جاتی کبھی واپس مڑتی آخر دل نے یہ فیصلہ دیا کہ چلو تو سہی اگر آپ سو رہی ہونگی تو واپس آجانا اور مجھے اپنی اس حالت پر خود بھی بہت شرم آئی کہ سامنے دکان پر بیٹھنے والے لوگ کیا کہتے ہونگے کہ اس عورت کو کیا ہوا ہے کبھی آتی ہے۔ کبھی جاتی ہے آخر کار میں آپ کے گھر چلی گئی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ میں آپ کے آرام کے خیال سے دبے پاؤں کمرہ میں داخل ہوئی آپ نیم وا آنکھیں کئے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ خادمہ قریب اخبار بینی کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی خوشی سے آپ کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اور چہرہ مسرت سے کِھل گیا۔ جیسے آپ میرا انتظار فرما رہی تھیں میں نے سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ قیوم اِدھر آؤ میں قریب گئی تو آپ نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے

ساتھ فرمایا۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں الہام ہوتا ہے۔ مجھے جہاں حیرت تھی وہاں بے انتہا خوشی بھی ہوتی۔ میں نے پوچھا بیگم صاحبہ کیا بات ہوتی ہے آپ نے بڑے مزے سے مسکراتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں فرمایا۔ میرا بڑا دل چاہ رہا تھا تمہیں ملنے کو ابھی ابھی میں تمہیں یاد کر رہی تھی، لیکن پریشان تھی کہ تمہارے گھر کس کو بھجواؤں۔ اسلم کو بھی تمہارے گھر کا پتہ نہیں تم کس طرح اتنی جلدی آگئی ہو۔ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ میں یاد کر رہی ہوں مجھے تم سے ضروری کام تھا۔

اسی طرح ایک دن میں آپ کی ملاقات کے لیے گئی تو آپ سو رہی تھیں میں کچھ دیر انتظار کے بعد اُٹھ کر چلی آئی کیونکہ نماز کا وقت بھی ہونے والا تھا۔ جب میں آپ کی کوٹھی کی سڑک کے آخری موڑ پر پہنچی تو مجھے پیچھے سے آواز آئی جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ میں سمجھی کہ پہریدار میرے پیچھے مجھے بُلانے آیا ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سڑک پر اور آپ کے گیٹ پر کوئی نظر نہیں آیا۔ میں اس کو اپنا خیال سمجھ کر گھر آگئی، لیکن جب میں دوبارہ آپ کے ہاں گئی تو آپا بیلیٰ نے مجھے بتایا۔ کہ اس دن تم نکل کر گئی ہو کہ بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی۔ جب میں نے آپ کو بتایا کہ قیوم بھی آئی تھی اور اب واپس چلی گئی ہے تو آپ نے فرمایا جاؤ اس کو بُلاؤ۔ وہ کہتی ہیں کہ میں تمہارے پیچھے گیٹ تک بھاگی گئی ہوں۔ لیکن پہرے دار نے بتایا کہ وہ تو جا چکی ہیں وہ کہتی ہیں کہ بیگم صاحبہ کو بہت افسوس ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کو ٹھہرا لینا تھا۔ میری تو تھوڑی دیر کے

لیے آنکھ لگ گئی تھی۔ اب دیکھیں کہاں کوٹھی اور کہاں سڑک کا آخری موڑ کافی فاصلہ ہے۔ مجھے یہ سن کر احساس ہوا کہ وہ آواز ٹھیک ہی تھی جس کو مَیں وہم سمجھ کر واپس چلی گئی۔

میری ایک بیٹی ڈاکٹر ہے اس نے آرمی میں سروس کے لیے اپیلائی (APPLY) کیا ہوا تھا۔ مَیں نے آپ کی خدمت میں دُعا کے لیے عرض کیا۔ بظاہر کامیابی کی کوئی اُمید نہ تھی۔ کیونکہ فارم پر احمدی لکھا ہوا تھا۔ بیٹی اکثر کہتی کہ مجھے تو آرمی والے کبھی نہیں بلائیں گے۔ مَیں اس کو بھی دُعا کے لیے کہتی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دُعاؤں سے ایسا فضل فرمایا کہ عزیزہ نے انٹرویو اور پرچے میں بہت اچھے نمبر لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی اس کو منتخب کر لیا گیا مَیں نے حضرت بیگم صاحبہ سے ذکر کیا تو آپ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے اور رقّت بھری آواز میں فرمایا۔ بیٹی کو کہنا کہ وہ ہمیشہ احمدیت کو ہر جگہ مقدم رکھے اور کہیں بھی کسی موقع پر احمدیت کو نہ چھپاتے اور نہ گھبراتے اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کی ہر جگہ مدد فرماتے گا۔

مَیں جب بھی حضرت بیگم صاحبہ کو ملنے جاتی تو آپ کی صحت کے لیے دُعا کر کے جاتی اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کی طبیعت بہت اچھی ہوتی اور آپ ہشاش بشاش ملیں، لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ طبیعت خراب ہوتی۔

اسی طرح ایک دن آپ کی طبیعت کافی خراب تھی لیکن پھر بھی آپ نے اندر بُلا لیا اور مجھے بتایا کہ مَیں تین دن بے ہوش رہی ہوں مجھے کچھ ہوش نہ تھا کہ گھر میں کون آیا ہے کون گیا۔ اس وقت بھی آپ کو نقاہت

تھی مجھے سن کر بہت دُکھ ہوا۔ میں نے آپ کی توجہ ہٹانے کے لیے کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں اور بچوں کی باتیں سنائیں پھر مذاقاً کہا کہ کبھی آپ نے اپنا چہرہ شیشے میں دیکھا ہے کس قدر حسین اور پیارا ہے اس پر کوئی جھری نہیں اس عمر میں کسی کا ایسا صاف شفاف چہرہ نہیں ہوتا۔ مجھے دیکھیں آپا لیلیٰ کو دیکھیں ہم آپ کے سامنے عمر میں بڑی لگتی ہیں آپ ذرا بھی بیمار نہیں لگتیں بس آپ کو صرف خیال ہے آپ کھاتی کچھ نہیں۔ کھائیں تو آپ کی کمزوری دُور ہو۔ میں بولتی رہی اور آپ مجھے دیکھ کر مسکراتی رہیں پھر میں نے کہا کہ آپ فلاں چیز کھائیں۔ پھل کھائیں آپ نے فرمایا میرے حلق سے یہ چیزیں اترتی ہی نہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے پیٹ ہر وقت بھرا ہوا ہو میں نے عرض کیا اچھا اور کچھ نہیں تو مکھن کو دوائی سمجھ کر ایک چمچہ چائے کے گھونٹ سے گذار لیا کریں آخر آپ اتنی دوائیاں کھاتی ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن میں گھر سے مکھن نکال کر لے گئی۔ اور کھانے کے لیے اصرار کر کے آئی۔ دوبارہ گئی تو خادمہ نے بتایا کہ بیگم صاحبہ وہ مکھن ناشتہ میں کہہ کر منگواتی ہیں۔ کہ قیوم جو مکھن لائی تھی وہ لاؤ پھر جیسے آپ نے کہا تھا اسی طرح ایک چمچہ بڑی مشکل سے کھا لیتی ہیں۔ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور ملنے پر فرمایا۔ قیوم تم جو مکھن لائی تھی وہ میں نے کھا لیا ہے تمہارے مکھن کا رنگ بہت سفید اور خوبصورت تھا۔ مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ باورچی جو مکھن نکالتا ہے اس کا رنگ مجھے پسند نہیں اور میرا دل نہیں کرتا کھانے کو۔

آپ کو پہلو میں چوٹ لگ گئی۔ آپ کو بہت تکلیف تھی۔ میں گئی تو

سارا واقعہ بتایا کہ اس طرح چوٹ لگی۔ میں نے ٹکور بتائی تو فرمایا۔ قیوم ٹھیک کہتی ہے اور پھر ٹکور کرواتی رہیں۔ بالکل ایک معصوم بچے کی طرح آرام سے بات مان لیتی تھیں۔ آپ کے دل میں شفقتوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ میرے بچوں کے ساتھ بے حد پیار تھا۔ ایک ایک بچے کا حال پوچھتیں۔ بیٹیوں کے لیے بہت دُعائیں کرتیں۔ میری بڑی بیٹی نے آپ سے خواہش کی کہ مجھے کچھ لکھ کر دیں آپ نے اس کی ڈائری لے کر رکھ لی اور فرمایا کہ جب میری طبیعت اچھی ہوگی میں لکھ رکھوں گی پھر لے جانا آپ نے اس پر اپنے دست مبارک سے یہ تحریر لکھی۔

"عزیزہ امۃ الرفیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں
نیک نصیب کرے۔ ہر شر سے محفوظ رکھے۔ نیک جوڑا ملے
جو گھر کو جنت بنا کر رکھے۔ آمین

امۃ الحفیظ بیگم"

آپ ہمیشہ فرماتیں مجھے تمہاری بیٹیوں کی بہت فکر ہے۔ سارے بچوں کے پیار سے خود الگ الگ نام رکھے ہوئے تھے۔

میری بیٹی عزیزہ امۃ الوحید کی شادی پر آپ اپنی صحت کی وجہ سے گھر تشریف نہ لاسکیں، لیکن اس کے لیے بہت دُعائیں کرتی رہیں اس کے بارہ میں اتنا فکر تھا کہ ایک ایک بات اس کے متعلق دریافت فرماتیں۔ پھر میں اس کو ملاقات کے لیے لے گئی تو آپ نے اس کو اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ پیار کیا اور تحفہ بھی دیا۔ اور ڈھیروں دُعائیں دیتی رہیں۔

میری بیٹی ڈاکٹر امۃ الرقیب تعلیم کے سلسلہ میں اکثر باہر رہی اس کو بہت یاد فرماتیں اور اس کی کامیابی کے لیے دُعا ئیں کرتیں وفات سے چند دن پہلے گھر پر گاڑی بھجوائی اور اس کو بلوا بھیجا اس کے ساتھ ثمرہ بھی گئی ۔ آپ دونوں کے ساتھ بے حد محبت اور شفقت سے پیش آئیں بڑی دیر تک ان سے گفتگو فرماتی رہیں ۔ بیٹی کو اپنے ڈاکٹری نسخہ جات دکھاتے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بتایا ۔ کہ یہاں اکثر درد رہتا ہے اور بھوک نہیں لگتی عزیزہ نے پیٹ کا معائنہ کیا ۔ پھر آپ نے فرمایا ۔ کہ تم کبھی کبھی آجایا کرو۔ اور پھر خود ہی فرمایا نہیں مَیں تمہیں گاڑی بھجوا دیا کروں گی ۔ بیٹی نے عرض کیا آپ جب چاہیں میں آجایا کروں گی پھر آپ نے اس کے متعلق ذاتی سوالات کر کے گھر کے حالات دریافت فرماتے ۔ اس کو تسلی دی ۔ تم فکر نہ کرو ۔ خدا تعالیٰ تمہارے سارے کام خود کر دے گا ۔ خادمہ سے ان کے لیے چائے اور مٹھائی منگوائی اور اصرار کے ساتھ پلوائی ۔ بچیاں جب گھر آئیں تو خوشی سے ان کے چہرے چمک رہے تھے ۔

محترمہ سیدہ بی بی امۃ المتین صاحبہ کے دو بیٹوں کی آمین تھی ۔ سارا خاندان آیا ہوا تھا ۔ میری بیٹی عزیزہ امۃ الوحید بھی میرے ساتھ تھی اس نے ان سب کو دیکھ کر بڑی ہی معصومیت سے مجھ سے پوچھا ۔

"امی یہ لوگ ہمارے جیسے غریبوں کے گھر میں آجاتے ہیں"۔

مجھے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور اس پر ترس بھی آیا کہ اس نے کس حسرت سے یہ بات کہی ہے ۔ مَیں نے اس کو تسلی دی کہ ہاں آجاتے ہیں تو اس

نے پھر کہا کہ "پھر آپ ان کو اپنے گھر بُلائیں۔" مَیں اچھا کہہ کے بعد میں یہ بات بھُول گئی، لیکن خدا تعالیٰ کا پیار دیکھیں کہ وہ اپنے بندوں سے کتنا پیار کرتا ہے اُس کو اس معصوم بچّی کی یہ بات کتنی پیاری لگی کہ وہ نہیں بھُولا۔ اس نے اپنی رحمت سے اس بیٹی اور اس سے بڑی بیٹی کی آمین کرنے کی ہمیں توفیق بخشی اور اس معصوم خواہش کو کہ یہ لوگ ہم جیسے غریبوں کے گھروں میں بھی آجاتے ہیں اپنے کرم سے کیسے پورا فرمایا۔ کہ ہمارے غریب گھر میں حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے لے کر خاندان کے تمام پیارے پیارے وجود آئے اور ہمارا گھر منوّر ہو گیا۔ حضرت سیّدہ بڑے بیگم صاحبہ تقریباً ایک گھنٹہ ہمارے گھر میں رہیں۔ اسی طرح حضرت چھوٹے بیگم صاحبہ کو بھی بُلایا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس دن آپ کی کسی پُرانی خادمہ کے بیٹے کی شادی تھی وہاں بھی آپ نے لازماً جانا تھا۔ ہم ابھی انتظامات میں مصروف تھے۔ گھر اُلٹ پُلٹ تھا باہر سے طاہر احمد بھاگا ہوا آیا۔ امّی امّی حضرت بیگم صاحبہ آگئی ہیں میں جلدی میں جو دوپٹہ ملا سر پر رکھ کر کمرہ سے باہر نکلی تو آپ برآمدہ میں تشریف لاچکی تھیں اور آپ کے ساتھ آپ کی بڑی صاحبزادی محترمہ آپا طیبہ بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ آپ نے مجھے گلے لگایا اور پھر بچیوں کے لیے تحفہ دے کر مبارکباد دی۔ اور فرمایا۔ کہ مَیں پہلے اس لیے آگئی ہوں کہ شام کو مَیں نے ایک شادی میں ضرور جانا تھا مَیں نے تمہاری خوشی میں بھی شامل ہونا تھا۔ اب تم شکوہ نہ کرنا کہ مَیں نہیں آئی۔ یہ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ اطوار کا ایک بہترین نمونہ تھا کہ آپ نے ہماری خوشی کو پورا فرمایا۔ ورنہ

ایک معقول عذر آپ کے پاس تھا۔

ہمارا خدا بڑی عجیب شان کا مالک ہے وہ اپنے بندوں سے اپنی شانِ کریمانہ کے تحت جو خاص سلوک فرماتا ہے۔ وہ حضرت بیگم صاحبہ کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے وہ اپنے بندوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے کرم سے خود اس طرح پورا فرما دیتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ قادیان کا ذکر ہے کہ ہمارے گھر میں انگوروں کی ایک بیل تھی۔ انگور پکے تو ہماری اماں جی اپنے طریقہ کے مطابق اپنے گھر کی چیزوں میں سے بزرگوں کا پہلے حصہ نکالا کرتی تھیں آپ نے اچھے اچھے گچھے اُتار کر حضرت بیگم صاحبہ کو بھجواتے آپ نے اس تحفہ پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور ہماری والدہ کو شکریہ کا پیغام بھجوایا اور فرمایا کہ آج بیٹی بیمار ہے وہ کوئی چیز نہیں کھا رہی تھی۔ صرف انگور مانگ رہی تھی میں نے بازار آدمی بھجوایا، لیکن انگور کہیں سے نہیں ملے۔ میں پریشان تھی کہ اس کے لیے انگور کہاں سے منگواؤں کہ آپ نے عین ضرورت کے وقت انگور بھجوا دیئے۔

آپ نہایت پاک خُو تھیں صالحین کی صحبت اکسیر کا درجہ رکھتی ہے قریب رہنے والوں میں خود بخود روحانی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کے اخلاق اور اطوار سنور جاتے ہیں۔ آپ غریبوں۔ یتیموں۔ بیواؤں۔ مسکینوں کی ہمیشہ مدد فرماتیں۔ گھر کا ایک فرد آپ کے ہاں کام کرنے والا ہوتا۔ کفالت آپ سب کی فرما رہی ہوتیں خادموں کے عزیزوں کو بھی ضرورت کے وقت اپنی قیمتی ادویات اُٹھا کر بھجوا دیتیں۔ آپ کے خادموں میں احمدی۔ غیر احمدی۔ امیر

غریب سب ہی تھے اور سبھی عقیدت اور چاہت سے آپ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ کئی خاندان آپ کے گھر میں پلے ان پر آپ کے بلند پایہ اخلاق کا اثر تھا۔ ماں کی طرح ہر ایک کا احساس تھا۔ بعض بچیاں آپ کے پاس رہ کر تعلیم بھی پاتی رہیں۔

ایک خادمہ کی شادی تھی۔ بیٹیوں کی طرح آپ نے اس کی پرورش کی تھی۔ آپ اس کا جہیز تیار کروا رہی تھیں ایک دن وہ آپ کے بکس میں سے رقم لے رہی تھی آپ نے پوچھا اب کیا لینا ہے تو اس نے بتایا کہ بستر لانے ہیں آپ نے فرمایا۔ دیکھو اس کا حال میں نے اپنی بیٹیوں کے لیے دو دو بستر بناتے تھے اور یہ چار بستر بنا رہی ہے بھلا یہ اتنے بستروں کا کیا کرے گی۔ اتنے میں وہ رقم لے کر چلی گئی اور آپ نے اس کو منع نہیں کیا بلکہ آپ خوش تھیں۔

آپ کی اولاد بھی آپ کی اعلیٰ تربیت کے طفیل اور خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے نیک اور متقی ہے میرے بڑے بھائی جان مربیٔ سلسلہ نے بیان کیا کہ آپ کے بڑے صاحبزادہ صاحب نے ایک دفعہ وقفِ عارضی کیا وہ بھائی جان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ بھائی جان نے پوچھا وقفِ عارضی کا کیا فائدہ ہوا۔ تو آپ نے بڑا پیارا جواب دیا۔ اور کہا کہ میں تو کوئی اتنا عالم فاضل نہیں ہوں۔ جو دوسروں کی تربیت کر سکتا۔ بس اتنا فائدہ ہوا ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح ہو رہی ہے۔

تربیت اولاد کے ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آپ کی پوتی ماریہ

میری بیٹی ثمرہ کی رضاعی بہن ہے حضرت بیگم صاحبہ نے اس کی نگہداشت کے لیے تاکید فرمائی۔ اور فرمایا کہ وہ پڑھائی میں لاپرواہے جتنا اس کا دماغ ہے اس طرح وہ پڑھتی نہیں۔ تم اس سے اس طرح لاڈ پیار نہ کرو کہ اس کی تربیت خراب ہو۔ بلکہ ذرا سختی کرنا۔ آپ کی توجہ دلانے پر میں چھٹی کے بعد اس کو پڑھا دیا کرتی تھی۔

کبھی کبھی آپ مجھے بھی دُعا کے لیے فرمایا کرتیں حالانکہ میں کیا اور میری دُعا کیا یہ تو آپ کا حُسنِ ظن تھا ایک دن گئی تو آپ نے سر باندھا ہوا تھا۔ میں نے طبیعت پوچھی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ خود ہی دیکھ لو۔ پھر فرمایا۔ تم میرے لیے دُعا نہیں کر رہی اس لیے خراب ہے۔

وفات سے چند روز قبل میں ملنے گئی تو آپ نے مجھے پاس بٹھا لیا اور مسکراتے ہوئے مسلسل باتیں کیں جو کمزوری کی وجہ سے کسی وقت سمجھ میں نہ آتی تھیں میں بالکل آپ کے چہرہ کے قریب ہو کر سُنتی۔ پھر جب میں اُٹھ کر واپس لوٹی۔ تو دروازہ پر جا کر اچانک میں نے مُڑ کر دیکھا تو آپ مسلسل پیچھے سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے آپ کو اپنی حالت کا پتہ لگ گیا ہوا تھا۔ پھر جس دن وفات ہوئی۔ تو بھی قدرت مجھے وہاں لے گئی۔ وہاں گئی تو پتہ چلا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے، میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر جھانکا تو آپ کے پاس آپ کی بڑی بیٹی محترمہ طیبہ صاحبہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں آپ نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھ کر پوچھا کون ہے آپا بی بی نے کہا قیوم ہے۔ میں جلدی سے پیچھے

ہٹ گئی کہ آپ مجھے اندر نہ بُلائیں اور آپا لیلیٰ نے مجھے اشارہ بھی کیا۔ مَیں سمجھی کہ انہوں نے اندر آنے سے منع کیا ہے حالانکہ انہوں نے بتایا کہ مَیں نے ٹھہر جانے کا اشارہ کیا تھا کہ ابھی بیگم صاحبہ بات کرلیں تو اندر بُلاتی ہوں لیکن مَیں یہ سوچ کر کہ کل صبح وقت پر آجاؤں گی گھر لوٹ آئی۔ لیکن وہ صبح دوبارہ کبھی نہیں آئی۔

مَیں آپ کے گھر پہنچی تو آپ ابدی نیند سو چکی تھیں۔ سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ چاروں طرف غموں کے بادل چھاتے ہوتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لاڈلی سب کو تڑپتا بلکتا چھوڑ کر اپنے رب کے حضور بے حساب نیکیوں کو اپنے دامن میں سجاتے ہوتے حاضر ہوگئیں۔ آپ سُکھ کی ٹھنڈی اور میٹھی نیند سو رہی تھیں ایسے لگتا تھا کہ کوئی شہزادی گہری نیند سو رہی ہے۔ اور ابھی بیدار ہو جاتے گی۔ چہرہ کے گرد نُور کا ایک ہالہ تھا۔ اور لبوں پر مسکراہٹ۔ اِدھر آپ رخصت ہوئیں ادھر آسمان پر بادل بھی اشک برسانے لگے اور سات دن تک ابرِ رحمت کے قطرے خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے۔

آپ نے اپنے پیچھے پھولوں اور پھلوں سے لدا مہکتا ہوا ایک گلشن چھوڑا۔ جس کی آپ نے بہترین آبیاری فرمائی وہ آپ کے رنگ میں رنگین ہیں اور ان کی شاخیں دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر آن آپ کی دُعاؤں کا سایہ ان پر قائم رکھے آپ خود ان کی حفاظت فرماتے۔

آمین ؛

آپ کی دُعائیں تا قیامت جماعت کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضا کی جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اپنے پیاروں کا قُرب مل جاتے اور اس مبارک خاندان کو اپنی عظیم المرتبت ماں کی دُعاؤں کا ثمر ہمیشہ ملتا رہے اور ہم سب آپ کی دُعاؤں کی برکتوں کو حاصل کرتے رہیں۔ آمین

(مصباح ماہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

٭٭٭

مَیں نے آپ کو کیسا پایا

(از محترمہ امۃ الودود صاحبہ۔ ربوہ)

مجھے جون ۱۹۸۳ء سے مارچ ۱۹۸۵ء تک حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی خدمت کرنے کی توفیق ملی۔ اور سوائے چند ماہ کے یہ سارا عرصہ ایسا ہے کہ جس میں آپ بوجہ علالت چل پھر نہ سکتی تھیں۔ اس عرصہ میں آپ کے معمولات کچھ اس طرح تھے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کرتی تھیں جب آپ کی صحت کچھ اچھی تھی۔ خود اُٹھ کر وضو وغیرہ کر لیتی تھیں اور نماز کرسی پر بیٹھ کر پڑھتی تھیں۔ بعد میں کمزوری کی وجہ سے چار پائی پر لیٹ کر تیمم سے نماز ادا کرتیں اور تکئے سے ٹیک لگا کر قرآن کریم کی تلاوت کرتی تھیں۔ ناشتہ عام طور پر دلیہ۔ توس اور پنیر سے

کرتیں۔ آپ کو اخبارات کے مطالعہ کا شوق تھا۔ عموماً ناشتہ کے بعد اخبارات سنتی تھیں۔ اس کے بعد اکثر و بیشتر مستورات آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوتیں آپ ان سے باوجود بیماری کے ملتیں اور ان کے مسائل سُن کر ان کے لیے دُعا کرتیں دوپہر کو کچھ دیر آرام کرتیں اور دوپہر کے کھانے میں عام طور پر کھچڑی شوربہ استعمال کرتی تھیں۔ عصر کے بعد آپ کے اعزا آپ سے ملنے آتے تھے اور رات تقریباً دس بجے تک انہیں کے ساتھ وقت گذارتی تھیں شام کے کھانے میں عموماً کباب اور ساتھ کوئی میٹھی چیز تناول فرماتیں رات سونے سے قبل آپ بعض دفعہ دلچسپ کہانیاں سنتی تھیں جس سے آپ کو نیند آجاتی تھی۔

آپ کی سیرت کے چند پہلو یہ ہیں۔

پابندیٔ نماز

آپ باوجود بیمار ہونے کے نماز ہمیشہ اپنے وقت پر ادا کرتیں نماز جمع کر کے پڑھنے کی عادت نہ تھی۔ نماز بروقت ادا کرنے کی آپ کو اس قدر فکر رہتی کہ ایک دفعہ آپ نے مجھے بتایا کہ آج میں نے تقریباً تین چار دفعہ فجر کی نماز ادا کی ہے چونکہ آپ کو نیند کم آتی تھی اس لیے خیال کرتیں کہ شاید فجر کا وقت ہوگیا ہے اس لیے نماز پڑھ لیتیں پھر دیکھتیں کہ صبح نہیں ہو رہی شاید نماز جلدی ادا کرلی ہے تو دوبارہ نماز پڑھ لیتیں۔ اس طرح تین چار دفعہ نماز ادا کرتیں۔

ایک دفعہ آپ شدید بیمار تھیں اور تقریباً دو دن تک بے ہوش رہیں

ہوش میں آئیں تو کمزوری اتنی تھی کہ بات نہ کر سکتی تھیں ہوش آنے پر جو پہلی چیز آپ نے اشارۃً طلب کی وہ پاک مٹی کی تھیلی تھی جس سے تیمم کر کے آپ نماز ادا کرتیں تھیں۔ جب اس سے آپ نے تیمم کیا تو نماز ادا کرنے کی کوشش میں دوبارہ بے ہوش ہوگئیں اور ایسا کئی دفعہ ہوا۔ کہ آپ تیمم کر کے نماز ادا کرنے لگتیں تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی۔

وہ لڑکیاں جو آپ کے پاس رہتی تھیں انہیں نماز بر وقت ادا کرنے کی تلقین فرماتی تھیں اور ہر نماز کے وقت ہر لڑکی کو پوچھتیں کہ تم نے نماز ادا کی ہے یا نہیں۔

تلاوت قرآنِ کریم

آپ روزانہ فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت فرماتی تھیں آخری ایام میں اگرچہ آپ بوجہ ضعف بیٹھ بھی نہیں سکتی تھیں، لیکن پھر بھی تکیہ کے سہارے بیٹھ کر تلاوت فرماتی تھیں۔

پردہ کی پابندی

پردہ کی بڑی سختی کے ساتھ پابند تھیں چونکہ آپ بیمار تھیں اور روزانہ ڈاکٹر آپ کو دیکھنے آتا تھا، لیکن حتی الامکان ڈاکٹروں سے پردہ کرتی تھیں ایک دفعہ کسی نے عرض کی کہ ڈاکٹر تو آپ کو روزانہ دیکھنے آتا ہے اور معائنہ کرتے ہوتے اور بے ہوشی کی حالت میں اس نے آپ کو دیکھا ہوا بھی ہے اس لیے اگر آپ ڈاکٹر سے پردہ نہ کریں تو کیا حرج ہے فرمانے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے عورت غیر مرد سے پردہ کرے اس لیے میں کیوں اللہ تعالیٰ کے حکم کی

نافرمانی کروں۔ معائنہ اور بے ہوشی کی حالت میں پردہ نہ کر سکنا تو ایک مجبوری ہے چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جب بھی ڈاکٹر آتا تو آپ اپنا چہرہ ڈھانک لیتیں۔

اسی طرح آپ کے پاس جو لڑکیاں آپ کی خدمت کے لیے رہتی تھیں انہیں پردہ کرنے کی ہمیشہ تلقین فرماتیں اور چھوٹے دوپٹے اوڑھنے سے منع فرماتی تھیں بلکہ فرماتیں کہ تم گھر میں بھی بڑی چادر اوڑھا کرو۔ اس میں وقار ہے۔

امام وقت سے وابستگی

امام وقت سے آپ کو بے حد پیار تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کے بارہ میں فرماتیں "میاں طاری" مجھے بچپن سے ہی بہت پیارے تھے اور جب حضور آپ سے ملنے تشریف لاتے۔ تو ہمیشہ انہیں گلے ملتیں اور آب دیدہ ہو جاتیں اور ہر اہم کام حضور کے مشورہ اور اجازت سے انجام دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ کو علاج کی خاطر لاہور لے جانا تھا تو پہلے حضور کو اطلاع دی اور اجازت چاہی اور جب حضور نے اجازت دی تو پھر علاج کے لیے لاہور تشریف لے گئیں۔

مہمان نوازی

ہمیشہ میں نے آپ کا یہ معمول دیکھا کہ اگر کھانے کے وقت کوئی مہمان آجاتا تو اسے بغیر کھانا کھائے نہیں جانے دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ نے باورچی کو مستقل ہدایت دے رکھی تھی کہ کھانے کے وقت میرے گھر سے کوئی مہمان بغیر کھانا کھائے نہیں

جانا چاہیئے۔

بچّوں سے شفقت

آپ کے پاس ملاقات کے لیے اکثر مستورات تشریف لاتی تھیں آپ سب سے بڑی خندہ پیشانی سے ملتیں لیکن بچّوں کے ساتھ خاص شفقت کا سلوک فرماتیں۔ چنانچہ اگر کسی خاتون کے ساتھ بچّہ ہوتا۔ تو اسے اپنے پاس بُلا کر اُسے پیار کرتیں اور کھانے کے لیے اسے ضرور کوئی چیز دیتی تھیں۔

خادموں سے شفقت

آپ اپنے خادموں سے بہت شفقت کا سلوک فرماتی تھیں اگر کبھی خادموں میں سے کسی کی صحت خراب ہو جاتی تو اس کا بہت خیال رکھتیں اور اس کے لیے ادویات کا انتظام کرنے کے علاوہ بار بار اس کا حال بھی دریافت فرماتی تھیں۔ آخری ایام میں بوجہ ضعف آپ کو نیند بہت کم آتی تھی اس لیے بیماری کے سبب اگر کسی خادمہ کو رات کے وقت جگاتیں تو پھر اس کے لیے بہت دُعائیں کرتیں اور پھر دن کو بتاتیں کہ آج رات مَیں نے تمہارے لیے بہت دُعائیں کیں۔ اور خدمت کرنے والی لڑکیوں کے بارہ میں اکثر مَیں نے آپ کو یہ کہتے سُنا کہ میری بیٹیاں ہیں جو میری خدمت کرتی ہیں۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور میری حقیر خدمت کو بھی قبول فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

دختِ کرام کے اخلاق کریمانہ

(از مکرم محمود مجیب اصغر صاحب ربوہ)

عرب ممالک میں کریم کا لفظ نسبتاً زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ عام آدمی جب کسی مشکل کا اظہار کرتا ہے تو ساتھ ہی کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں "اللہ کریم" یعنی اللہ کریم ہے وہ کرم کرے گا فضل کرے گا اسی طرح جو شخص زیادہ فیاض اور مہمان نواز ہو اسے بھی کریم کہا جاتا ہے اسی لیے حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے آسمانی نام دختِ کرام کے حوالے سے حضرت سیدہ مرحومہ کے اخلاق کریمانہ۔ آپ کی خوبیوں۔ اوصافِ حمیدہ اور طبیعت کی نرمی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ جس کا بھی واسطہ پڑا اسے یہی محسوس ہوا کہ آپ کا مزاج آپ کے الہامی لقب کے عین مطابق ہے حضرت سیدہ موصوفہ کے اخلاقِ کریمانہ کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

جب تک حضرت سیدہ مرحومہ کی صحت ٹھیک رہی آپ ہر خط کا جواب دیتیں اور دستخط فرماتیں۔ عملی زندگی میں آنے کے بعد خاکسار نے حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کو بھی دعا کے لیے خطوط لکھنے شروع کئے آپ اکثر خطوط کے جواب دیا کرتیں اور اطلاع بھی دیتیں کہ دعا کی ہے۔

۱۹۷۹ء میں اس عاجز کی ایک بہن کی شادی تھی خاکسار نے دُعا کے لیے

خط لکھا۔ دل میں یہ خواہش تھی کہ رخصتانہ سے پہلے آپ کا خط آجاتے۔ جس روز برات آنی تھی اسی دن آپ کا خط ملا جس میں شادی کی مبارکباد اور بابرکت ہونے کے لیے دُعا کا ذکر تھا۔

۱۹۷۴ء میں ربوہ منتقل ہونے پر خاکسار نے اپنی والدہ صاحبہ کو حضرت سیدہ موصوفہ کے پاس دُعا کے لیے بھجوانا شروع کیا۔ کئی مرتبہ والدہ صاحبہ میری بہنوں کو اور بعض اوقات میری بچیوں کو ساتھ لے جاتیں۔ جب بھی والدہ صاحبہ ملنے جاتیں حضرت سیدہ موصوفہ نہایت محبت سے ملتیں اور جو بہن ساتھ نہ ہوتی اس کا دریافت فرماتیں کچھ عرصہ والدہ نہ جا سکیں تو خاکسار کو لکھا کہ آپ کی والدہ نہیں آتیں ان کو بھجوائیں اور اس طرح اپنے کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔

ہماری خواہش تھی کہ آپ کے استعمال شدہ کپڑوں میں سے برکت کے لیے ہمیں کوئی کپڑا مل جاتے چنانچہ آپ نے بڑی شفقت سے میری والدہ اور بہن کو ایک چادر ایک پاجامہ اور ایک قمیص عنایت فرمائی اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام " بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔" کے ظل کے طور پر حضور کی ایک بچی کے کپڑوں سے برکت حاصل کرنے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

خاکسار کی اہلیہ ایک مرتبہ ملنے گئیں تو آپ نے انہیں ان کے والدین کے حوالہ سے پہچانا۔ اور جب اہلیہ نے میرے لیے بھی دُعا کی درخواست کی تو فرمایا۔ اچھا تمہاری شادی ان کے ساتھ ہوئی ہے ان کے تو مجھے اکثر

خط آتے رہتے ہیں اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

ایک مرتبہ ۱۹۸۰ء میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اسلام آباد تشریف فرما تھے اور خاکسار بھی وہیں متعین تھا۔ خاکسار نے اپنی والدہ اپنے اہل و عیال اور بعض بہنوں بھائیوں سمیت حضور سے ملاقات کی۔ اس دوران خاکسار کی والدہ نے بتایا کہ وہ حضرت سیدہ موصوفہ سے ملنے جاتی ہیں تو حضور بہت خوش ہوتے اور فرمایا ہاں ضرور جایا کریں۔

خاکسار کے گھر سے اور والدہ صاحبہ بھی جب حضرت سیدہ کو ملنے کے لیے گئیں آپ ہمیشہ موسم کے مطابق مشروب وغیرہ پلاتیں۔ ایک دفعہ خاکسار کی ایک بچی کے ہاتھ سے گلاس گر گیا۔ آپ کے چہرہ پر ذرا بھی ملال نہ آیا۔ اور نہ ہی آپ نے بُرا منایا۔

ایک مرتبہ ایک خط میں اس عاجز نے اپنی بعض پریشانیوں کے ذکر کے ساتھ دعا کی درخواست کی۔ اور مشکلات دور ہونے کا علاج دریافت کیا تو آپ نے جواباً یہ خط لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم محمود مجیب اصغر صاحب RABWAH

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'! ۱۳۔۰۷۔۷۷

آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مخلصانہ دُعاؤں کو قبول فرماتے اور تمام نیک خواہشات کو پورا فرماتے۔

درود شریف پڑھا کریں اور اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا

کریں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرماتے گا۔ اور تمام مشکلات کو دُور فرماتے گا! اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے عظیم باپ کو جو عشق تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ یہ یقین کامل رکھتی تھیں کہ تمام برکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتی ہیں اور تمام برکتیں اس مبارک ترین وجود پر درود بھیجنے سے دُور ہوتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارہ میں دختِ کرام کا الہامی نام پسند فرمایا یعنی جس کی فطرت اپنے آباء کے کریمانہ اخلاق سے متصف ہو آپ کا وجود نہایت مبارک تھا اور ایسے وجود روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اس بابرکت و مطہر وجود پر جو ہر لحاظ سے کریمانہ اخلاق کا مظہر تھا۔

(ماہنامہ مصباح ربوہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

ٹ

خدا رحمت کرے

(از محترمہ سیدہ نصرت زین العابدین صاحبہ کلفٹن کراچی)

ماضی ـــــ حسین ماضی گوناں گوں یادیں اپنے اندر سمیٹے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ان دریچوں کو وا کر کے جھانکنے لگیں تو واپس پلٹنے کو جی نہیں چاہتا کچھ بزرگ ہستیاں اپنی نصائح اور دیرپا نقوشِ قدم کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے سانحہ ارتحال کی خبر سے دل پر گہری چوٹ لگی اور بہت سی یادیں نظروں کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگیں۔ گھر میں اور ملنے والوں سے یہی تذکرہ کئی دن رہا۔ آیئے میں اپنی ان قیمتی یادوں کی جھلک آپ کو بھی دکھاؤں۔

پشاور کی ایک وسیع و عریض کوٹھی میں میری امّی والدہ سیّد ابوالحسن مرحومہ تقریباً ہر موسم میں مہمانوں کی خاطر داری خندہ پیشانی سے کرتیں۔ اور مہمانوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت کہا کرتیں۔ ہمارے گھرانے کی خوش بختی کہ ایک مرتبہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب مرحوم اور حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ اپنے تین بچوں کے ہمراہ ہمارے مہمان ہوتے۔ والدہ صاحبہ کی مسرت اور اہتمام نے ہم بچوں کے دل میں اشتیاق پیدا کر دیا اور ہماری دلچسپیاں سمٹ کر یہ رہ گئیں کہ ان بابرکت ہستیوں کو دیکھتے جائیں۔ اور ان کی باتیں سنیں۔ ان کا ہر انداز ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ کرلیں۔ ان کی نشست و برخواست

ان کا پہننا اوڑھنا۔ ان کی نماز سب کچھ آج تک یاد ہے دھیمے دھیمے لہجہ میں گفتگو کا انداز ایک ایک لفظ پیارا لگتا تھا۔

ایک واقعہ جسے بعد میں ہونے والے ایک واقعہ نے انمٹ یادگار بنا دیا یہ ہے کہ حضرت بیگم صاحبہ کی چھوٹی بیٹی فوزیہ ہمیں تو بھلی چنگی لگتی تھیں مگر ایک دفعہ ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر بلوایا گیا اور بیگم صاحبہ نے پردے کی رعایت کے ساتھ اُسے اپنی بچی کے علاج کے لیے کہا۔ جو کیفیت بیگم صاحبہ نے بیان کی کچھ اس طرح تھی کہ بچی کا رنگ زرد ہوتا جا رہا ہے بہت کم کھاتی ہے کچھ سُست بھی ہے لڑکیوں کی طرح کُھل کر ہنسنا کھیلنا اُسے پسند نہیں ہے۔ خاموش سی رہتی ہے اس کے بڑھنے کی عمر ہے کوئی دوا دیں۔

ہم جو ایک ایک لفظ غور سے سُنا کرتے تھے ماں کی شفقت کو دیکھکر حیران رہ گئے ہمیں تو یہ بھی خبر نہ تھی کہ مائیں ایسی باتیں بھی نوٹ کرتی ہیں۔ ماں کا اپنی بچی کے بارہ میں اتنی گہرائی سے سوچنے کا انداز ذہن میں کئی کئی روپ سے آتا۔ وہ ماں جسے بچی کی چھوٹی سے چھوٹی بات کی فکر تھی کچھ عرصہ کے بعد یہ صدمہ بھی دیکھتی ہے کہ بچی کم عمری میں بیوہ ہو گئی مگر اس سانحے سے بچی پر جو گذر گئی اس پر مولا کا اختیار تھا۔ جہاں راضی برضا رہنے کا اجر ہے اب یہی پیکرِ صبر و رضا کا مجسمہ بن جاتا ہے میرے ذہن میں ماں کی ماتا کی وہ تشویش بھری آواز سنائی دیتی ہے۔ بچی کھاتی کم ہے بچی زرد ہو رہی ہے اور اب بچی بیوہ ہو گئی ہے اور ماں بچی کا دُکھ صبر سے برداشت

کرتی ہے۔

اس کے بعد جب آپ ہماری مہمان ہوئیں میری شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اپنی مرضی سے رُلائی تیار کر کے تحفہ میں دی کسی بھی وقت کوئی بھی بازار سے ویسا سامان خرید کر رلائی تیار کروا سکتا ہے مگر آپ کے مبارک ہاتھوں کا یہ تحفہ میرے جہیز کا سب سے قیمتی تحفہ تھا میں اس پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔

جماعت پر ۱۹۷۴ء میں بہت کچھ سختیاں آئیں۔ اس رَو میں میرے میاں کو بھی ایک ہفتہ کے نوٹس پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ یہ خُدا کی طرف سے ایک امتحان تھا ہم دو کمروں کے ایک ٹرانزٹ کیمپ میں منتقل ہو گئے۔ اس اثنا میں حضرت بیگم صاحبہ اپنی بیٹی ذکیہ بیگم صاحبہ کے پاس کراچی تشریف لائیں۔ میں بیگم صاحبہ کو اپنے گھر دعوت دینا چاہتی تھی کبھی اپنے گھر کو دیکھتی کبھی ان کے مرتبے کو۔ خواہشیں تو گھر دیکھ کر پیدا نہیں ہوتیں۔ جرأت کی اور اپنی رہائش گاہ کی عارضی کیفیت بتا کر عرض کی کہ آپ غریب خانہ پر تشریف لائیں بڑی شفقت محبت اور دلداری سے یہ عظیم و مہربان خاتون میرے ہاں تشریف لائیں۔ ہر کھانے کی تعریف فرمائی۔ اور ہماری گھبراہٹ کو دیکھ کر بہت دُعائیں دیں اور فرمایا "اگر مذہب کے نام پر کسی پر زیادتی ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ خود حفاظت فرماتا اور خود کفیل بن جاتا ہے" یہ ایسی ڈھارس تھی جس سے ہمت بڑھی اور اس مبارک ہستی کے قول کے مطابق پہلے سے بہتر نعمتیں خدا تعالیٰ نے عنایت فرمائیں۔

میں نے اپنی بچی کا رشتہ ایک جگہ طے کر دیا ۔ ابھی میری بچی سولہ سال کی نہیں ہوئی تھی ۔ بیگم صاحبہ سے ذکر کیا تو فرمایا " اتنی جلدی نہیں کیا کرتے " بعد میں وقتی طور پر اس بچی کی طرف سے پریشانیاں اُٹھانا پڑیں ۔ بار بار یہ خیال آتا رہا کہ بزرگوں کی باتیں کتنی سچی نکلتی ہیں ۔

۱۹۸۳ء کے جلسہ سالانہ پر جب میں اپنے بچوں یاسمین اور امین کو ملانے لے گئی تو بیگم صاحبہ کو ملے کافی عرصہ گذر چکا تھا ۔ بیگم صاحبہ کمزور اور علیل تھیں ۔ میں نے اپنا تعارف کروانا چاہا تو فرمایا " میں نے پہچان لیا ہے مجھے معلوم ہے تم نصرت ہو تمہاری تھوڑے وقفے سے دو بچیاں اور ایک لڑکا تھا ۔" میں حیرت زدہ رہ گئی ۔ خدا تعالیٰ کے خاص فیضان سے آپ کی یادداشت حافظہ اور پہچان بے نظیر تھی ۔

پھر جب آپ کی وفات کا سُنا ان کی شفقتیں اور محبتیں اور ان کے نیک سلوک اور ملنسار طبیعت غرضیکہ ہر وصف یاد کر کر کے روتی رہی ۔ خدا تعالیٰ نے بڑا قیمتی وجود ہم سے لے لیا ہے ۔ ہماری دعا ہے کہ ہم ان کے نقوشِ قدم پر چل کر ان کی روح کی طمانیت کا باعث بنیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں اور مغفرت کی چادر میں ڈھانپ کر اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرماتے ۔ آمین

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

شفقتوں کا گہوارہ

از محترمہ عذرا بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم شیخ عنایت اللہ صاحب ٹنڈو جام

حیدر آباد۔ سندھ

حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ کی شفقتوں اور نوازشوں کا سلسلہ اس قدر وسیع اور اتنا ہمہ گیر ہے کہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کہاں سے شروع کروں۔ میری عمر اس وقت کم و بیش ۷۳ سال ہے قریباً ۶۔ ۷ سال کی عمر میں میں حضرت بیگم صاحبہ کی آغوش شفقت میں آئی اور بچپن سے لے کر جوانی تک سولہ سترہ سال کا عرصہ آپ کی مادرانہ شفقتوں کا مورد رہی۔ حضرت سیّدہ مرحومہ نے خود میرا رشتہ تجویز فرمایا۔ رخصتی اپنے گھر سے کی اور شادی کا سارا سامان اپنے پاس سے دیا بلکہ رخصتی کے لیے اپنی کوٹھی دارالسلام کا ایک حصہ مخصوص فرمایا۔ میری والدہ محترمہ غفور النساء صاحبہ نے میاں عباس احمد خان صاحب کو حضرت اماں جان کے ارشاد پر دودھ پلایا تھا۔ یہ ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۱ء کی بات ہے اس وقت سے اس عالی خاندان سے مراسم قائم ہیں اور میاں عباس احمد خان صاحب کی رضاعی بہن ہونے کے ناطے میں نے حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی عنایتوں اور نوازشوں کا ایک لمبے عرصہ تک لطف اُٹھایا۔ اور صرف میں ہی نہیں بلکہ میرے سارے بہن بھائیوں اور والدین سے اس خاندان کا گہرا تعلق رہا اور آخر تک اس تعلق کو نبھایا۔

میری بچپن کی یادوں میں یہ بات بڑی نمایاں ہو کر ذہن میں مستحضر ہے کہ حضرت سیدہ مرحومہ کا بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک مثالی تھا۔ میرے علاوہ اور بھی کئی بچیاں آپ کے ہاں رہتی تھیں ان کی ہر طرح دیکھ بھال خوراک اور لباس کی نگرانی۔ صفائی ستھرائی کا خیال ہمیشہ رکھتیں۔ ان کی اخلاقی نگرانی بھی آپ کے پیش نظر رہتی۔ گفتگو کرنے کا سلیقہ رکھ رکھاؤ۔ سلائی کڑھائی اور خواتین سے متعلق دیگر امور وقتاً فوقتاً سکھاتی رہتی تھیں۔ تعلیم و تربیت کا بڑی باریک بینی سے خیال رکھتیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لڑکی بھی حضرت سیّدہ موصوفہ کے گھر رہی یا کچھ عرصہ اُسے حضرت سیدہ مرحومہ سے اکتسابِ فیض کا موقع ملا۔ وہ دینی و دنیاوی فرائض بجالانے میں کامیاب رہی اور حسن معاشرت میں مثالی کردار ادا کیا۔ میرے سامنے بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ پسماندہ علاقہ کی ان پڑھ تہذیب و تمدن سے ناآشنا گھرانے کی بہت سی لڑکیاں آپ کے ہاں پلی بڑھیں۔ شادی کے بعد وہ لڑکیاں مثالی ثابت ہوئیں اور ساری عمر حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کو دُعائیں دیتیں اور زیرِ بارِ احسان رہتیں۔

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کا اندازِ گفتگو دل کو موہ لینے والا تھا۔ بڑی نرمی ملائمت اور آہستگی سے بات کرتیں کہ دل میں اترتی چلی جاتی۔ بڑی سے بڑی بات ہو جاتی لیکن آپ کی جبیں پر شکن تک نہ آتا۔ دھیمے لہجے اور پیار بھرے انداز میں یوں گویا ہوتیں گویا ایک پرسکون ندی میں گلاب کا

پھول ہچکولے لے رہا ہو۔

میں نے اپنی زندگی میں بہت جوڑے دیکھے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر، لیکن جو مثالی جوڑا میں نے حضرت سیدہ مرحومہ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کا دیکھا اس کی نظیر مجھے نہ ملی آپس میں اس قدر پیار۔ محبت والہانہ شیفتگی اور UNDER STANDING تھی کہ رشک آتا۔ آپ کا وجود حضرت نواب صاحب مرحوم کے لیے ایک کھلی کتاب تھا۔ کوئی شک وشبہ۔ کوئی پردہ۔ کوئی راز۔ کوئی پوشیدگی نہ تھی۔ حضرت نواب صاحب ہر معاملہ میں آپ پر کلی اعتماد کرتے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس پر حضرت نواب صاحب نے حضرت بیگم صاحبہ سے مشورہ نہ لیا ہو۔ بعض اوقات حضرت نواب صاحب طبیعت کی تیزی کی وجہ سے وقتی طور پر ناراض بھی ہو جاتے لیکن یہ لمحات اس قدر عارضی ثابت ہوتے کہ انسان حیران رہ جاتا۔ قہقہہ لگا کر حضرت نواب صاحب بڑے والہانہ انداز میں اس طرح گفتگو شروع کر دیتے کہ معلوم ہوتا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ایک دوسرے کا اس قدر خیال، اتنا احساس اتنا فکر کہ چھوٹی چھوٹی باتوں تک میں ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا فکر دامن گیر رہتا ذرا ذرا سی خواہشات کا اس قدر احترام ایک دوسرے کو ہوتا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے، لیکن، سب سے نمایاں اور سب سے بڑھ کر وہ احترام وعقیدت تھی جو حضرت، نواب صاحب کے دل میں حضرت بیگم صاحبہ کے لیے تھی۔ نہ صرف خود ہمیشہ اس امر کا خیال رکھا کہ حضرت بیگم صاحبہ کا وجود ایک

بابرکت وجود ہے۔ بلکہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں بالخصوص بچوں کے دل میں یہ جذبہ راسخ کر دیا کہ اس نادر وجود کا قرار واقعی احترام کیا جائے اور یہ اسی جذبہ کا اثر تھا کہ سارے عزیز و اقارب حضرت سیّدہ مرحومہ کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے رہتے اور اس میں حضرت سیّدہ موصوفہ کے اوصافِ حسنہ اور اخلاقِ کریمانہ کا بھی بہت زیادہ عمل دخل تھا۔

حضرت سیّدہ مرحومہ کی زندگی کا ہر گوشہ اپنے اندر اس قدر حسن و جمال اور جذب و کشش رکھتا ہے کہ ہر دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا آپ کی زندگی کا ہر لمحہ قال اللہ و قال الرسول کے تحت تھا۔ آپ کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔ کس کس وصف کو بیان کیا جائے۔ آپ تو سراپا حسن و احسان اور سرتاپا اخلاقِ کریمانہ کی چلتی پھرتی تصویر تھیں آپ سے مل کر روحانی تسکین ہوتی۔ دل میں خوشی کی لہریں پیدا ہوتیں اور ایک ایسا لطف و سرور اور ذہنی تازگی حاصل ہوتی کہ الفاظ جس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور میرے جیسی کم مایہ اس بابرکت وجود کی سیرت و سوانح کے متعلق بیان کرنے سے عاجز ہے۔ مَیں تو صرف یہ جانتی ہوں اور علیٰ وجہ البصیرت اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ مَیں نے اس عاجزہ نے جو کسی بھی قابل نہیں علمی و عملی اعتبار سے کوتاہ دست اور لاشئے محض لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی مبشر و مطہر ذریت کے طفیل بہت کچھ پایا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلوں سے نوازا اور اس قدر نعمتوں سے متمتع کیا کہ مَیں شکر ادا نہیں کر سکتی۔

جب میری شادی ہوئی میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح میری دستگیری فرمائے گا۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے محترم والد صاحب سے فرمایا کہ بچی کے لیے کوئی رشتہ آپ کی نظر میں ہے محترم والد صاحب نے عرض کی۔ میری نظر میں اس وقت کوئی مناسب رشتہ نہیں آپ ہی رشتہ تجویز فرمائیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت نواب صاحب نے سندھ کی اراضی سے مکرم شیخ عنایت اللہ صاحب کو بلوایا جو وہاں ملازم اور اپنے خاندان میں سے اکیلے احمدی تھے اور والد صاحب کو فرمایا کہ نوجوانی میں اس قدر نیک اور عبادت گذار انسان میری نظر میں اس نوجوان سے زیادہ نہیں گذرا چنانچہ میری شادی ان سے ہو گئی۔ اور میں حضرت نواب صاحب۔ حضرت بیگم صاحبہ اور دیگر بزرگان کی مخلصانہ دُعاؤں کے جلو میں رخصت ہو کر سندھ آگئی اجنبی زمین۔ جنگل بیابان اپنوں سے دور بڑی گھبرائی، لیکن وہ دعائیں سہارا بنیں اور خدا تعالیٰ نے اس قدر فضل فرمائے کہ شمار نہیں۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں عطا فرمائیں۔ سارے بیٹے خدا تعالیٰ کے فضل سے برسرروزگار شادی شدہ۔ اسی طرح ساری بیٹیاں شادی شدہ صاحب اولاد۔ اور خدا کے فضل سے سارے نیک سیرت احمدیت کے فدائی اور والدین کے فرمانبردار اور خدمت گذار ہیں۔ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اور یہ صرف اور صرف حضرت سیدہ مرحومہ کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے۔

شادی کے بعد بھی آپ کی نظر کرم مجھ عاجزہ پر رہی جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوتی ۔ انتہائی شفقت و پیار کے ساتھ مسکراتے ہوتے بیٹیوں کی طرح خیر مقدم کرتیں اور بڑی دلچسپی سے حالات دریافت فرماتیں۔ مشورے دیتیں اور دیر سے ملنے کا گلہ کرتیں۔ بچوں کا سُن کر بڑی خوشی کا اظہار فرماتیں اور دُعائیں دیتیں ۔ ان سے مل کر یوں محسوس ہوتا کہ سگی والدہ ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ انہوں نے میرے لیے جو کچھ کیا۔ جس قدر دعائیں شفقتیں اور خوبیاں مجھے ان سے ملیں وہ سگی والدہ سے بڑھ کر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اس بابرکت اور فیض رساں وجود پر کہ جو واقعی دخت کرام تھا ۔ اسم بامسمّٰی تَخَلَّقُوْا بَاَخْلَاقِ اللّٰه کا چلتا پھرتا مجسمہ۔ الٰہی ان کی برکات اور ان کے فیوض ان کے بچھڑ جانے کے بعد بھی ہمارے شاملِ حال رکھیو اور ہمیں یہ توفیق بھی محض اپنے فضل سے عطا فرمائیو کہ ہم ان کے فیوض و برکات کو سمیٹنے والے بنے رہیں ۔ آمین

(ماہنامہ مصباح ماہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

میرا خواب

(از محترمہ روبینہ نعیم صاحبہ بنت مکرم مرزا عبدالسمیع صاحب ضا راولپنڈی)

میں جب بھی ربوہ آتی حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سے ضرور ملتی ۔ میرے والدین کے ساتھ بڑی محبت کرتی تھیں ۔ اس لیے ہم انہیں بڑی امی جان کہا کرتے تھے ۔ میں بچپن سے خالہ لیلیٰ کے ساتھ ان کے پاس بہت جاتی تھی ۔ اس وجہ سے بڑی امی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں ۔

۱۹۸۳ء میں میں بڑی امی سے ملنے گئی ۔ میری بیٹی عزیزی سعدیہ میرے ساتھ تھی ۔ اس کی عمر اس وقت تین سال تھی بڑی امی نے اس کو پیار کیا ۔ اور مجھے پیار کرتے ہوئے فرمایا ۔ خدا اب تمہیں بیٹا دے گا ۔ حضرت امی جان سے مل کر اگلے دن میں کراچی روانہ ہو گئی ۔ ٹرین میں رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت اور سرسبز لان ہے درمیان میں ایک چارپائی ہے جس پر صاف ستھرا بستر بچھا ہوا ہے اور سرہانے کی طرف میز پر پنکھا چل رہا ہے غالباً گرمی کے دن ہیں اس چارپائی پر حضرت بڑی امی جان تشریف فرما ہیں اور ایک لڑکی ان کے سر میں کنگھی کر رہی ہے کنگھی کرنے کے بعد وہ کنگھی سے بال نکالتی ہے اور ایک طرف پھینک دیتی ہے جونہی وہ پھینکتی ہے میں فوراً وہ بال اُٹھا لیتی ہوں مجھے دیکھ کر حضرت بیگم صاحبہ مسکراتی ہیں اور اس لڑکی کو مخاطب

کرتی ہیں کہ جاؤ اندر سے میرا ایک جوڑا لاؤ اور روبی کو دے دو۔ وہ اندر سے جوڑا لاتی ہے اور حضرت بیگم صاحبہ مجھے اپنے ہاتھوں سے عنایت کرتی ہیں اور سر پر دستِ شفقت رکھتی ہیں اس جوڑے کا رنگ فاختئی (گرے) ہوتا ہے اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

عجیب خواب تھا۔ تمام راستے وہ میرے ذہن میں فلم کی طرح آتا رہا کراچی پہنچ کر سب سے پہلے مَیں نے حضرت بڑی امی جان کو خط لکھا اور خواب بھی لکھ دیا۔

ایک سال کے بعد میں ربوہ گئی اور بڑی امّی جان کی خدمت میں حاضر ہوئی میرے ساتھ میری امّی اور بیٹی سعدیہ بھی تھی۔ اس وقت بڑی امی جان صوفے پر اپنے کمرے میں بیٹھی تھیں اور ایک پیڑھی پر پاؤں رکھے ہوتے تھے۔ میری بیٹی آپ کے مبارک قدموں میں بیٹھ گئی اور آپ کے پاؤں چھیڑنے لگی میں نے منع کرنا چاہا۔ تو حضرت بڑی امی جان فرمانے لگیں کہ کھیلنے دو بچی ہے اور میری امی سے فرمانے لگیں کہ مظہر بی۔ مَیں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں مگر تم مجھے ملنے نہیں آتی ہو۔ یہ سُنکر میری کیفیت عجیب طرح کی ہوگئی کہ ہم حقیر اور ناچیز سے بندے ہیں اور یہ ایک بہت بڑی ہستی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُخترِ مبارک ہیں۔ پھر بھی ہمیں یاد کرتی ہیں یہ سوچ کر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مجھے روتے دیکھ کر فرمانے لگیں۔ تمہارا خط مل گیا تھا۔ مَیں نے تمہارے لیے جوڑا رکھا ہوا ہے۔ پھر خالہ لیلیٰ سے فرمایا۔ لاؤ لیلیٰ اپنی بیٹی کا سوٹ

لاؤ (وہ اکثر مجھے لیلیٰ کی بیٹی کہا کرتی تھیں۔ کیونکہ میں ان کے پاس رہا کرتی تھی) خالہ لیلیٰ وہ سوٹ لے کر آئیں اور بیگم صاحبہ کو دیا۔ انہوں نے بالکل خواب کی طرح مجھے پیار کیا اور سوٹ دیا۔ جب وہ پیار کر رہی تھیں تو مَیں زیادہ رونے لگیں انہوں نے مجھے گلے کے ساتھ لگایا اور اپنے بابرکت ہونٹوں سے میری پیشانی کو چوما اور فرمانے لگیں کہ منظر بی۔ تمہاری بیٹی کیوں رو رہی ہے۔ اس کو کہو کہ خدا اس کو بیٹا دے گا۔ پھر جب مَیں نے سوٹ دیکھا تو وہ فاختئی رنگ کا تھا۔ فرمانے لگیں ایسا ہی رنگ تم نے خواب میں دیکھا تھا۔ اللہ اللہ کیا یادداشت تھی۔

پھر ۱۹۸۴ء فروری میں میرا بیٹا شعیب پیدا ہوا۔ مَیں ربوہ تھی تو ایک دن فون کی گھنٹی بجی خالہ لیلیٰ فون پر تھیں اور فون بڑی امی کی طرف سے ان کے کمرے سے کر رہی تھیں اور مجھے بیٹے کی مبارک باد دے رہی تھیں مَیں نے فون پر بڑی امی کی بڑی واضح آواز سُنی آپ فرما رہی تھیں کہ لیلیٰ! روبی کو میری طرف سے مبارک باد دو۔ اور یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔

افسوس کہ آج وہ ہم میں نہیں مگر ان کی دُعائیں۔ برکتیں۔ ان کی نصیحتیں اخلاق، پیار، ہمدردی ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

ناقابلِ فراموش یادیں

(محترمہ ستارہ مظفر صاحبہ مغلپورہ۔ لاہور)

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی مشفق ہستی ہر ایک کے لیے باعثِ رحمت تھی۔ آپ سے ملنے والے آپ کی مبارک ہستی سے برکتیں حاصل کرتے۔ نئی نسل کی تربیت کا کوئی لمحہ بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔

آپ کی زیارت کا موقع فضل عمر درس القرآن کلاس کے موقع پر اپنی ایک سہیلی کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے جانے پر ملا۔ حضرت سیدہ صاحبہ اُسے اچھی طرح جانتی تھیں مگر میری پہلی ملاقات تھی۔ اس لیے اس سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو اس نے سہیلی ہونے اور ہمارا آپس میں بہت پیار ہونے کی وجہ سے کہہ دیا یہ میری بہن ہے آپ نے غور کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ یہ تمہاری بہن نہیں لگتی۔ صحیح رشتہ بتاؤ۔ اس نے کہا میری سہیلی ہے اس پر فرمایا۔ ہاں اب ٹھیک ہے ساتھ ہی فرمایا کہ جب تعلق پوچھا جاتے تو صحیح رشتہ بتایا جاتے۔ اس مختصر سی ملاقات کے بعد خاکسارہ کا نام ہمیشہ یاد رکھا۔

اس کے بعد دعا کے لیے خطوط لکھنے اور آپ کے شفقت بھرے جوابات ملنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک مرتبہ آپ کی طبیعت خراب تھی۔ بچپن کی ناسمجھی میں دعا کے لیے خط لکھتے وقت اس خیال سے کہ خط ملنے پر دُعا تو ہو جاتی ہے خط پر اپنا اڈریس نہ لکھا کہ آپ کو جواب دینے میں دِقّت

ہو گی۔ کچھ عرصہ بعد میں ملاقات کے لیے حاضر ہوئی تو شکوہ کیا کہ خط میں ایڈریس کیوں نہ لکھا یہ ٹھیک ہے کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے اور اکثر جواب نہیں دے سکتی۔ دُعا تو سب لکھنے والوں کے لیے کرتی رہتی ہوں۔ مگر جواب دینے کو دل چاہتا ہے مجھے خط تو صرف میرا نام اور ربوہ لکھنے پر مل جاتا ہے مگر باقی سب کو تو لکھنا چاہیئے۔ پھر نصیحت کی کہ خط پر ہمیشہ اپنا مکمل ایڈریس لکھو۔

دنیا بھر میں پھیلی ہوئی جماعت کی ایک ادنیٰ سی لڑکی کے لیے دُعائیں کرنا لاکھوں میں سے ایک عام انسان کو یاد رکھنا۔ معجزاتی حافظے کی مالک خاص روحانی ہستیوں ہی کا خاصّہ ہے۔

میرے ایف اے اور چھوٹی بہن کے میٹرک کرنے کے بعد مزید تعلیم کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے ابا جان کا تبادلہ ایسی جگہ ہو جانے کی وجہ سے جہاں کالج نہیں تھا منقطع ہو گیا اس دوران آپ سے ملاقات ہوئی تو نہایت شفقت آمیز ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے امی جان سے فرمایا آج کل تو لوگ اپنی بیٹیوں کو نہایت اعلیٰ تعلیم دلا رہے ہیں کم از کم انہیں بی اے تو کراؤ۔ لڑکیوں کو فارغ نہیں رکھنا چاہیئے انہیں پڑھانا چاہیئے نہیں تو شادی کر دینی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ اپنے پیاروں کے منہ سے نکلی ہوئی بات کی بھی لاج رکھتا ہے گھر پہنچتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ چھ ماہ کے اندر اندر ہم نے اپنی پچھلی کمی پوری کر لی اور اعلیٰ نمبروں میں چھوٹی بہن نے ایف اے

اور خاکسارہ نے بی اے کر لیا۔ بعد میں میری بہن کو بھی بی اے کرنے کی توفیق ملی۔ رزلٹ کے فوراً بعد میری شادی ہو گئی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ملاقات ہونے پر یہ معلوم ہونے پر کہ کس خاندان میں شادی ہوئی بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ میری تینوں نندوں کے بارہ میں بتایا کہ انہیں تو میں نے قرآنِ مجید پڑھایا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ ملاقات کے دوران اچانک پوچھا تمہاری نندیں تمہارے گھر آتی ہیں۔ اثبات میں جواب ملنے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس طرح احسن طریقے سے معلوم کر لیا کہ اگر اس کا سلوک نندوں سے اچھا ہوگا۔ تو وہ اس کے گھر آتی ہونگی۔

خاکسارہ کی چھوٹی بہن کی شادی ایسی فیملی میں ہوئی جو صاحبِ جائیداد لوگ ہیں۔ میٹرک کی بنیادی تعلیم کے بعد بچے اپنی جائیداد وغیرہ سے متعلقہ کاموں میں مشغول ہو گئے۔ جب حضرت سیدہ صاحبہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جائیدادیں تو آنی جانی چیزیں ہیں پڑھائی ہی آخر کام آتی ہے۔ اس سے (یعنی میری بہن کے میاں کو) کہو کہ کم از کم ایم اے تو کرے خدا کا ایسا فضل ہوا کہ ان کی ذمہ داریاں کچھ عرصہ کے لیے دوسرے بھائی نے سنبھال لیں اور انہوں نے تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اس مقدس ہستی پر ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور ہمیں آپ کی دعاؤں سے حصہ لینے کے قابل بنائے۔ آمین

(مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

☆

حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا ذکرِ خیر

(از محترمہ امینہ مسعود صاحبہ بنت مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم حال کراچی)

ﷺ

میرے والد مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم لیڈی ولنگٹن ہسپتال لاہور میں ملازم تھے یہ غالباً ۴۵-۱۹۴۴ء کی بات ہے۔ ان دنوں حضرت سیّدہ اُمّ طاہر مرحومہ بیمار تھیں۔ حضرت اماں جان سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب مرحوم ہمارے گھر میں فروکش تھے۔ میری دادی مرحومہ نیک بی بی صاحبہ صحابیہ تھیں اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی امامت میں نمازیں بھی ادا کی ہوئی تھیں ایک دن جمعہ کے روز حضرت اماں جان نے فرمایا۔ نیک بی بی چلو جمعہ پڑھنے چلیں تو میری دادی صاحبہ کہنے لگیں۔ جی میں سُتھن پہن لوں (سُتھن پنجابی میں شلوار کو کہتے ہیں) دادی صاحبہ مرحومہ اکثر دھوتی پہنتی تھیں۔ جمعہ کے دن مسجد میں جاتے وقت شلوار پہن لیتی تھیں۔ اس پر حضرت اماں جان کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ برآمدہ کی سیڑھیاں چڑھتی جا رہی تھیں اور ہنستی جا رہی تھیں کہ نیک بی بی کہتی ہے کہ میں سُتھن پہن لوں۔ لفظ سُتھن پر انہیں ہنسی آ رہی تھی۔

حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ بیمار تھیں اور انہیں لیڈی ولنگٹن

ہسپتال میں چیک اپ کروانا تھا (لیڈی ولنگٹن ہسپتال زنانہ امراض کا ہسپتال ہے، لیکن علاج مرد ڈاکٹر بھی کرتے ہیں) میرے والد صاحب مرحوم نے اپنے انگریز سرجن سے کہا کہ پردہ دار خاتون ہیں اور ہمارے مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی اور ایک نواب کی بیوی ہیں۔ میں نے ان کو مرد ڈاکٹر سے چیک اپ نہیں کروانا۔ بلکہ لیڈی ڈاکٹر چیک کرے۔ چنانچہ حضرت سیّدہ کو لیڈی ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ چیک اپ کے بعد والد صاحب مرحوم نے حضرت بیگم صاحبہ کو سارا ہسپتال دکھایا۔ تو حضرت اماں جان فرمانے لگیں۔ غلام مصطفیٰ نے اپنی بہن کو سارا ہسپتال دکھایا ہے۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اور قادیان میں پانچویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ مجھے یہ باتیں میری والدہ صاحبہ نے بتائیں۔

اس کے بعد ربوہ میں حضرت بیگم صاحبہ کی کوٹھی ہمارے گھر کے نزدیک دارالصدر میں بنی اس طرح وہ ہماری پڑوسی بھی تھیں۔ اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ پھر میرے بھانجے عزیزم راجہ عبدالمالک کا رشتہ حضرت بیگم صاحبہ کی نواسی نگہت بنت مکرم کرنل صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب مرحوم سے طے ہو گیا۔ جب یہ بابرکت رشتہ داری اس مبارک خاندان سے ہوئی تو بے تکلفی کچھ بڑھ گئی۔ چنانچہ ایک دن فرمانے لگیں کہ ڈاکٹر صاحب نے مجھے لیڈی ولنگٹن ہسپتال میں مرد ڈاکٹر سے نہیں دکھوایا تھا بلکہ لیڈی ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تھا۔ مجھے ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بہت اچھی لگی۔ پھر ہسپتال دیکھنے کا بھی ذکر کیا میرے ساتھ

میری چھوٹی بہن نعیمہ ناصر آف لاہور بھی تھی۔ تو کہنے لگیں شاید آپ کو یاد ہوگا کہ ہم آپ کے گھر ٹھہرے ہوتے تھے اس وقت آپ بہت چھوٹی تھیں۔

میرے والد صاحب مرحوم آخری دنوں میں ذہنی طور پر کچھ مختل رہتے تھے ہر وقت درثمین وغیرہ کی نظمیں پڑھتے اور مذہبی باتیں کرتے رہتے تھے۔ صبح کو اونچی آواز میں نظمیں پڑھنے لگ جاتے تھے۔ اور دُعائیں بھی اونچی آواز میں پڑھتے تھے۔ تو فرمانے لگیں ڈاکٹر صاحب پاگل نہیں تھے بلکہ مجذوب تھے۔ ہر وقت مذہب کا جنون رہتا تھا۔ درثمین کے اشعار اور دُعائیں پڑھتے رہتے تھے تو پتہ لگتا رہتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب جاگ رہے ہیں۔

پڑوسی ہونے کے ناطے تحائف وغیرہ بھجواتی رہتی تھیں ایک دفعہ لیموں بھیجے کہ یہ میرے گھر کے ہیں اسی طرح پھول وغیرہ بھجواتی رہتی تھیں۔

میری بچی فریدہ مسعود اس وقت چھوٹی تھی میں اس کو ساتھ لے کر جاتی میں نے اس کو بتایا کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی ہیں اور آخری نشانی ہیں۔ حضرت بیگم صاحبہ فریدہ کو پاس بٹھا کر اس کو پیار کرتیں اور مصافحہ بھی کرتیں۔ بعض اوقات بیماری کی وجہ سے عام ملاقات کی اجازت نہ ہوتی لیکن ہمیں خاص طور پر ملنے کی اجازت دے دیتی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کی بیٹیاں آئی ہیں بعض دفعہ دروازے سے ہی دیکھ کر آجاتی تھیں کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے لیکن اکثر ملاقات ہو جاتی تھی مصافحہ کر کے دُعاؤں

کے ساتھ رخصت کرتی تھیں۔ اور سب کا حال احوال بھی پوچھتی تھیں۔

ایک دفعہ ہم نے آپ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پوچھا کہ آپ کو کچھ یاد ہیں تو فرمانے لگیں۔ کہ حضرت اماں جان نے مجھے ملازم کے ساتھ باہر بھجوا دیا تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی تو میری عمر چار سال تھی۔ اس لیے کچھ یاد نہیں۔ اگر جنازے کے وقت میں موجود ہوتی تو شاید کوئی تھوڑی سی جھلک بچپن کی میرے ذہن میں موجود ہوتی، لیکن مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔

پھر اپنی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی فوزیہ بیگم مرزا شمیم احمد صاحب مرحوم کی باتیں بتائیں کہ کس طرح اس کے میاں جاپان میں اچانک فوت ہو گئے اس کی حضرت بیگم صاحبہ کو بہت تکلیف تھی کیونکہ وہ سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھیں جوانی میں ہی بیوہ ہو گئیں۔ پھر اس کی فوٹو بھی جاپانی ڈریس میں ہمیں دکھائی۔

غالباً ۱۹۳۴-۳۵ء کا ایک پُرلطف واقعہ یاد آگیا۔ ان دنوں والد صاحب مرحوم سنٹرل جیل لاہور میں متعین تھے اور ان کے ایک دوست ڈاکٹر سراج الدین صاحب مرحوم آف سیالکوٹ پاگل خانہ میں ڈاکٹر تھے (لاہور میں سنٹرل جیل اور پاگل خانہ کی عمارات ان دنوں تقریباً ساتھ ساتھ تھیں) ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لاہور تشریف لاتے اور مکرم کرنل تقی الدین احمد صاحب کی کوٹھی میں جیل روڈ پر ٹھہرے ہوتے تھے حضرت سیدہ اُمّ طاہر مرحومہ بھی ساتھ تھیں۔ میری والدہ اور ڈاکٹر سراج الدین

صاحب کی اہلیہ خالہ سردار بیگم ایک دن حضور کی کوٹھی پر ملنے گئیں اور ساتھ کھانا بھی لے گئیں۔ حضرت اُمّ طاہر مرحومہ نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں تو میری والدہ صاحبہ نے کہا "جی مَیں تو جیل خانہ سے آئی ہوں"۔ جب خالہ سردار سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ "مَیں پاگل خانے سے آئی ہوں"۔ اس پر حضرت سیّدہ اُمّ طاہر ہنسنے لگیں اور فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پاس گئیں اور کہنے لگیں کہ دو عورتیں آئی ہیں ایک کہتی ہے مَیں جیل خانہ سے آئی ہوں اور دوسری کہتی ہے کہ مَیں پاگل خانہ سے آئی ہوں یہ کیا بات ہے حضور فرمانے لگے ٹھیک ہی تو کہتی ہیں ایک کا میاں جیل خانے کا ڈاکٹر ہے اور دوسری کا میاں پاگل خانے کا ڈاکٹر ہے۔ چنانچہ حضور نے باہر مردوں میں یہ بات سنائی کہ آج ہمارے گھر میں یہ لطیفہ ہوا ہے۔ تو تمام حاضرین بہت محظوظ ہوتے۔ چنانچہ سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ اس واقعہ کا تذکرہ کر کے خوب محظوظ ہوتیں۔

☆

نورانی چہرہ

(از محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ (ہیڈ معلمہ) صدر لجنہ اماء اللہ بستی جمال والا ملتان)

اس عاجزہ کا یہ خیال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صرف ایک بیٹی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ہیں۔ پاکستان بننے کے چند سال بعد جب ہم لوگ جلسہ سالانہ پر ربوہ گئے تو معلوم ہوا کہ آپ کی دوسری بیٹی حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ بھی ہیں۔ جو آج کل ربوہ میں مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے گھر مقیم ہیں۔ یہ عاجزہ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ ایک چھوٹے کمرہ میں بوجہ سر درد کے لیٹی ہوئی ہیں آپ سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ بہت پریشان ہوئی کہ جلسہ سالانہ تو گذر گیا اور اب واپس جانا ہے یا اللہ زیارت ہو جائے۔ کچھ سوچ کر دبے پاؤں آہستگی سے کمرے میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی۔ چند مستورات اندر بیٹھی تھیں کسی نے مجھے ہلکی آواز سے واپس جانے کا کہا۔ جبکہ میں آپ کا مقدس چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ آپ ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں دروازے کی جانب پشت تھی! یہ عاجزہ نہ دیکھ پائی روکنے والی کی دھیمی آواز سن کر آپ نے اپنا چہرۂ مبارک بڑی بشاشت سے میری جانب کر کے میری طرف دیکھا۔ اور مجھے ان کا اس قدر تکلیف میں خیال رکھنا اور خواہش پوری کر دینا۔ مجھے بہت متاثر کر گیا۔ اس کے

بعد جب بھی جلسہ سالانہ پر ربوہ جانے کا موقع ملتا۔ یہ عاجزہ آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتی۔

میرا بڑا لڑکا عزیزم حمید احمد طبیہ کالج ربوہ میں اور دو بچیاں نویں اور چھٹی جماعت میں داخل ہوئیں اور ہم کرایہ کے مکان میں ربوہ رہنے لگے۔ کبھی کبھی یہ عاجزہ بچوں کے ساتھ جاتی۔ ایک بار آپ نے نام اور وطن کا پوچھا۔ پھر فرمایا کہ تمہارے ہاں اگر سر میں درد ہو تو کیا کرتی ہو۔ میں نے ایک دو دوائیوں کے نام لے کر کہا کہ ہم سر میں تیل کی مالش بھی کرتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو یہ عاجزہ آپ کے سر میں مالش کر کے دکھاتے۔ آپ نے تیل دیا اور میں کافی دیر تک آپ کے سر کی مالش کرتی رہی اور مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے میرے لیے مشروب منگوایا۔ آپ کے حسنِ سلوک سے مجھے بہت سکون ملا۔ آپ نے سر میں تیل کا لگانا پسند فرمایا۔

ایک بار میں اپنی تین سالہ بچی فرحت تسنیم کے ساتھ حاضر ہوئی اور میں نے خیر و عافیت دُعا اور اپنے آنے کا مقصد بتانے کے بعد آپ سے بطور تبرک کوئی کپڑا اپنی بڑی بیٹی کی خاطر طلب کیا آپ نے اپنا سبز رنگ کا چون دار دوپٹہ عنایت فرمایا اور ساتھ ہی مٹھائی بھی میرے بچوں کے لیے دی۔

واپسی پر میں نے خواب دیکھا کہ آپ کا بہت ہی خوبصورت نورانی چہرہ ہے اور آپ ایک خوبصورت سُتھرے مکان میں کُرسی پر بیٹھی ہیں مجھے دیکھکر آپ نے دوسری کُرسی مجھے دی۔ مگر میں نے کہا کہ میں پہلے حضرت

مصلح موعود کے فلاں صاحبزادے کے گھر سے ہو کر آؤں۔ پھر کرسی لے لوں گی اور بیٹھوں گی۔ واپس آکر کرسی پر بیٹھی۔

ایک سال کے بعد ربوہ گئی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو سچ مچ آپ نے مجھے صوفہ پر اپنے پاس بیٹھنے کو فرمایا۔ اور یہ عاجزہ آپ کے پاس بیٹھ گئی اور خواب کا منظر نظروں میں گھوم گیا۔

ایک دفعہ میری بڑی لڑکی اپنے سسرال والوں کے ساتھ حاضر ہوئی تو آپ نے اُسے دیکھتے ہی فرمایا تم ناصرہ کی بیٹی ہو اور خیروعافیت دریافت کی۔

مجھے اپنی بیٹی کی شادی کے بعد بیٹی کی طرف سے پریشانی ہوئی۔ عاجزہ نے دُعا کے لیے لکھا آپ نے بہت پیار دلجوئی اور بہترین نصائح پر مشتمل خطوط لکھے۔ جو اس عاجزہ کے لیے قابل فخر اور متبرک ہیں۔ آپ اکثر اظہار فرماتیں کہ مجھے تمہاری بیٹی کا بہت فکر ہے۔

ایک دفعہ آپ نے میری بچیوں نسیم اختر اور بشریٰ پروین سے دریافت فرمایا کہ کتنی تعلیم مکمل کر لی ہے عرض کیا کہ میٹرک دونوں نے پاس کر لیا ہے چونکہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں مزید تعلیم حاصل کرنے کے وسائل نہیں ہیں فرمایا۔ پرائیویٹ طور پر مزید تعلیم دلواؤ۔ اگر نہیں تو انگلش نہ بھلا بیٹھنا۔ لڑکیوں کو فارغ نہیں رہنا چاہیئے۔

ایک بار اس عاجزہ نے اپنی بچیوں کے رشتہ کے بارہ میں کچھ حالات عرض کیئے اور یہ بھی کہ ہم دیہات میں رہتے ہیں۔ ہمارے رشتہ دار غیراز جماعت

ہیں اس لیے کافی فکر رہتا ہے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ خود انتظام فرمائے گا۔ اگر احمدی رشتہ تسلی بخش نہ ملے تو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت سمجھنا چاہیئے۔ اس طرح بہت پیار سے انداز میں قدردانی اور حوصلہ افزائی فرمادی۔

افسوس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لخت جگر۔ نور کا مجسمہ۔ مہربان غم خوار ہم سب کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے وجودوں کو اپنے خاص فضل وکرم سے اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پیاروں سے پیار فرماتا رہے آمین۔

حضرت سیدہ مرحومہ کے میرے نام لکھے ہوئے چند خطوط:

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

RABWAH
۷۶ر۶ر۲

عزیزہ ناصرہ بیگم سلمہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا بلا تاریخ خط ملا۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور تمام مشکلات دور فرمائے مجھے بھی تمہارا خیال رہتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت تم یاد آتی ہو۔ جب میرے سر درد شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ تم نے بہت اچھا سر دبایا تھا۔ جزاکم اللہ۔ اللہ تعالیٰ سب مشکلات کو آسان کردے۔ دعائیں بہت کیا کرو۔ والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

RABWAH ناصرہ بیگم سلمہا

۳/۹/۷۸ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

تمہارا تفصیلی خط ملا۔ جو بلا تاریخ تھا۔ سارے حالات پر غور کرکے میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ لڑکی کے لیے علیحدگی ضروری ہے۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا بیمار ہے۔ وہ بے چارہ مجبور اور قابلِ رحم ہے اس کا کیا قصور ہے۔ تاہم لڑکی کی ساری زندگی برباد کرنا گناہِ عظیم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کی اجازت رکھی ہے تو پھر یہ دُنیا کی شرم داخلِ معصیت ہے۔ خدا نہ کرے لڑکی شوق سے تو طلاق نہیں لے رہی بلکہ مجبوری ہے میرا مشورہ ہے کہ فوراً خلع لے لو اور لڑکی کی شادی دوسری جگہ کردو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانیاں دُور فرمائے۔ بچی کو پیار

والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

☆

۳۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

RABWAH عزیزہ ناصر بیگم سلمہا

۱/۲/۷۹ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا بلا تاریخ خط ملا۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے آپ کا کفیل ہو اور داماد کو صحت و عافیت کے ساتھ کاروبار بھی عطا کرے۔ مجھے آپ کی بچی

کا بہت فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے سکون کی زندگی عطا فرمائے۔ خواب بہت اچھا ہے میری طبیعت ابھی تک پوری طرح ٹھیک نہیں اسی وجہ سے خط کسی عزیز سے لکھوا رہی ہوں۔

والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

☆

۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

RABWAH

عزیزہ ناصرہ بیگم سلمہا

۱۵/۵/۸۰

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا خط ملا۔ جو ہوا بہتر ہوا۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ تم نے پہلے ہی کافی دیر کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بچّی کے لیے بہتر سامان فرمائے میرا یہی مشورہ ہے کہ بچّی کی شادی جلدی کرو۔ زیادہ دیر نہ بٹھانا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو اور ہر قسم کی پریشانیاں دُور فرمائے۔

والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

☆

مُستجاب الدعوات

{ محترم عبدالسمیع صاحب نُون ایڈووکیٹ سرگودھا کے اپنے بھانجے محمد زبیر صاحب نون کی وفات پر رقم کردہ مضمون کا ایک اقتباس بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۶ رجنوری ۱۹۹۴ء }

⁂ ⁝ ⁂

محمد زبیر میری بڑی بہن زینب بیگم کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کے والدین چند سال قبل فوت ہو چکے ہیں اوائل ۱۹۸۰ء میں وہ کینسر سے شدید بیمار ہوا۔ حتیٰ کے جان کے لالے پڑ گئے۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو تار دیا اور یہ الفاظ لکھے:

·NOTHING CAN BE DONE FOR ZUBAIR.

اور دعائے خاص کی درخواست کی۔ پھر ربوہ جا کر بیت الکرام کوٹھی پر دستک دی کہ وہاں ماں سے زیادہ شفقت کرنے والی ہستی رہتی تھیں۔ وہ مجھ پر کیوں مہربان تھیں اس میں میری ہرگز کوئی خوبی نہیں تھی۔ اور نہ اپنا استحقاق سمجھتا تھا۔ اس کے مقدس ماں باپ سے اس کو غریب پروری اور بندہ نوازی اور فیض رسانی کے اوصافِ حسنہ ورثہ میں ملے ہوتے تھے۔ وہ تھیں حضرت اماں جان سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ الغرض حضرت ممدوحہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری پریشان حالی پر مادر مہربان کو ترس آیا۔ میں نے تفصیل

زبیر کی بیماری کی عرض کی تو چند ثانیے کے توقف کے بعد اپنے رب کریم پر توکل کرتے ہوئے بڑے وثوق کے ساتھ اور بڑی پُرشوکت آواز میں فرمایا کہ تم بے فکر ہو جاؤ اللہ تعالیٰ محمد زبیر کو ضرور شفا دے گا۔ سُتجی بُوٹی پلانا شروع کر دیں ؎

یہاں آؤ وہ نُورِ جاودانی دیکھتے جاؤ
نمودِ حسنِ یار لامکانی دیکھتے جاؤ
درِ رحمت سے اُٹھتی ہے گھٹا جب ابرِ رحمت کی
ٹپک پڑتا ہے شعلوں سے بھی پانی دیکھتے جاؤ

محمد زبیر نوعمری ہی سے عبادت میں بہت شغف رکھنے والا اور دُعاگو تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں کی دُعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے زبیر کی حالت میں بہتری کے آثار پیدا فرما دیئے اب اسے ہوش آ چکا تھا بخار بھی کم ہوتے ہوتے ٹوٹ گیا تھا۔ میں اس کے پاس میو ہسپتال کے کمرے میں گیا۔ تو حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا اور آنسو بہا رہا تھا ؎

مایوس کبھی تیرے سوالی نہیں پھرتے ۔۔۔ بندے تری درگاہ سے خالی نہیں پھرتے
ہر آن ترا حکم تو چل سکتا ہے مولیٰ ۔۔۔ وقت آ بھی گیا ہو تو وہ ٹل سکتا ہے مولیٰ

تقدیر یہی ہے تو یہ تقدیر بدل دے
تو مالکِ تحریر ہے تحریر بدل دے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ایسا کرشمہ فلک نے دیکھا جیسا کہ گذشتہ

صدی کے آخر میں عبدالکریم جسے باؤلے کُتے نے کاٹا تھا اور پھر اس پر باؤلے پن کے آثار ظاہر ہو چکے تھے تو اسے لاعلاج قرار دیا گیا اور محمد حیات کو طاعون کی بیماری کا شدید حملہ ہوا اور اطباء اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے مگر اللہ شافی نے اپنے مقبول بندے کی دُعا قبول فرماتے ہوتے انہیں شفا عطا فرما دی۔

المختصر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں محمد زبیر کو صحت بخش دی اور پھر اسے تیرہ سال تک مہلت عطا فرمائی۔

○

میری ڈائری سے

۶/۵/۸۷

ندامت کے دو اوراق

مبشر احمد محمود۔ ایم اے

آج حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ رحلت فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مجھے بے انتہا دُکھ ہوا ہے۔ ایک ایسے کرب سے دل پھٹا جا رہا ہے جس کا اس سے پہلے مجھے احساس تک نہ تھا حضرت بیگم صاحبہ ہمیشہ سے ہی ہمارے گھر کا ایک اہم جزو اور سب اہل خانہ کے افراد کا ایک لازمی حصہ رہی ہیں۔ ہم سب بہن بھائیوں نے جس فضا میں آنکھ کھولی اور جس ماحول میں پلے بڑھے۔ وہ حضرت بیگم صاحبہ کے ذکر سے اور آپ کی شخصیت کے سحر سے معمور تھا۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گذرا ہو گا کہ

جب کسی نہ کسی حوالہ سے اُن کا ذکرِ خیر دن میں دو تین بار ہمارے گھر میں نہ ہوا ہو۔ خوبیٔ قسمت سے محترم والدصاحب کو یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل تھی کہ انہوں نے شیر خوارگی میں حضرت بیگم صاحبہ کا دُودھ پیا ہوا تھا۔ اور یوں بیگم صاحبہ کی جسمانی اولاد کے علاوہ سارے عالم میں شاید وہ واحد خوش بخت ہیں جنہیں مسیح موعود علیہ السلام کی "دُختِ کرام" کے رضاعی بیٹے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور لاریب کہ یہ ع

سر اُٹھاتا ہوں تو افلاک کو مَس کرتا ہے

والی بات ہے۔

یہ نُور بقدرِ ظرف ہم سب بہن بھائیوں تک بھی منتقل ہوا۔ اور ہم سب کو حضرت بیگم صاحبہ سے ذاتی اور خصوصی قُرب حاصل رہا۔

—— میٹرک تک مَیں بھی بکثرت اُن کے پاس جاتا رہا۔ وہ پیار کرتی تھیں۔ لہجہ ماؤں جیسا شفیق ہوتا تھا۔ اور اکثر اوقات اپنے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ خورد ونوش کے لیے بھی عطا فرماتی تھیں۔ مگر میٹرک کے بعد میں شاید ایک دفعہ بھی ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا۔ میرے سِن شعور نے شاید مجھے بے شعوری کے دَور میں دھکیل دیا تھا۔ ایک عجیب طرح کا حجاب پیدا ہوگیا تھا —— مگر اُس عظیم ہستی نے ہمیشہ مجھے یاد رکھا۔ اکثر والدصاحب سے اور میری امّی جان سے میرے متعلق پُوچھتی رہتی تھیں۔ بے شمار دفعہ یاد فرمایا بلکہ دو ایک دفعہ تو مشفقانہ سختی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

"آخر کیوں نہیں آتا وہ کم بخت۔ کیا میرے گھر سے اسکا پردہ ہے؟"

میں نے بہت دفعہ شدت کے ساتھ چاہا۔ حاضر ہونے کا ارادہ بھی کیا۔ مگر کیا کہوں؟۔۔۔۔ سوائے اس کے کہ شاید میں واقعی کم بخت ہی تھا ـــــ مجھے اپنی اس کم بختی کی شدت کا آج اندازہ ہوا ہے۔ دُکھ، افسوس اور ندامت نے میرے ذہن کو مفلوج کرکے رکھ دیا ہے۔ مجھے اس غیر محسوس قلبی لگاؤ کا تو اس سے پہلے ادراک ہی نہیں تھا۔ ایسے لگتا ہے کہ ہمارے گھر کا ایک بہت روشن گوشہ ہمیشہ کے لیے تاریک ہوگیا ہے۔ اور میرے وجود کا ایک لازمی مگر غیر مرئی حصہ مجھ سے آج جدا ہوگیا ہے ـــــ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں! وقت تو مجھے دھول مٹی میں اَٹا ہوا چھوڑ کر آگے نکل گیا ـــــ شدتِ احساس سے یہ دو اشعار خود بخود ہی زبان پر آگئے ہیں ؎

نہ خاک و خون کا رشتہ نہ جسم وجاں کا تھا
کہ اُن سے میرا تعلق فقط گماں کا تھا
مگر وہ دستِ دُعا سر سے اُٹھ گیا تو کھلا
یہ ربطِ جاں تو کسی طفل اور ماں کا تھا

۱۹۸۷ر۵ر۷

آج حضرت بیگم صاحبہ نے ہمیشہ کے لیے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ وہ اُس خوشبو کی طرح فضاؤں میں بکھر گئی ہیں جسے اب کبھی سمیٹا نہیں جا سکتا چھوا نہیں جا سکتا۔ بس محسوس کیا جا سکتا ہے۔ زمین کو امین بنا کر یہ مقدس امانت اُسے سونپ دی گئی ہے ـــــ انہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ وہ ہزاروں ہزار لوگ جنہیں ان کی عقیدت دُور دراز مقامات سے لمحوں میں کھینچے

لائی تھی وہ بوجھل دلوں اور تھکے قدموں کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں۔

—— مگر میں ہمیشہ کی طرح وہیں کا وہیں ہوں۔کہیں بھی نہیں گیا۔ زمین نے میرے پاؤں جکڑ لیے ہیں اور میری سوچ۔میری فکر اُس ایک لمحہ نے محبوس کر لی ہے جو میرے ہاتھ سے چھُوٹ کر حدِ اُفق سے پار نکل چُکا ہے —— اتنے لوگوں کو دیکھ کر اور اتنے لوگوں کی اتنی عقیدت اور محبت کو دیکھ کر مجھے مزید دُکھ ہوا اور ندامت ہوئی کہ میں اتنے قریب ہو کر بھی اُن سے اتنی دُور رہا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ اب میں کیا کروں —— نماز جنازہ کے دوران اور تدفین کے وقت میں نے بہت دُعا کی ہے اور بہت رویا ہوں۔بہت پچھتایا ہوں۔ یہ سارا وقت میں بچپن کے دریچوں سے اُن کے شفیق اور حسین چہرے کی زیارت کرتا رہا اُن کے چہرے کے نور کو اپنے دل پر محسوس کرتا رہا اور اُن کی باتیں یاد کرتا رہا۔اُن کا شفیق و شیریں لہجہ اور نرم و نازک خدوخال یاد آتے تو مجھے اس نُور کو یوں مٹی میں دفنا دینا اچھا نہیں لگا۔مگر پھر سمجھ آئی کہ نہیں یہ بھی ضروری ہے —— نُور کو کسی ایک دُنیا تک محدود کئے رکھنا بھی تو اچھا نہیں ؎

اندر بھی زمیں کے روشنی ہو\
مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے

انہی سوچوں کے دوران ندامت کا ایک دَر اور کھُلا اور ایک اور یاد کچھ اس طرح مُسکراتی ہوئی میرے سامنے آکھڑی ہوئی کہ مجھے

رُلا دیا ـــــــ بچپن میں ایک دفعہ اُن کی فوکس ویگن میں اُن کے ساتھ لاہور گیا تھا۔ انہوں نے پچھلی سیٹ پر اپنے ساتھ مجھے بٹھا لیا اور اپنا پرس میری جھولی میں رکھ دیا تھا۔ راستہ میں ایک جگہ کار رکوائی اور خادم سے فرمایا: "جاؤ مبشر کے لیے کوئی پھل لے کر آؤ"

مجھے لاہور کے بارہ میں کچھ علم نہیں تھا۔ آپ مجھے بتاتی جاتی تھیں ..... وہ بُڈھا راوی ہے۔ یہ نیا پُل بنا ہے۔ یہ مینارِ پاکستان ہے۔ یہ قلعہ ہے اور یہ شاہی مسجد۔

ـــــــ مجھے آج بھی اپنے بارہ میں۔ دُنیا کے بارہ میں۔ زندگی کے بارہ میں کچھ علم نہیں ہے۔ میں اُن کے قریب رہ کر یہ باتیں جان سکتا تھا اور اس قُربت سے وہ نُور کشید کر سکتا تھا جو مجھے فلاح کا راستہ دکھاتا ـــــــ مگر اب یہ سب کچھ سوچنا اور اس سوچنے پر نادم ہونا لاحاصل ہے۔ وہ تو جا چکیں۔ اب کبھی واپس نہ آئیں گی۔ اب کبھی اُن کی کوئی نصیحت، کوئی جھڑکی سُننے کو نہ ملے گی ـــــــ اب ہمسایوں کے گھر سے کبھی یہ آواز نہیں آئے گی کہ "بیگم صاحبہ کا فون آیا ہے"۔ کبھی کوئی خادم یہ پیغام لیکر نہیں آئے گا کہ "اسلم صاحب کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ ناراض ہو رہی ہیں"۔ کبھی حضرت بیگم صاحبہ والد صاحب کو یہ نہیں کہیں گی کہ

" اسلم کہاں چلے جاتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے میری طبیعت خراب ہے اخبار پڑھ کر سناؤ۔ میری دوائی لادو۔ نرس کو بلا دو۔ عائشہ کہاں ہے؟ اسے کہنا کل ضرور آئے عائشہ! تمہاری بہو کا کیا نام ہے"۔ اچانک ایک آواز نے چونکا دیا اور مجھے سنبھال لیا ... "دُعا ہو رہی ہے، دعا کریں"۔

تاثرات

جستہ جستہ

۱۔ محترمہ امۃ السمیع طاہرہ صاحبہ اہلیہ مکرم محمد انیس الرحمٰن صاحب سابق مربی انگلستان حال بنگلہ دیش لکھتی ہیں :۔

عاجزہ کو اپنے خاوند مکرم محمد انیس الرحمٰن صاحب شاہد مربی سلسلہ کے ہمراہ پانچ سال رہنے کا موقع ملا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں مرکز سلسلہ میں واپس آکر عاجزہ اپنے بچوں کے ہمراہ حضرت سیدہ مرحومہ سے ملنے گئی۔ آپ نے بہت محبت اور شفقت کے ساتھ ہم سے گفتگو فرمائی۔ اور ڈھیر ساری دعائیں دیں اور دریافت فرمایا کہ تم کتنے عرصہ سے والدین کے ساتھ شادی کے بعد ملی ہو اس پر عرض کی بنگلہ دیش سے آنے کے بعد گیارہ سال بعد والدہ اور دیگر رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ واقف زندگی ہو اور اتنے عرصہ تک جدائی برداشت کی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ بلکہ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے گا۔ اور تمہیں دین و دنیا کی ترقیات سے نوازے گا اس پر میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ مجھے وقف کی رُوح کو سمجھنے اور اسے قائم رکھنے اور اس کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فرمایا میں انشاء اللہ دعا کروں گی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ تمہارا حافظ و ناصر ہو اس پر میں بہت خوش ہوئی اور آپ کی شفقت محبت اور ڈھیر ساری دُعاؤں کو اپنی جھولی میں لے کر واپس لوٹی۔ اللہ تعالیٰ

حضرت سیدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماتے اور ہم سب کو نیک خواہشات کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرماتے آمین۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دل میں وقفِ زندگی کی بہت قدر تھی۔

○

۲۔ محترمہ عابدہ سلطانہ صاحبہ اہلیہ مکرم چوہدری محمد صادق صاحب کاہلوں دارالعلوم جنوبی ربوہ نے اپنے تاثرات میں لکھا:۔

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سے میری ملاقات ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ ہوئی آپ بہت محبت اور اخلاص سے ملیں۔ نام اور حالات پوچھے۔ یہ سُنکر کہ میں قادیان سے آئی ہوں بہت خوش ہوئیں پہلی ہی ملاقات میں آپ کے اعلیٰ اخلاق سے بہت متاثر ہوئی کافی باتیں ہوئیں جب میں واپس آنے لگی تو فرمایا۔ عابدہ آیا کرو ہم تم باتیں کیا کریں گی۔ مجھے آپ کے اس جملہ میں اتنا پیار اور اپنائیت کا احساس ہوا کہ میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آپ کے پاس آتی رہی اور آپ اسی محبت سے ملاقات کا وقت دیتی رہیں۔

آپ ہر ایک کے جذبات کا بہت خیال رکھتیں۔ میں آپ کے لیے ہاتھوں کے کڑے جس میں نگ جڑے ہوتے تھے لے کر گئی خوف تھا کہ کہیں ناراض نہ ہو جائیں کہ میری عمر چوڑیاں پہننے کی ہے لیکن میری سوچ کے بالکل برعکس آپ نے مسکرا کر ہاتھ میری طرف بڑھا دیا کہ میں پہنا دوں۔ مجھے آپ

کی یہ ادا بہت ہی پیاری لگی۔ میں نے خوش ہو کر کڑے آپ کے ہاتھ میں پہنا دیئے۔

مَیں جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوتی تھی بچوں کی خیریت ضرور پوچھتیں مَیں نے اپنے بیٹے سفیر احمد کے بارہ میں کہا کہ شادی کو دو سال ہو گئے ہیں دُعا کریں اللہ تعالیٰ بچہ دے۔ فرمایا "صرف دو سال۔ اتنی جلدی گھبرا گئی ہو۔" مَیں آپ کے اتنا فرمانے پر مطمئن ہو گئی کہ خواہ دیر سے سہی، لیکن انشاء اللہ بچہ ضرور ہو گا۔ چنانچہ شادی کے پورے پانچ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعاؤں کے طفیل پہلا بیٹا عطا فرمایا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ عزیزم سفیر نے اپنے بچے کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی زندگی وقف کر دی۔ الحمدللہ

مجھے خواہش ہوئی کہ آپ کی قمیص اور حضور اقدس کے کپڑوں میں سے کچھ تبرک کے طور پر آپ سے مانگوں لیکن حجاب مانع رہا۔ آخر کار میں نے بازار سے اچھی قسم کا قمیص کا کپڑا اور ایک دوپٹہ خریدا اور کچھ پھل لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا جسے آپ نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ پورا کیا۔ ویسے بھی میں کبھی آپ کے پاس خالی ہاتھ نہیں گئی جس کا آپ نے ایک بار اظہار بھی کیا کہ "عابدہ جب آتی ہیں کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لاتی ہیں۔" مَیں نے کہا آپ سے بھی تو مجھ کو دعاؤں کا تحفہ ملتا ہے جس پر آپ مسکرائیں۔

آپ نے مجھے آٹو گراف بھی دیا اس سے پہلے خاکسارہ کو حضرت نواب

مبارکہ بیگم صاحبہ نے بھی آٹو گراف دیا تھا عجیب اتفاق ہے کہ دونوں آٹو گراف کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی بچوں کے لیے دعائیں کہ بچوں کو نیک جوڑے ملیں۔ صالح اولاد عطا ہو۔ خاکسارہ کو بچوں کی بہترین تربیت کی توفیق ملے۔"

جب بھی مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے دیر ہو جاتی تو فرماتیں "عابدہ تم بہت دیر کے بعد آتی ہو۔ میں تم کو یاد کرتی تھی"۔ مجھے بھی آپ سے مل کر سکون ملتا تھا۔

O

۴۔ مکرم سردار عبدالقادر صاحب صدر جماعت احمدیہ چنیوٹ لکھتے ہیں:

فروری ۱۹۴۹ء میں حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے شدید بیماری کے حملہ سے صحت یابی پر حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کے لیے محبت پیار اور شکر گذاری کے جذبات کا اظہار کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں خاکسار چند یوم کے لیے ڈاڈر سینی ٹوریم میں ایک دوست کی عیادت کے لیے ٹھہرا ہوا تھا۔ اکثر فارغ وقت میں محترم ڈاکٹر ابرار احمد صاحب اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر کچھ وقت کے لیے ہمارے پاس آکر بیٹھتے۔ ایک روز ان کے ہمراہ ایک نوجوان ڈاکٹر (جن کا نام یاد نہیں آرہا) تشریف لائے ڈاکٹر ابرار احمد صاحب نے میرے احمدی ہونے کا ذکر کیا تو بیٹھتے ہی اس نوجوان ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی صحت کے متعلق دریافت کیا۔ چونکہ ایک دو روز قبل مانسہرہ میں الفضل سے حضرت نواب صاحب کی صحت کی رپورٹ (مکرم سید مبارک سرور شاہ صاحب کے

مکان پر جوان دِنوں اپنی والدہ کے ہمراہ مانسہرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے) پڑھ کر آیا تھا۔ وہی رپورٹ میں نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو بتائی۔ یہ رپورٹ سن کر وہ نوجوان ڈاکٹر صاحب جن کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا۔ کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ آخر میں نے اس سکوت کو توڑا۔ اور پوچھا کہ کیا بات ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت نواب صاحب کی بیماری کے دوران لاہور میں تھا اور مجھے ان کی خدمت کا موقع ملا۔ اکثر رات کو جب میں ان کے کمرہ میں جاتا۔ تو آپ کی بیگم صاحبہ کو چارپائی پکڑے ان کی صحت یابی کے لیے دُعائیں کرتا پاتا۔ میں نے اپنی ڈیوٹی کے دوران رات کو ان کی بیگم صاحبہ کو کبھی نیند یا آرام کی حالت میں نہیں دیکھا۔ بس دُعا کی حالت میں دیکھا۔ اب آپ سے ان کی صحت یابی کا سُن کر خدا تعالیٰ کی شانِ کریمی پر گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کہ وہ مریض جس کے بظاہر زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اور میں ان کی بیماری کے دوران صوبہ سرحد میں آ گیا تھا۔ اور خیال تھا کہ حضرت نواب صاحب ہمیشہ کے لیے دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہونگے مگر آپ کی بیگم صاحبہ کی دُعاؤں اور راتوں کی گریہ وزاری کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے اِن کی دُعاؤں کو سُنا اور قبول فرمایا۔ اور انہوں نے اپنے خاوند کے لیے نئی زندگی حاصل کر لی۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ اور ہم سب ان کی برکات وفیوض سے ہمیشہ متمتع ہوتے

رہیں ایک غیر از جماعت ڈاکٹر کے مندرجہ بالا تاثرات اور ذاتی مشاہدہ یقیناً حضرت سیّدہ موصوفہ کی دُعاؤں سے بھرپور زندگی کا عکاس ہے۔

○

۴ مکرم منیر ذوالفقار صاحب چوہدری معتمد مجلس خدام الاحمدیہ ناصر آباد اسٹیٹ ضلع تھرپارکر سندھ لکھتے ہیں :۔

خاکسار اپریل ۱۹۸۳ء میں ربوہ حضرت امام جماعت کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ اسی دوران حضرت صاحبزادی سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملا۔ مَیں نے رقعہ لکھ کر اندر بھجوایا۔ جس میں دُعا کی درخواست کے ساتھ آٹوگراف دینے کے لیے بھی عرض کی۔ جواباً فرمایا طبیعت خراب ہے مگر تم بہت دُور سے آئے ہو اس لیے مختصراً ایک جامع نصیحت تحریر کرتی ہوں اس پر عمل کرنا اور اپنے دستخطوں سے یہ نصیحت تحریر فرمائی کہ

"نماز کی پابندی کرو"

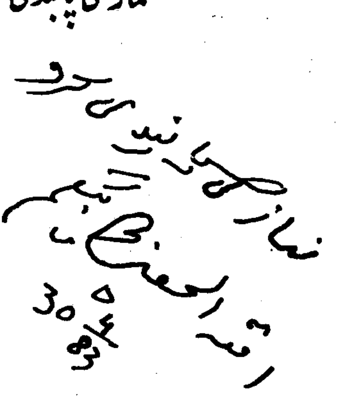
30/5/83

الحمد للہ کہ خاکسار نے اس نصیحت کے بعد بفضل خدا کوئی نماز نہیں چھوڑی میں اپنے تمام بھائی بہنوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی اس جامع نصیحت پر کماحقہٗ عمل پیرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز کی پابندی کی توفیق عطا فرماتے اور حضرت سیدہ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرماتے۔ آمین

○

۵۔ حضرت میاں روشن الدین صاحب زرگر گولبازار ربوہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

مکرم قریشی امیر احمد صاحب مرحوم نے بتایا کہ ایک دفعہ کچھ سونے کے زیورات سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ نے نواب محمد عبداللہ خان صاحب کو دیئے کہ یہ فروخت کروا دیں نواب صاحب نے وہ زیور مجھے فروخت کے لیے دیئے میں نے پیارے لال صراف کو دکھائے اس نے پانچ صد روپیہ قیمت لگائی میں چونکہ اس معاملہ میں ناواقف تھا اس لیے میں نے میاں احمد الدین صاحب زرگر کو دکھاتے انہوں نے ایک ہزار روپے قیمت لگائی مگر رقم ایک ماہ بعد دینے کا کہا اور اپنے گاؤں پنڈی چری چلے گئے میں نے نواب صاحب کو بتا دیا۔ انہوں نے حضرت سیدہ موصوفہ سے بات کی کہ قریشی صاحب نے میاں احمد الدین کے پاس وہ زیورات ایک ماہ کے وعدہ پر فروخت کر دیئے ہیں اور قیمت ایک ہزار روپے لگی ہے اس پر حضرت سیدہ موصوفہ نے اُدھار دینے پر مجھے صرف اتنا فرمایا۔ کہ نواب صاحب کو قریشی صاحب فروخت کرنے والے

مل گئے اور قریشی صاحب کو میاں احمدالدین صاحب زرگر خریدنے والے مل گئے۔ آپ نے یہ فقرہ بطور مزاح فرمایا۔ مگر میں دل میں شرمسار تھا۔ کہ اگر رقم وعدہ پر نہ ملی تو کیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی فوری ضرورت کے ماتحت رقم درکار ہو۔ مگر الحمدللہ کہ میاں احمدالدین صاحب نے جاتے ہی بذریعہ تار منی آرڈر روپیہ ارسال کر دیا۔

اسی طرح بسا اوقات بعض سکے میلے ہو جاتے تو حضرت اماں جان مجھے دیتیں کہ انہیں زیور دھونے والی ریت سے چمکا کر لاؤ۔ چمکتے ہوتے سکے دیکھ کر حضرت سیّدہ موصوفہ بہت خوش ہوتیں۔

○

۶۔ مکرم خواجہ محمد عبداللہ صاحب سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی سے لکھتے ہیں :۔

حضرت دختِ کرام مادرِ مہربان صاجزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ (خدا تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں آپ پر نازل ہوں) کی خدمت میں دعا کے لیے خطوط لکھتا تھا۔ آپ ازراہِ شفقتِ مادرانہ اس ناچیز کے خطوط کا جواب عنایت فرماتیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

بہت سے خطوط میں سے اس وقت دو شفقت نامے مل سکے ہیں جو بھجوا رہا ہوں آپ کا وجود ہم سب کے لیے سراپا شفقت تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کمی کو پورا فرمائے۔ آمین

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

RABWAH مکرم خواجہ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

17/1/79 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا تار اور خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں فیصلہ فرمائے۔ آج سترہ تاریخ ہے فیصلہ سے اطلاع دیں اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کی پریشانیوں سے نجات دے اور مشکلات دُور فرمائے آپ کی مخلصانہ دُعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔ والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

RABWAH مکرم خواجہ محمد عبداللہ صاحب

۸۰/۳/۲۲ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا تار بھی ملا تھا اور متواتر خط بھی ملتے رہے میں نے حسب توفیق دعا کی مگر خدا تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ اگر ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو ہزار دروازے کھل جاتے ہیں آپ زیادہ غم فکر نہ کریں۔ آپ بھی دُعا کرتے رہیں۔ میں بھی دُعا کروں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر رہے اسی میں کوئی بہتری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ متبادل انتظام فرمائے گا۔ والسلام

امۃ الحفیظ بیگم

(ماہنامہ مصباح جنوری فروری ۱۹۸۸ء)

* * *

حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

(از خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار سابق ایڈیٹر "اصلاح" سرینگر حال راولپنڈی)

اس عاجز کے زمانۂ طفولیت میں کئی سال مجھے حضرت بیگم صاحبہ کے زیر سایہ کوٹھی دارالسلام قادیان میں رہنے کی سعادت حاصل رہی۔ ان کے اور ان کے نامدار شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے ہاں قیام میری زندگی کا ایک حسین اور معصوم واقعہ ہے۔ ان بزرگوں کی شفقتوں اور احسانات کی تفصیل بھی دراز ہے۔ اس لیے میں انہیں اپنے حقیقی والدین کے طور پر ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہمیشہ دُعا گو رہتا ہوں۔

میرا حضرت بیگم صاحبہ کی سرپرستی میں جانا اولاً دو ماہ کے لیے ہوا تھا مگر جب حضرت مرزا شریف احمد صاحب مجھے اپنی کوٹھی لے جانے کے لیے دارالسلام تشریف لائے تو میں اس عرصہ میں حضرت بیگم صاحبہ کی شفقتوں اور اس ماحول سے اتنا مانوس ہو چکا تھا کہ مجھے وہاں سے کسی اور جگہ جانا قبول نہ ہوا۔ حضرت بیگم صاحبہ نے اپنے بھائی حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی طرف اور ایک نظر میری طرف دیکھتے ہوتے فرمایا کہ "اسے رہنے دیں یہاں ہی ہم بھی ہر طرح سے اس کا خیال رکھیں گے"۔ چنانچہ جامعہ احمدیہ کی کلاسوں میں پہنچنے تک کم و بیش پانچ سال تک میں کوٹھی

دارالسلام میں رہا اس دَور کی حسین اور ناقابلِ فراموش یادیں میرے دل دماغ پر اس طرح حاوی ہیں کہ جب بھی قادیان جانا ہوا تو کوٹھی دارالسلام کے باغ اور کونے کونے میں گھوم پھر کر دیوانہ وار روتا بھی ہوں اور حیران بھی ہوتا ہوں کہ اس سرزمین میں کیا جادو ہے کہ میرے وطن مالوف اور میری جنم بھومی کی طرح اس جگہ کی یادیں رُلائے بغیر نہیں چھوڑتیں۔ یقیناً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت برحق ہے کہ ایسے رُوحانی رشتے قائم فرماگئے جو خون کے رشتوں کے برابر ہیں بلکہ اس سے سوا اسی کوٹھی دارالسلام میں خاکسار ذاتی طور پر حضرت مصلح موعود سے متعارف ہوا جو طلب علمی کے بعد بھی اب تک میری زندگی کا ملجا۔ و ماویٰ بنا۔ حضرت اماں جان، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ۔ مجھے ایسے جانتے پہچانتے تھے جیسے گھر کے کسی فرد کو جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ میرے اس تعارف اعزاز اور خوش قسمتی کا واحد سبب حضرت بیگم صاحبہ کا وہ حُسنِ سلوک ہے جو اس عاجز کے ساتھ روا رکھا گیا اور میں ایک مہمان طالب علم کے طور پر اتنی مدت ان کے زیر پرورش رہا۔

کوٹھی دارالسلام کا ماحول صاف ستھرا امیرانہ ہی نہیں بلکہ نورِبانہ تھا لیکن اس ظاہری شان وشوکت کیساتھ ساتھ سارا ماحول نیکی ،پاکیزگی اور محبت واخوت کا گہوارہ تھا۔ اور اس پاکیزہ ماحول میں مَیں نے شعور کی آنکھ کھولی۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب نماز باجماعت کی پابندی فرماتے اور مَیں ساتھ ہولیتا اور بیت نور میں باجماعت نمازیں ادا کرتے تھے بچپن کی وجہ سے

مجھے علم نہ تھا کہ کسی نمازی کے آگے سے گذرنا منع ہے۔ حضرت میر مہدی حسین صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ میں بے دھیان اُن کے سامنے سے گذرنے لگا انہوں نے دفعتاً اپنا دایاں بازو آگے اس انداز میں بڑھایا کہ وہ مجھے قدرے زور سے لگا اور اس کے بعد میں زندگی بھر کسی نمازی کے آگے سے نہیں گذرا۔ ایک اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر محمد طفیل خان صاحب میرے استاد اور محلہ دارالعلوم حلقہ نُور کے صدر تھے انہوں نے مجھے ایک رسید بُک دی اور چار پانچ احباب سے ہر ماہ چندہ وصول کرنا اور انہیں پہنچانا مجھے سونپا۔ بعد میں مَیں اس حلقہ کا سیکرٹری مال بن گیا اور اس طرح بچپن سے ہی جماعتی کاموں کی لگن پیدا ہو گئی۔

حضرت بیگم صاحبہ حد درجہ مہمان نواز تھیں اوروں کے واقعات تو بے شمار ہونگے لیکن حضرت مصلح موعود کے زمانہ میں بعض معزز اور مشاہیر مہمانوں کی فرودگاہ بھی کوٹھی دارالسلام ہوا کرتی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے ایک دفعہ اس وقت کے شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کو اپنے ایک سیکرٹری کے ساتھ بطور مہمان ٹھہرایا گیا مکرم خواجہ غلام نبی گلکار جو شیر کشمیر کے زمانے میں "معمارِ ملت" کہلاتے تھے اور آزاد کشمیر حکومت کے بانی صدر بنے تو انور کہلاتے وہ ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی یہاں ہی ٹھہرائے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ جمعہ پڑھنے کے لیے میں اُن کے ساتھ بیت اقصیٰ گیا تھا گویا راہنمایان کشمیر کے ساتھ میرا ابتدائی تعارف کوٹھی دارالسلام میں ہی ہوا۔

تعلیم سے فارغ ہو کر میں حضرت مصلح موعود کے جاری کردہ ہفت روزہ "اصلاح" سرینگر سے وابستہ ہوا، لیکن اس عظیم خاندان سے میرا رابطہ قائم رہا۔ ۴۷ء میں پاکستان بننے کے بعد رتن باغ کے قیام کے زمانے میں حضرت نواب صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کبھی کبھی کسی خدمت کے لیے یاد فرما لیا کرتے تھے اس زمانے میں میری زیادہ تر مصروفیات تحریکِ کشمیر سے متعلق حضرت مصلح موعود کی زیر نگرانی ہوتی تھیں۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب علیل ہوتے مجھے اکثر ان کا سر اور جسم دبانے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ متعدد بار بڑی اور چھوٹی بیگم صاحبہ دونوں حضرت میاں صاحب کی تیمارداری اور دُعا میں مصروف ہوتیں یہ خاکسار اُن کے لیے بمنزلہ اولاد تھا مگر وہ اسلامی طریق پر پردے کا اہتمام کرتی تھیں ان بزرگوں کے اخلاق کریمانہ ان کی بے مثال مروتوں اور نیکی کے اعلیٰ نمونوں کو یاد کر کے ان کے حق میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے اور ان کے جملہ لواحقین کے لیے دل سے دُعائیں نکلتی ہیں کہ یہ لوگ تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ ہیں۔

پارٹیشن کے بعد ہر خاندان متاثر ہوا۔ اس خاندان پر بھی تنگی ترشی کا وقت آیا۔ ایک دفعہ ربوہ میں حضرت بیگم صاحبہ کے ایک پُرانے ملازم سے ملاقات ہوئی وہ بوڑھے ہو چکے تھے میں نے پوچھا آجکل گزارہ کی کیا صورت ہے کہنے لگے اللہ کا فضل ہے چھوٹی بیگم صاحبہ خرچہ دے رہی ہیں اور اچھا گزارہ ہو جاتا ہے میرے لیے بڑے تعجب کی بات تھی کہ غیر سرکاری

ملازم بھی ایسے ہوتے ہیں جنہیں ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن ملتی رہتی ہے بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اور بھی کئی خادموں کی اب بھی مالی مدد ہوتی رہتی ہے ۔

میری بڑی بیٹی عزیزہ سلیمہ منور حال لندن کی شادی کے موقع پر حضرت بیگم صاحبہ کی چھوٹی صاحبزادی عزیزہ محترمہ فوزیہ بیگم صاحبہ کی اس تقریب میں شرکت اور ان سے دُعا کرانے کی یہی وجہ تھی کہ عاجز کا اس خاندان سے خاص تعلق تھا عزیز المکرم نواب زادہ عباس احمد خان صاحب سے تو میری دلی عقیدت ہے حرف آخر کے طور پر میں اپنی ایک خواب عرض کرتا ہوں ۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ " میں حضرت بیگم صاحبہ سے باتیں کر رہا ہوں آنحترمہ مجھ سے کچھ شکوہ فرما رہی ہیں ۔ میں نے انہیں امّی جان کہہ کر مخاطب کیا اور کہا کہ میں تو آپ کو کبھی بھول ہی نہیں سکتا بلکہ ہمیشہ یاد کرتا رہتا ہوں آپ دونوں اور آپ کی ساری اولاد کے لیے ہمیشہ دُعا کرتا رہتا ہوں ۔ میں نے دیکھا آپ میری طرف آرہی ہیں اور میں بھی آگے بڑھا آپ نے اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھا اور میں بیدار ہو گیا ۔ الحمدللہ علیٰ ذالک ۔

☆

منظومات

دُختِ کرام

(از مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب ربوہ)

ؔ

بفضلِ ایزدی ہم سب نے دل میں ہے یہی ٹھانی
رواں رکھیں گے ہم سرچشمۂ افضالِ ربانی

ہراک برکت جو تھی وابستۂ دُختِ کرام اب بھی
رہے گی اس خنک سائے کی جسم ودل پہ ارزانی

وہ جاکر بھی ہمارے قلب وجاں سے جانہیں سکتیں
کہ یاد ان کی عطا کرتی رہے گی شرفِ مہمانی

دُعاؤں کے لیے وصفِ سخا۔ جُود وکرم ان کا
ہراک کشتِ عمل کو خوب دیتا ہے فراوانی

ہراک معصوم بچے سے محبت کا حسیں پیکر
باندازِ ملائک خُوبروئی۔ خندہ پیشانی

وہ ماموُرِ خُدا کی دُخترِ فرخندہ اختر تھیں
میسر تھی انہیں خلّاقِ عالم کی نگہبانی

خلوصِ دل کو ان کی پاک فطرت نے جِلا دی تھی
خُدا نے خود عطا کی تھی انہیں چہرے کی تابانی
وہ تھیں جس گود کی پروردہ اس کی بات ہی کیا ہے
ملا تھا گھر کا بھی ماحول نُورانی و رُوحانی
ہمہ شفقت، ہمہ برکت، ہمہ ہمدردیٔ انسان
خرد افزا، خیال انگیز ان کا جذبِ ایمانی
خداوندا نسیمؔ افسردہ دل تو ہے مگر اس کو
یقیں ہے تیری رحمت کا، کرم ہے تیرا لافانی

○

رحلت حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

(از مکرم محترم عبدالمنان صاحب ناہید)

زمیں پر مسیحا کے گھر کی مکیں — روانہ ہوئی سُوئے عرشِ بریں
جہاں سے میرے لے گئی ہے قضا — وہ مہ پارۂ آسمانِ وفا
وہ زنجیرِ تبشیر کی اِک کڑی — تھی خود بھی تو اِک موتیوں کی لڑی
وہ عالی جناب اور عالی مقام — کہا جس کو اللہ نے دُختِ کرام
گئی اپنے پیاروں سے پیاروں کے پاس — ہوا خانوادۂ مہدی اُداس
محبت تو آنکھوں سے بہتی رہی — زباں اِنَّا لِلّٰہ کہتی رہی
وہ ناسازگاری تھی حالات کی — بڑھی تیرگی اور بھی رات کی
سفر آخرت کا، بدن چُور تھا — مگر اس کا طاہر بہت دُور تھا
تھے وہ سلسلہ ہائے جور و جفا — اُسے آ کے رُخصت نہ وہ کر سکا
نظر سے کہاں ہو گئے ہیں نہاں — گہر ہائے آغوشِ نصرت جہاں
صبا! قادیاں کو بھی جا کر سُنا — کہ آج اس کا "الدّار" خالی ہوا
وہ اس کی محبت کے پالے ہوئے — گئے سب کے سب "داغِ ہجرت" لیے

میری آنکھ نے تو یہ دیکھا - گئی
گھڑی اور اِک لیلۃ القدر کی

"آسماں اسکی لحد پر نُور افشانی کرے"

از محترمہ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ۔ ربوہ

دُخترِ احمد، مسیحِ پاک کی لختِ جگر
ہوں ہزاروں رحمتیں اس کی مبارک ذات پر

پاک طینت، باصفا، عالی گہر، دُختِ کرام
سیّدہ کی جان، مہدی کی حسیں نُورِ نظر

ذات جس کی عظمتِ اسلاف کا پَرتَو لیے
وہ کہ جو تھی گلشنِ احمد کا اک شیریں ثمر

ہستیاں ہوتی ہیں کچھ ایسی کہ جب رُخصت ہوں وہ
ساتھ ان کے اِک مکمل دَور جاتا ہے گذر

یہ نشانی بھی میرے محبوب کی رُخصت ہوئی
دیکھنا چاہے گی پر نہ دیکھ پائے گی نظر

اس سے ملکر بھی بہت تسکین پا جاتے تھے لوگ
فُرقتِ آقا کے زخموں کو وہ کچھ دیتی تھی بھر

وار کچھ ایسا اجل کا تھا کہ یکدم گر گیا
باردار و خوبصورت ایک چھتنار شجر

"کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت" ہے قرآں میں
ہو کہیں، کوئی نہیں ہے موت سے جس کو مفر
"خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں"
یاد کر کے جن کو میرے چشم و دل آتے ہیں بھر
"قاعدہ ہے زندگی میں قدر ہم کرتے نہیں
بعد میں پھر یاد کرتے ہیں انہیں با چشمِ تر
جانتے تو سب ہیں کہ یہ زندگی ہے بے ثبات
پر نہیں یہ سوچتے کہ اس قدر ہے مختصر
روح منزل پہ پہنچ آرام پا جاتی ہے واں
ختم ہو جاتا ہے جب اس زندگانی کا سفر
جانے والے چھوڑ جاتے ہیں وہ زخمِ بے نشاں
کہ نیک جاتی نہیں سینے سے جن کی عمر بھر
ہے ہمارے پاس تو بس اک دُعاؤں کی سبیل
کاش پیدا ہو ہماری بھی دُعاؤں میں اثر
"آسماں اس کی لحد پر نُور افشانی کرے"
رحمتِ حق یاں ہماری بھی نگہبانی کرے

○

بیادِ دُختِ کرام

از سیّد سجاد احمد (مولف کتاب ہذا)

مہدیؑ موعود کی دُختِ کرام — نُورِ چشمِ سیّدہ عالی مقام
پاک سیرت، نیک طینت، باصفا — مَنبعِ خَیرُالعمل ہر ایک گام
آپ کی تعریف میں رطبُ اللساں — ہیں سبھی خورد و کلاں اَور خاص و عام
مُتّصِف اوصافِ حَسَنہ، پاک خُو — اَور ہر کردار میں اعلیٰ مقام
خدمتِ خلقِ خُدا و بے کساں — چشمۂ جُود و سخا فیضانِ عام
قابلِ تقلید ساری خوبیاں — نیکیوں پر گامزن رہتیں مدام
موت نے گُل کر دیا روشن چراغ — ہوگئیں خُلد آشیاں "دختِ کرام"
موت سے بُجھتی نہیں شمعِ جمال — زندۂ جاوید ہیں وہ لا کلام
اِک حُبابِ بحر ہے دُنیائے دُوں — ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوام
تھی ولادت عیسوی سن (۱۹۰۴) چار کی — جُون پچیس (۲۵) پیر کا دن بے کلام
سن ستاسی (۱۹۸۷) چھ مئی کو ہوگیا — اس حیاتِ عارضی کا اختتام
سیّدہ امۃ الحفیظِ پاک باز — ہوں خدا کی رحمتیں ان پر تمام

اِک فقیرِ بے نوا غمگین کا
پیکرِ صدق و اطاعت کو سلام

○

عقیدت کے آنسو

(از محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ ربوہ)

☆

زلزلے نے ایک دن پہلے ہی دے دی تھی خبر
کل کسی سُورج کا پھر ہو جائے گا پورا سفر
چلتے چلتے عمر کا راہوار آخر تھک گیا
چودھویں کا چاند گہرے بادلوں سے ڈھک گیا
آج پھر برسات بھی روتی رہی ہے رات بھر
ہم سبھی جاگے ہیں تو سوتی رہی ہے رات بھر
تو ازل سے ہی رہی گویا ہمارے درمیاں
اور اب کوئی نہیں تجھ سا ہمارے درمیاں
دیکھ کر تجھ کو ہمیں وہ گود یاد آتی رہی
اپنے بچپن میں جہاں آرام تو پاتی رہی
ہم سے کیا تعریف ہو اعلیٰ تیرے اوصاف کی
تجھ سے آتی تھی ہمیں خوشبو تیرے اسلاف کی

پھول تھی، خوشبو تھی، دھیمی چاندنی کا نُور تھی
آج جتنی دُور ہے اتنی بھلا کب دُور تھی

مَیں نے دیکھی ہے فراست میں فراوانی تیری
بھُول سکتی ہوں بھلا پیشانی وہ نُورانی تیری

اپنی باتوں سے سدا کرتی تھی مجھ کو مستفیض
عمر بھر دیکھا نہیں مَیں نے کوئی تجھ سا مریض

جس طرح جگنو چمک کر راہ دکھائے دُور سے
تیری پیشانی چمکتی تھی ضیا کے نُور سے

جو مقرب تھے ترے وہ فیض تیرا پا گئے
رفتہ رفتہ اپنے رب کی عافیت میں آ گئے

ایسے لگتا ہے بہت خالی ہیں ہم تیرے بغیر
آ گئے ہیں یاد ہم کو سارے غم تیرے بغیر

آج تپتی دھوپ سر پہ سائباں کوئی نہیں
باغ میں لگتا ہے جیسے باغباں کوئی نہیں

پھُول سا چہرہ پڑا ہے ماند اک زیرِ زمیں
دفن کرنے آتے ہیں ہم چاند اک زیرِ زمیں

آسماں خود آج تیری فاتحہ کو جھُک گیا
وقت صدیوں بعد جیسے لمحہ بھر کو رُک گیا

تیرے پیارے کس قدر مجبور تجھ سے دُور ہیں
پَر لگا کر اُڑ نہیں سکتے بہت رنجور ہیں
آج پھر پہنے ہیں مولا ہم نے تیرے غم کے ہار
آج پھر ٹوٹے دلوں کی تجھ سے مولا ہے پکار
یہ کڑا وقت ! اور ہم اپنوں سے کتنی دُور ہیں
آج اس تیری زمیں پر ہم بہت مجبور ہیں
ہم سوالی بن کے مولا تجھ سے ہی لیں گے جواب
جب کوئی پردیس سے آئے ! کیا دیں گے جواب

○

جگمگاتی پانچ ہیروں کی لڑی

(از عزیزہ سیّدہ منصورہ حنا بنت سیّد سجاد احمد ربوہ)

جگمگاتی پانچ ہیروں کی لڑی	خود خدا نے اپنے ہاتھوں سے جڑی
گوہر یکتا تھے سارے بالیقیں	روشنی تھی ان سے ہر دم ہر گھڑی
زینتِ نصرت جہاں پانچوں گہر	یُبْدَاءُ مِنْكَ کی پاکیزہ لڑی
اپنے اپنے وقت پر اوجھل ہوئے	آئی جب بھی ان کے جانے کی گھڑی
اُس لڑی کا آخری ہیرا گیا	مل سکے گی اب کہاں وہ پنجلڑی
جانے والا لوٹ کر آجاتے کاش	دل میں اس کے آرزو تھی یہ بڑی
پردیس میں کوئی تڑپتا رہ گیا	آزمائش یہ بھی تھی لیکن کڑی
کھول دے بابِ اجابت اے خُدا	در پہ تیرے دیر سے میں ہوں کھڑی

پاگیا منصورہ وہ دونوں جہاں
اس کی رحمت کی نظر جس پر پڑی

○

ہر گھڑی جسکو خدا کی تھی رضا پیشِ نظر

(از محترمہ سیدہ منیرہ ظہور صاحبہ ربوہ)

ایسی ہستی پہ کرے فخر زمانے کا امام
جس کو اللہ نے خود نام دیا "دُختِ کرام"
جس کے دامن پہ فرشتوں نے لٹائے سجدے
باصفا ایسی کہ حوروں نے قدم بڑھ کے لیے
خُلق ایسا کہ جھڑیں پھُول وہ جب بات کرے
حُسن ایسا کہ بہاروں کو بھی جو مات کرے
ہر گھڑی جس کو خُدا کی تھی رضا پیش نظر
جس کو اللہ کے سوا تھا نہ کسی اَور کا ڈر
حلم ایسا کہ اثر بن کے دلوں میں اُترے
رُعب ایسا کہ ادب بن کے نظر سے گذرے
ایسی ماؤں کے ہی قدموں کے تلے جنّت ہے
بزمِ ہستی میں وجود ان کا بڑی نعمت ہے
ایسی ہستی پہ منیرہؔ کا قلم کیا لکھے
جس کے ماتھے پہ ہو تاریخ رقم کیا لکھے

مُحسنہ سب کی

(ازمکرم حمید احمد صاحب اختر المنار دواخانہ ربوہ)

مُحسنہ سب کی جنابِ سیّدہ امۃ الحفیظ
ان کی رحلت سے ہوئے ہیں آج ہم سب بے قرار

واسطہ دیکر ترے پیاروں کا تجھ سے عرض ہے
میرے قلبِ مضطرب کو کر عطا صبر و قرار

جو عقیدت ان سے تھی وہ میں بتا سکتا نہیں
ان کے جانے سے ہوتے ہم سب حزین و دلفگار

آپ کے احسان اتنے ہیں کہ گن سکتا نہیں
نیک سیرت، پاک فطرت اور سب کی غمگسار

جس کو دیکھو وہ یہی کہتا ہے میری ماں تھیں وہ
اپنے بچوں کی طرح کرتی تھیں ہر اِک سے پیار

ان کے جانے سے چمن کی رونقیں کم ہوگئیں
وہ نہ آئیں گی دوبارہ بے شک آئے صد بہار

نیکیاں قائم رہیں گی ان کی دُنیا میں سدا
کام جو بھی کر گئیں وہ سب کے سب ہیں پائیدار

یاد کر کے ان کو اب آنسو بہا لیتا ہوں میں
فخر مجھ کو ہے کہ میں ان کا تھا اک خدمتگذار

ان کی برکت سے عطا کر ہم کو مولا برکتیں
ہم بھی ان سے حصہ پائیں اے میرے پروردگار

آپ نے جو کیں دُعائیں کل جماعت کے لیے
مقبول ہوں ساری دُعائیں آج ہم ہیں اشکبار

یادیں ان کی یاد کر کے آگے بڑھنا ہے ہمیں
ہر جگہ پہ آتے مولا باغِ احمد پہ بہار

سب کے زخموں پہ لگا مرہم تو اے مولا کریم
اور تسکیں دے دلِ مضطر کو اے پروردگار

روز و شب اخترؔ دُعا کرتا ہے ان کے واسطے
قربُ تیرا ان کو حاصل ہو میرے پروردگار

سیرت نگاری

○

" سیرت نگاری نے اب ایک فن کی صورت اختیار کرلی ہے، لیکن یہ سب اسلوب دلوں میں اس حقیقت کو راسخ کرنے کے لیے ہیں کہ جانے والے ہمارے لیے کیا نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ اور ہم نے ان برکتوں سے کس قدر حصّہ پایا ہے اگر ہم یہ سبق سیکھ لیں اور عملی زندگی میں زندۂ جاوید کرداروں سے راہنمائی حاصل کریں تو مقصود حاصل ہے اور کسی قسم کا خلا کا احساس بلاوجہ ہے ورنہ جانے والے تو اپنے خدا کے لیے اپنی زندگی گذار گئے۔ اور بہترین ثمرات کے مالک بنے۔ لیکن ہمارے لیے حسرات اور نہ پُر ہوسکنے والے خلا کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ صرف حالات کا پڑھ لینا۔ ہمارے کسی کام نہیں آئے گا۔"

○

لمحۂ فکریہ

"تم کیوں ایسی حالت میں بیٹھے ہوتے ہو کہ جب کوئی شخص چلا جاتا ہے تو تم کہتے ہو اب کیا ہو گا۔ تم کیوں اپنے آپ کو اس حالت میں تبدیل نہیں کر لیتے کہ جب کوئی شخص مشیتِ ایزدی کے تحت فوت ہو جاتے تو تمہیں ذرا بھی یہ فکر محسوس نہ ہو۔ کہ اب سلسلہ کا کام کس طرح چلے گا۔ بلکہ تم میں سینکڑوں لوگ اس جیسا کام کرنے والے موجود ہوں۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء ص۱۶۴)